من ز قرآں مغز را بر داشتم   استخواں سُوئے سگاں انداختم

٨٧
٩٢

الحمد للہ کہ شرح مثنوی شریف کا حصہ سوم

مسمّی بہ

صدائے نَوی

شرح

مثنوی مولوی معنوی (اردو)

مُصنّف

قدوۃ السالکین امام العارفین حضرت قبلہ مولانا جلال الدین رُومی قدس سرہٗ

شارح

حضرت شیخ الحدیث والتفسیر علامہ ابو الصالح محمد فیض احمد اویسی رضوی مدظلہ

ناشر:- مکتبہ اُویسیہ رضویہ ملتان روڈ بہاولپور

نام کتاب ـــــــ صدائے نوی شرح اُردو مثنوی مولوی معنوی

مصنّف ـــــــ حضرت جلال الدین رُومی قدس سرہٗ

شارح ـــــــ ابُو الصّالح محمّد فیض احمد اویسی

کاتب ـــــــ محمّد حنیف گِل

موضوع ـــــــ تصوّف

طباعت ـــــــ آفسٹ

مطبع ـــــــ زاہد بشیر پرنٹرز لاہور

سال طباعت ـــــــ بار اوّل ۱۹۸۱ء

ناشر ـــــــ مکتبہ اُویسیہ رضویہ بہاولپور

قیمت ـــــــ [redacted] روپے

Rs 3 5

فہرست مضامین

حصّہ سوم

پیش لفظ
اضافت کردن آدم علیہ السلام ۱۴
ہر فعل کا فاعل اللہ تعالیٰ ہے لیکن نسبت کرنے پر سزا و جزا ۱۵
کرد حق و کرد ما الخ ۱۵
ادب کی جزا و بے ادبی کی سزا ۱۵
گر نباشد فعل خلق الخ ۱۶
خلق حق افعال مارا الخ ۱۷
معتزلہ اور اہل سنّت کا فرق ۱۷
لیک ہست آں فعل الخ ۱۸
زانکہ ناطق حرف الخ ۱۸
آنزماں کہ پیش بینی ۱۹
گر بمعنی رفت الخ ۲۰
چوں محیط حرف الخ ۲۰
حق محیط جملہ الخ ۲۰
گفت ایزد جاں الخ ۲۱
کان میں انگلی دباؤ تو جو آواز آتی ہے وہی کن کی آواز ہے ۲۲
گفت شیطان کہ الخ ۲۳
گفت آدم کہ الخ ۲۴

marfat.com

درگناه و از ادب الخ ۲۵
بعد توبہ گفتش الخ ۲۵
نے کہ تقدیر و قضائے الخ ۲۶
گفتدم ترسیدم الخ ۲۶
طیبات از بہر الخ ۲۷
یک مثال اے دل الخ (تمثیل) ۲۸
دست کو لرزان الخ ۲۹
عود لرزنا اور ہے، بیماری سے لرزنا اور، جبر و قدر کی تحقیق ۲۹
از یں پشیمانی کہ دادی الخ ۳۰
مرتعش را الخ ۳۰
بحث عقلست الخ یعنی عوام کا اور ہے خواص کا اور ۳۱
بحث عقلی الخ ۔ انبیاء و اولیاء اور دانشوروں کے عقول میں فرق ۳۲
بحث جان الخ ۳۳
آنزمان کہ بحث الخ ۳۴
چوں عمراز عقل الخ ۳۵
حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کمالات ۳۵
سوئے حس و عقل الخ ۳۶
بحث عقل و حس الخ ۳۷
حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی کرامات اور کارنامے ۳۸
حدیث یا ساریۃ الجبل کی تفصیل ۴۰
زانکہ بینائے الخ ۴۱

marfat.com

وہو معکم اینما کنتم کی تفسیر	۴۲
گر بجہل آئیم الخ	۴۳
گر بخواب آئیم الخ	۴۴
ور بگرئیم الخ	۴۵
در بخشم و جنگ الخ ، مان کیئم الخ	۴۶
چوں الف الخ ماسوی اللہ سے فارغ ہوجا	۴۷
جہد کن الخ ایں سخن را الخ	۴۸
ایں سخن را الخ	۴۸
قصہ قاصد کا جو حضرت عمرؓ کے ہاں حاضر ہوا	۴۹
حضرت عمرؓ نے قاصد کو عرفان سے بھرپور فرمایا	۵۰
حضرت عمر کو قتل کرنے لگا تو دو شیر سامنے آگئے	۵۱
اصل را دریافت الخ گفت با عمر	۵۲
آب صافی در گلے الخ ، فائدہ فرما الخ ، گفت تو الخ	۵۳
حبس کردی الخ ازبرائے فائدہ الخ	۵۴
جیسے معانی قید میں نہیں ایسے ہی روح قید ہوسکتی ہے	۵۵
آنکہ از وے الخ	۵۶
آں دم لطف الخ آن دم نطق	۵۷
تو کہ جز الخ روح کل کیوں ہے	۵۸
گفت را الخ شکر حق الخ	۵۹
گر ترشرو الخ سرکہ را الخ	۶۰
حدیث مَنْ اَرَادَانی الخ	۶۱

marfat.com

آں رسول اینجا الخ ۶۲
قاصد حضرت عمر کے ہاں پہنچ کر عارف بن گیا ۶۲
سیل چوں آمد الخ یعنی سیلاب دریا میں پہنچ کر دریا بن گیا ایسے ہی بندہ ۶۳
چوں تعلق یافت الخ موم و ہیزم ۶۴
سنگ سرمہ الخ ۶۴
اے خنک آں مردہ الخ ۶۶
وائے زندہ کہ الخ یعنی جیسی صحبت ویسا نتیجہ ۶۶
ہست قرآں حالہا الخ ۶۷
در بخوانی الخ یعنی قرآن کے بعد انبیاء و اولیاء کے حالات پڑھیئے ۶۷
مرغ کو اندر الخ یعنی وہ ارواح فائدے میں ہیں جن کے رہبر
انبیاء و اولیاء ہیں ۶۹
از بروں آواز شاں الخ ۷۰
خویش را رنجور الخ ۷۱
یک حکایت بشنوا الخ ۷۲
طوطی کا قصہ جس کا آقا ہندوستان گیا ۷۳
تاجر نے سب کے لیے تحائف کا پوچھا اور طوطی سے بھی ۷۴
طوطی نے کہا ہند کی طوطیوں کو سلام کہنا اور قید کا شکوہ سنانا ۷۵
ایں چنیں باشد الخ ۷۷
یاد یاراں الخ ۷۸
اے حریفاں الخ ۷۹
یک قدم می نوشش الخ ۷۹

marfat.com

یا بیادہ الخ شراب پینے کے طریقے ۸۰
اے عجیب آن عہد الخ ۸۱
گر فراق بندہ الخ ۸۲
ایں بدی الخ ۸۳
اے جفائے تو الخ ۸۳
نار تو اینست الخ ۸۴
فی المثل جودت الخ ۸۵
یاد آور الخ ۸۶
عاشقم بر قہر الخ ۸۷
عشق من الخ ۸۸
واللہ ازیں الخ ۸۸
ایں عجب بلبل الخ ۸۹
ایں چہ بلبل الخ ۸۹
عاشق کل الخ ۹۰
قصہ طوطی ریگستان الخ ۹۱
کویے مرغے الخ ۹۲
صفت اولی اجنحۃ الخ ارواح پانچ ہیں ۹۳
چوں بنالا الخ ۹۴
ہر دمش صدنامہ الخ ۹۵
ذلت اویذ ذطاعت الخ ۹۶
ہر دمے اورا الخ ۹۷

marfat.com

صورتش بر خاک الخ ۹۸
لامکانے الخ ۹۸
بل مکان ولا مکان الخ ۹۹
تاجر ہند میں پہنچ کر ان طوطیوں کے پاس گیا ۱۰۰
ایک طوطی پیغام سن کر مر گئی ۱۰۲
تاجر اس سے حیران ہو گیا، کاش میں پیام نہ سناتا ۱۰۲
سنگ و آہن را مزن الخ ۱۰۳
زانکہ تاریکست الخ ۱۰۴
عالمے را یک سخن ۱۰۵
گر حجاب از جانہا الخ ۱۰۶
گر سخن خواہی الخ ۱۰۷
صبر باشد الخ ۱۰۸
ہر کہ صبر آورد الخ ۱۰۸
فریدالدین عطار کے قول کی تفسیر ۱۰۹
اولیاء کو اپنے اوپر قیاس کرنا گمراہی ہے ۱۱۱
آنکہ صحت یافت الخ ۱۱۲
گفت پیغمبر الخ ۱۱۳
ور تو نمرودی است الخ ۱۱۴
او ز قعر بحر الخ ۱۱۵
گنج شکر کی پھونک نے مٹی کو سونا بنا دیا ۱۱۶
چوں قبول حق الخ ۱۱۷

marfat.com

اولیاء کی کرامات کے واقعات ۱۱۸

اولیاء کی محبت کے دلائل ۱۱۹

دست ناقص دست شیطان الخ ۱۲۰

جہل آید و الخ بدمذہب عالم ہو تب بھی جاہل کہنا سمجھنا لازم ہے ۱۲۱

ہرچہ گیرد علتی الخ ۱۲۲

اے مری کردہ الخ ۱۲۳

جادوگر موسیٰ علیہ السلام کے مقابلے ہیں، مگر ادب کیا تو الخ ۱۲۴

بے ادب گستاخ کو کبھی ایمان نہ نصیب نہ ہوگا ۱۲۵

ساحران در عہد فرعون الخ ۱۲۶

زانکہ گفتندش الخ ۱۲۷

گفت نے اول الخ ۱۲۸

ایں قدر تعظیم الخ ۱۲۸

ساحران چوں قدر الخ ۱۲۹

لقمہ و نکتہ الخ ۱۲۹

اپنے مرشد کے سامنے علمی دم نہ مارے جیسے حافظ جمال ملتانی نے کیا ۱۳۰

تو چو گوشے از نہان الخ ۱۳۱

کودک اندر بر آید الخ ۱۳۱

مدتے می بایدش الخ ۱۳۲

تا نیا موزد الخ ۱۳۲

ورنہ باشد گوش الخ ۱۳۳

کر اصلی کش الخ ۱۳۳

marfat.com

زانکہ اول سمع باید الخ یعنی مرید کو چاہیے کہ مرشد کی باتیں سنے عمل کرے لیکن
ان پر اعتراض نہ کرے ۱۳۴
ادخلوا الابیات الخ یعنی اسباب کے بغیر مقاصد کا حصول نہیں ہو سکتا ۱۳۵
نطق کان موقوف الخ مبدع است الخ ۱۳۶
بافیاں ہم در حرف الخ ۱۳۷
زیں سخن گر الخ ۱۳۷
زانکہ آدم الخ ۱۳۸
بہر گریہ آدم الخ یعنی انسان کی تخلیق کا اصلی مقصد اس سے گریہ وزاری دیکھنا ہے ۱۳۸
بایزید بسطامی کی انکساری کے اشعار ۱۳۸
آدم از فردوس الخ ۱۳۹
گر زپشت آدمی الخ ۱۳۹
ز آتش دل وآب الخ ۱۴۰
تو چہ دانی ذوق الخ ۱۴۰
تو چہ دانی ذوق آب الخ۔ ۱۴۱
گر تو ایں انبان الخ ۱۴۱
جسے کسی کا ذوق حاصل نہ ہو وہ اس کی حقیقت سے بے خبر ہوتا ہے ۱۴۱
پیٹ بھر کر نہ کھانے کے روحانی فوائد ۱۴۲
طفل جان الخ ۔ ۱۴۳
تا تو تاریک الخ ۱۴۳
لقمہ کو نور را افزود الخ ۱۴۴
روغنی کابد الخ ۱۴۵

marfat.com

علم و حکمت زاید الخ ۱۴۵
چوں زلقمہ الخ ۱۴۵
ہیچ گندم کارے الخ ۱۴۶
لقمہ تخم است الخ یعنی حلال لقمہ نور پیدا کرتا ہے اور حرام روح کو موت
کے گھاٹ اتارتا ہے۔ ۱۴۷
تاجر کا بقایا واقعہ کہ واپس لوٹ کر اپنے طوطی کو حال سنایا ۱۴۹
جو بات منہ سے نکل جائے اس کے منافع و نقصانات ۱۵۲
نگاہ مومن سے الخ اور ولایت کے متعلق بحث ۱۶۰
اولیاء را ہست قدرت الخ ۱۶۲
گفتہ ناگفتہ کند الخ ۱۶۳
از ہمہ دلہا کہ الخ ۱۶۴
گرت برہان باید الخ ۱۶۴
آیہ اَلَسْتُ بِرَبِّکُم الخ ۱۶۵
چوں بتذکیر و بہ نسیان الخ ۱۶۷
خذ تموہ الخ ۱۶۹
صاحب دہ بادشاہ الخ ۱۷۰
فرع دید آمد الخ ۱۷۰
مرو شں الخ ۱۷۲
من تمام ایں الخ ۱۷۳
صد ہزاراں الخ ۱۷۴
روز دلہا الخ ۱۷۵

marfat.com

آں ہمہ الخ ۱۷۵

پیشہ و فرہنگ الخ ۱۷۶

پیشہ زرگر الخ ۱۷۶

پیشہ ہا و خلقہا الخ ۱۷۷

صورتے کان آں الخ ۱۷۷

پیشہ ہا و خلقہا بعد خواب الخ پیشہ ہا اندیشہ ہا ۱۷۸

چوں کبوتر ہا الخ ۱۷۹

ہر چہ بینی الخ ۱۷۹

پہلے زمانہ میں ڈاک کبوتر پہنچاتے تھے ۱۷۹

بقایا قصۂ تاجر کہ جب اس نے اپنے طوطی کو ہند کے طوطی کا حال سنایا تو ۱۸۰

اس کا طوطی بھی پنجرے میں مر پڑا۔ ۱۸۱

شیعہ کے ماتم کی مذمت ۱۸۲

تاجر کا مردہ طوطی پر نوحہ ۱۸۳

زبان کی مذمت و مدحت ۱۸۶

تاجر کا طوطی پر ماتم کرنا ۱۹۲

عاشق رنجست الخ ۱۹۴

از کبد فارغ الخ ۱۹۵

اے دریغا الخ ۱۹۳

غیرت حق بود الخ ۱۹۶

غیرت آں باشد الخ تحقیق غیریت و عینیت خلق از احمد ابن العربی ۱۹۷

بقلم پیر مہر علی گولڑوی۔ ۱۹۸

marfat.com

اے دریغا الخ ۱۹۹
طوطی من الخ ۱۹۹
ہرچہ روزے الخ ۲۰۰
طوطی کاید الخ ۲۰۱
اندرون تست الخ ، حدیث شریف کے مطابق ارواح اجسام ۲۰۱
سے دو ہزار سال پہلے پیدا ہوے۔ ۲۰۱
طوطی سے مراد روح ہے اس کی دیگر توجیہات ۲۰۲
می برد شادیت الخ ۲۰۳
یک جان را بہر تن الخ ۲۰۴
سوختہ من الخ ۲۰۴
چوں زنم دم الخ اس شعر کی توجیہات ۲۰۶
آنکہ او ہشیار الخ شیر مستی کند الخ ۲۰۷
قافیہ اندیشم الخ ۲۰۸
خوش نشیں الخ ۲۰۸
کیف یاتی النظم الخ ۲۰۹
حرف چہ بود الخ ۲۰۹
حرف و صوت الخ ۲۱۰
آں دمے کز الخ ۲۱۰
آں دمے را کہ گفتم الخ پیغمبروں کی توہین کا سوال اور اس کا جواب ۲۱۱
آں دمے کو دے الخ شعر مذکور میں لفظ 'ما' کی توجیہات ۲۱۴
ما چہ باشد الخ۔ ۲۱۶

marfat.com

غوث اعظم کا عجز	۲۱۷
جملہ شاہان الخ شیخ سعدی حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے ہمزماں تھے	۲۱۸
جملہ شاہان پست الخ	۲۱۹
می شود صیاد الخ	۲۲۰
دلبران بر بے دلاں الخ	۲۲۰
ہر کہ عاشق دیدیش الخ	۲۲۱
تشنگان گر الخ منصور نے انا الحق کیوں کہا	۲۲۲
چونکہ عاشق اوست الخ	۲۲۳
بند کن الخ	۲۲۳
من چہ غم دارم الخ	۲۲۴
غرق حق الخ	۲۲۵
زیر دریا الخ	۲۲۵
پس زبون وسوسہ الخ	۲۲۶
گر مرادت الخ	۲۲۶
ہر ستارہ اش الخ	۲۲۷
بہاؤ خون الخ	۲۲۷
اے حیات عاشقان الخ	۲۲۸
اولیاء موت کے بعد بھی زندہ ہوتے ہیں	۲۲۹
حذیفہ وجعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور صحابی اور ان کی زندہ لاشیں ۱۹۳۲ء	۲۳۰
چودہ سو سال کے بعد حضرت عبداللہ کے والد گرامی کی لاش صحیح سالم	۲۳۰
اور دیگر سات صحابہ کرام	۲۳۲

marfat.com

زندہ کرامت کی لاش ۲۳۳
زندہ لاش کی کرامت یعنی صاحب دلائل الخیرات کے وصال کے بعد کرامات ۲۳۴
حیرت انگیز واقعات یعنی موت کے بعد زندہ ۲۳۴
من دلش الخ ۲۳۵
محبوب سے راز و نیاز ۲۳۵
گفتم آخر الخ ۲۳۶
منؔ ندانم الخ ۲۳۶
اے گراں جان الخ ۲۳۷
معشوق کا عاشق کو جواب ۲۳۷
ہر کہ او لرزاں الخ ۲۳۸
غرق عشق تو شدم الخ ۱۳۹
مجلش گفتم الخ ۱۴۰
من زشیریں الخ ۲۴۱
محبوب الٰہی اور ابن العربی کی روحانی گفتگو ۲۴۲
تاکہ شیریں الخ ۲۴۳
تاکہ ہر دو گوش ۲۴۳
تفسیر حکیم سنائی اور شرح حدیث غیرت ۲۴۴
جملہ عالم الخ ۲۴۵
غیرت محمود و مذموم ۲۴۵
او چوں جان است الخ ۲۴۶
ہر کہ محراب الخ ۲۴۷
خبر اور مشاہدہ کا فرق ۲۴۸

marfat.com

ہر کہ شد مر شاہ را الخ	۲۴۹
گرچہ سر بر یا الخ	۲۵۱
شاہ را غیرت بود الخ	۲۵۱
غیرت حق بر مثل الخ	۲۵۲
اصل غیرت الخ	۲۵۳
ایمان ابو طالب کی تحقیق	۲۵۳
شرح ایں بگذارم الخ	۲۵۴
اللہ تعالیٰ ظلم سے پاک ہے اس کی عقلی دلیل	۲۵۵
نالم ایرا الخ	۲۵۶
چوں ننالم الخ	۲۵۷
عشق الٰہی صرف انسان کو ہے۔	۲۵۷
مکر کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر کیوں	۲۵۸
تجلی ذاتی کو دوام کیوں نہیں	۲۵۹
چوں نیاشم الخ	۲۶۰
ناخوش او الخ	۲۶۱
عاشقم بر رنج خویش الخ	۲۶۲
اشک کان الخ	۲۶۳
من زجان الخ	۲۶۳
دل ہمی گرید الخ	۲۶۴
راستی کنی الخ	۲۶۵
آستان و صدا الخ	۲۶۵

marfat.com

اے رہیدہ جان الخ	۲۶۶
مرد وزن الخ	۲۶۷
ایں من و ما الخ	۲۶۸
ممکنات کی تحقیق کیوں	۲۶۹
تا و تو با الخ	۲۷۰
تا من و تو الخ	۲۷۱
ایں ہمہ ست الخ	۲۷۲
امر کن کی تحقیق	۲۷۲
چشم چشانہ الخ	۲۷۳
اللہ تعالیٰ کو دنیا میں دیکھنا ممکن ہے یا کیونکر	۲۷۴
دل کہ او لبستہ الخ	۲۷۵
باغ سبز الخ	۲۷۶
عاشقی زیں الخ	۲۷۷
دہ زکوٰۃ روئے الخ	۲۷۸
کو کرشمہ الخ	۲۷۹
من حلاش کردم الخ	۲۷۹
چوں گریزانی الخ	۲۸۰
اے کہ ہر صبح الخ	۲۸۱
چہ بہانہ می وہی الخ	۲۸۲
شرح گل گذار الخ	۲۸۳
حالت دیگر بود الخ	۲۸۴

marfat.com

جور و احسان الخ	۲۸۵
صبح شد اے صبح الخ	۲۸۶
عذرخواہ الخ	۲۸۷
تافت نور صبح الخ	۲۸۸
صبح کے وقت کی تحقیق	۲۸۹
دادہ حق الخ	۲۹۰
بادہ از ماست الخ	۲۹۱
ماچوں زنبوریم الخ	۲۹۲
بس درازست الخ	۲۹۳
بقیہ واقعہ تاجر	۱۹۴
مرد غرق گشتہ الخ	۲۹۵
دوست دارد الخ	۲۹۶
آنکہ اوشاہست الخ	۲۹۷
بہر ایں فرمود الخ	۲۹۸
کاندریں رہ الخ	۲۹۹
تادم الخ	۲۹۹
ہر کہ کوشد الخ	۲۹۹
مردہ طوطی زندہ ہوگیا	۳۰۰
تاجر اور طوطی کی گفتگو	۳۰۱
فنا کے بعد بقا ملتی ہے	۳۰۲
ہر کہ دارد الخ	۲۰۵

marfat.com

چشمہا وخشمہا الخ	۳۰۶
دشمنان الخ	۳۰۷
دوستاں الخ	〃
آنکہ غافل بود الخ	〃
درپناہ الخ	〃
تا پناہے الخ	۳۰۸
نوح وموسٰی الخ	۳۰۸
آتش ابراہیم الخ یعنی جب اللہ تعالیٰ مدد کرتا ہے تو پھر دشمن بھی کام آتا ہے۔	۳۰۹
طوطی تاجر سے الوداع ہوگیا	۳۱۰
مخلوق کو بڑا سمجھنے کی مذمت	۳۱۳
خوشامدیوں کی خوشامد کے نقصانات	۳۱۴
لواطت کی مذمت از احادیث	۳۱۷
دیو سوے آدمی الخ	۳۲۸
تا تو بودی الخ	〃
چوں شدی الخ	۲۹
آنکہ اندر دامنت الخ	〃
ماشاء اللہ کان الخ	۲۳۰
شیعہ کے مسئلہ بداکا رد	۱۳۱
اینہمہ گفتیم الخ	〃

marfat.com

بے عنایات حق الخ	۲۳۳
فرشتوں کو حضور علیہ السلام کا فیض	۲۳۳
دعائیہ اشعار	۲۳۴
پیش ازیں الخ	۲۳۶
گرچہ چوں الخ	۲۳۷
قطرہ کو دریا الخ	۲۳۷
گر در آید الخ	۲۳۸
صد ہزاراں الخ	۲۳۸
از غم بیٔے الخ	۲۳۸
انسان کی عجیب حالت	۲۳۹
باز وقت صبح الخ	۲۴۰
درختاں الخ	۲۴۰
زاغ پوشیدہ الخ	۳۴۱
باز فرمان الخ	۲۴۱
آنچہ خوردی الخ	۲۴۲
اے برادر الخ	۲۴۲
باغ را سبزہ الخ	۲۴۳
زر انبہی الخ	۲۴۳
ایں سخنہائے الخ	۲۴۴
اے برادر مکرم الخ	۲۴۵

marfat.com

بوئے گل الخ ۲۴۵

بوقلا وزر الخ ۲۴۶

بو بدمر بدہ الخ ۲۴۷

تو کہ یوسف نیستی الخ ۲۴۷

تو کہ شیریں نیستی الخ ۲۴۸

بشنو ایں پند از حکیم غزنوی ۲۴۸

حکیم سنائی کے قول کی شرح ۳۵۰

پیش یوسف الخ ۳۵۱

تادم عیسٰی الخ ۲۵۲

در بیان ایں شنو الخ ۲۵۳

داستان پیر چنگی الخ ۳۵۴

تعارف امیر المومنین سیدعمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ۳۵۵

سارنگی بجانے والے کی کہانی ۳۵۸

آں شنیدستی کہ در عہد عمر آلخ ۳۶۲

بلبل از آواز او بے خود شدے ۳۶۲

مجلس و مجمع دمش آلخ ۳۶۳

ہمچوں اسرافیل کاواز ش بفن آلخ ۳۶۳

یار سائل بود اسرافیل را آلخ ۳۶۴

یا چوں داود داز خوشے آلخ ۳۶۵

ساز داسرافیل بروزی آلخ ۳۶۵

marfat.com

اولیاء را در درون ہم نغمہاست	۳۶۶
نشنود آں نغمہا را گوش حس	۳۶۶
نشنود نغمہ پری را آدمی	۳۶۷
گرچہ ہم نغمہ پری زیں عالم است	۳۶۷
کہ پری و آدمی زندانی اند	۳۶۸
معشر الجن سورۂ رحمٰن الخ	۳۶۸
سورۂ رحمٰن بخواں اے مبتدی الخ	۳۶۸
نغمہائے اندرون اولیا آلخ	۳۶۹
ہین نہ لائے نفی سر ہا بر زبند	۳۶۹
کار الیشاں است زاں سوے بری	۳۷۰
اے ہمہ پوسیدہ در کون آلخ	۳۷۰
گر بگویم شمہ زاںنغمہا آلخ	۳۷۱
گوش را نزدیک کن الخ	۳۷۱
گو یدایں آواز اوہا جداست	۳۷۳
مامردیم و بکلی کاستیم آلخ	۳۷۳
بانگ حق اندر حجاب و تے جیب	۳۷۴
اے فنا تانیست کردہ الخ	۳۷۴
مطلق آں آواز خود از شہ بود	۳۷۵
روکہ بی یسمع و بی آلخ	۳۷۵
گفت اورا من زباں آلخ	۳۷۶
تفسیر مَنْ کَانَ لِلّٰہِ کَانَ اللّٰہُ لَہٗ	۳۷۸

marfat.com

چوں شدی مَن کَانَ اللہ الخ ۳۷۸
گہ توئی گویم ترا گاہے منم ۳۷۹
ہر کجا تابم ز مشکواتت دمے ۳۸۰
ظلمتے را کافتابش بر نداشت ۳۸۱
ہر کجا تاریکی آمد ناسزا ۳۸۱
آدمی را از خویش اسما نمود ۳۸۲
خواہ از آدم گیر نورش خواہ ازد ۳۸۲
نور خواہ از مہ بجو خواہی ز خور ۳۸۳
مقتبش شو رود چوں یابی نجوم ۳۸۴
گفت طوبیٰ من رآنی مصطفیٰ ۳۸۵
چوں چراغ نور شمع کشید ۳۸۵
ہمچنیں تا صد چراغ از نقل شد ۳۸۶
خواہ از نور پسین بستان الخ ۳۸۶
ہمچنیں تا صد چراغ آلخ ۳۸۶
خواہ از نور پسیں بستان توآں ۳۸۶
خواہ نور اولیں بستان جان ۳۸۷
خواہ بیں نور از چراغ آخرین ۳۸۷
اِنَّ لِربّکم الخ حدیث ۳۸۸
گفت پیغمبر کہ نفحتہائے حق ۳۸۸
گوش ہش دارید الخ ۳۸۹
نفحہ آمد مر شما را دید رفت ۳۸۹

marfat.com

نغمۂ دیگر رسید آگاہ باش ۳۹۰

جان آتش یافت الخ ۳۹۱

جان ناری یافت از وتے آلخ ۳۹۱

تانگی و جنبش طوبی آلخ ۳۹۲

گرا فتد در زمین و آسمان آلخ ۳۹۲

خود زبیم این دم بے منتہا ۳۹۳

ورنہ خود اَشْفَقْنَ مِنہا آلخ ۳۹۳

دوش دیگر گونہ ایں الخ ۳۹۶

بہر لقمہ گشت لقمانی الخ ۳۹۷

از برائے لقمۂ این الخ ۳۹۷

در کف او خار سایش الخ ۳۹۸

خار داں آن راکہ الخ ۳۹۸

جانِ لقمان کہ گلستانِ خدا است ۳۹۹

اُشتر آمد این وجود الخ ۳۹۹

اشتر ا تنگ گلی بر پشت تست ۴۰۰

میل تو سوئے مُغیلانست وریگ ۴۰۱

اے بگشتہ زیں طلب برکو بگو ۴۰۱

پیش ازیں کایں خار پا بیرون کُنی ۴۰۲

آدمی کو می نگنجد در جہاں ۴۰۲

مصطفےٰ آمد کہ ساز د ہمدمی ۴۰۳

اے حمیرا آتشی امدر نہ تو نعل ۴۰۳

marfat.com

این ضمیر لفظ تانیث است وجاں ۴۰۶
لیک از تانیث جاں را باک نیست ۴۰۷
از مونث وز مذکر برتر است ۴۰۸
این نه آن جانست کافزاید بناں ۴۰۸
خوش کننده است وخوش عین خوشی ۴۰۸
چوں تو شیریں از شکر باشی بود ۴۰۹
چوں شکر گردی ز تاثیر وفا ۴۱۰
زہر محض ست آنکه باشد بے وفا ۴۱۰
عاشق از حق چوں غذا یابد رحیق ۴۱۱
عقل جزوی عشق را منکر بود ۴۱۱
زیرک ودانا ست اما نیست نیست ۴۱۲
او بقول وفعل یار ما بود ۴۱۲
لا بود چوں رو نشد از ہست نیست ۴۱۳
جاں کمال است وندائے او کمال ۴۱۳
اے بلال افراز بانگ سلسلت ۴۱۴
ے بلال این گلبنت را جان سپاره ۴۱۵
زار دمے کادم از و مدہوش شد ۴۱۵
مصطفیٰ بیہوش شد زاں خوب صورت ۴۱۶
سر ازاں خواب مبارک بر نداشت ۴۱۶
در شب تعریس پیش آں عروس ۴۱۹
عشق وجاں ہر دو نہانند و ستیر ۴۲۰

marfat.com

از ملال یار خامش کردمے ۴۲۱

لیک می گوید بگو این عیب نیست ۴۲۱

عیب باشد کو نه بیند جز که عیب ۴۲۲

عیب شد نسبت بمخلوق آلخ ۴۲۲

کفر ہم نسبت بہ خالق حکمت است ۴۲۳

ور یکے عیبے بود با صد صفات ۴۲۳

در ترازو ہر دو را یکساں کشند ۴۲۴

پس بزرگان این نگفتند الخ ۴۲۵

گفت شان و فعل شان و ذکر شان ۴۲۵

جاں دشمن دارشاں جسمے ست صرف ۴۲۶

آن بخاک اندر شد و کل خاک شد ۴۲۷

آں نمک کز وے محمد املح است ۴۲۸

آں نمک باقیست از میراث او ۴۲۸

پیش توشستہ ترا خود پیش الخ ۴۳۰

گر تو خود را پیش و پس الخ ۴۳۱

زیر و بالا پیش و پس الخ ۴۳۲

برکشا از نور پاک شہ نظر ۴۳۲

کہ ہمینی در غم و شادی و بس ۴۳۳

از وجود و از عدم گز بگذری ۴۳۳

او ز باراں ست می رو تا لشت ۴۳۴

ہست بارانی جز ایں باراں بداں ۴۳۴

marfat.com

چشم جاں را پاک کن نیکو نگر ۴۳۵

سوال کردن عائشہ صدیقہ از حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۴۳۶

مصطفٰے رو نہے بگواستاں برخت ۴۳۹

خاک را در گور او آگندہ کرد ۴۳۹

ایں درختانند ہمچوں خاکیاں ۴۴۱

سوئے خلقاں صد اشادت می کنند ۴۴۱

تبنر گوشاں را از دالیشاں بشنوند ۴۴۲

با زبان سبز و با دست دراز ۴۴۳

ہمچوں بطاں سر فرو الخ ۴۴۳

در زمستان شاں اگر محبوس کرد ۴۴۴

در زمستاں شاں اگرچہ داد مرگ ۴۴۴

منکراں گویند ہست این الخ ۴۴۶

جملہ پندارند این الخ ۴۴۸

کورے ایشاں دردوں الخ ۴۴۹

ہر گلے کاندر دروں بویا بود ۴۴۹

بوے ایشاں زعم انف الخ ۴۵۰

منکراں ہمچوں جعل الخ ۴۵۱

خویشتن مشغول الخ ۴۵۱

چشم میدوزند و آنجا الخ ۴۵۲

چوں زگواستاں پیمبر باز گشت ۴۵۲

چشم صدیقہ چوں بروئش الخ ۴۵۳

marfat.com

برعامہ وروتے اودموسے الخ	۴۵۳
گفت پیمبر چہ میجوئی شتاب	۴۵۳
جامہایت می بجویم الخ	۴۵۴
گفت چہ بر سر فگندی ازازار	۴۵۴
گفت بہر آں نمو داسے پاک الخ	۴۵۵
نیست آں باراں ایں ابر شما	۴۵۶
اینچنیں باراں ز ابر دیگر است	۴۵۶

marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اضافت کردن آدم علیہ السلام آن زلت را بخویشتن کہ

ربنا ظلمنا و اضافت کردن ابلیس گناہ خود را بحق کہ رب بما اغویتنی

ترجمہ: حضرت آدم علیہ السلام کا اپنی لغزش کو اپنی طرف منسوب کرنا اور یہ کہنا کہ اے رب میں نے اپنی جان پر ظلم کیا اور شیطان کا خدا کی طرف منسوب کرنا اور یہ کہنا کہ اے خدا تو نے مجھے بہکایا۔

شرح: گو حضرت آدم علیہ السلام اور شیطان کے فعل کا خالق اللہ تعالیٰ ہے مگر حضرت آدم علیہ السلام نے اپنی خطا کو باختیار کسب کے اپنی طرف منسوب کیا اور شیطان نے اپنے کیئے کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر دیا۔ جس کا نتیجہ نکلا کہ آدم علیہ السلام کی لغزش (ظاہری) معاف ہوئی اور شیطان ابلیس لعنتی اور جہنم کا مستحق ہوا۔

شاہ غوث علی مرحوم علیہ الرحمہ تذکرہ میں لکھتے ہیں کہ شیطان نے تو یہ نافرمانی کی کہ حضرت آدم (علیہ السلام) کو سجدہ نہ کیا اور حضرت آدم (علیہ السلام) سے یہ ہوا کہ باوجود ممانعت کے گندم کا دانہ کھالیا۔ حکم عدولی میں دونوں برابر تھے لیکن جب عتاب ہوا تو شیطان نے بے دھڑک کہہ دیا: رَبِّ بِمَا اَغْوَیْتَنِیْ اور حضرت آدم علیہ السلام نے تھرا کر فریاد کی کہ رَبَّنَا ظَلَمْنَا الخ

اس وقت حضرت آدم علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ آپ نے اس فعل کو اپنی طرف کیوں منسوب فرمایا۔ حالانکہ اس کا فاعل حقیقی تو میں (اللہ تعالیٰ) ہوں۔ حضرت آدم (علیہ السلام) نے عرض کی خدایا بلاشک میں تجھے ہی فاعل حقیقی مانتا ہوں لیکن معصیت کو تیری ذات کی طرف منسوب کرنے سے مجھے شرم آئی اور مقتضائے

(بقیہ بر صفحہ آئندہ)

marfat.com

ا ـــــ کردِ حق و کردِ ما ہر دو بین
کردِ ما را ہست آں پیداست

صفحہ گذشتہ سے : ادب ہی معلوم ہوا ۔ حضرت حافظ شیرازی قدس سرہ نے فرمایا : ؎

گناہ گرچہ نبود اختیار یا حافظ
تو در طریق ادب کوش وگو گناہ منست

ترجمہ : اے حافظ اگرچہ گناہ کرنا ہمارے اختیار میں نہیں ۔ لیکن تم ادب کا طریقہ اختیار کر کے کہو کہ یہ میرا گناہ ہے ۔

حضرت آدم علیہ السلام کا ادب بارگاہِ کبریائی میں پسند آیا اسی لیے مقبول ٹھہرے اور شیطان مردود و ملعون ٹھہرا تو بوجہ بے ادبی و گستاخی کے ۔

غور فرمائیے کہ ادب کتنا قیمتی جوہر ہے اور بے ادبی و گستاخی کیسی غلیظ شئے ہے ۔ الحمد للہ ہم اہلسنّت کو ادب کی دولت نصیب ہے جس کا غیروں کو بھی اعتراف ہے ۔ فللہ الحمد علی ذالک

ا ۔ ترجمہ : ہمارے افعال اور اللہ تعالیٰ کے افعال کو دیکھ اور ہمارے افعال کو ہست جان اور یہ عقیدہ بہت واضح ہے ۔

شرح : ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ جملہ افعال کا خالق اللہ تعالیٰ ہے اور بندے ان کے ظاہر کرنے والے ۔ نہ یہ کہ افعال کا تعلق صرف اللہ تعالیٰ سے ہے اور بندہ بالکل مجبور اور پتھر ہے ۔ جیسا کہ جبریہ کا مذہب ہے ۔ صوفیاء کا عقیدہ ہے کہ نہ تو جبر خالص کا معتقد ہونا چاہیئے اور نہ اختیار خالص کا ۔ بلکہ حقیقت الامر ان دونوں کے مابین ہے ۔ جس کو جبر متوسط کہتے ہیں اور جس کی مختصر تفصیل پہلے بھی گذر چکی ہے اور پھر بھی عرض ہے کہ افعال اختیاریہ جو

(بقیہ بر صفحہ آئندہ)

marfat.com

۲ ـــــــ گر نباشد فعل خلق درمیاں
پس مگو کس را چرا کردی چناں

بقیہ صفحہ گذشتہ سے :

جو بندوں کے ہاتھ سے صادر ہوتے ہیں افعال حق بھی ہیں اور افعال عباد بھی۔ اس کا باعث یہ ہے کہ قدرتِ عبد گویا قدرت حق ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اس قدرت کے ساتھ اپنے مظہر یعنی عبد میں ظاہر ہوا ہے اور افعال اختیاریہ عبد قدرت حق سے مخلوق ہوتے ہیں۔ اس لحاظ سے افعال حق کی طرف منسوب ہیں اور چونکہ مظہر کو بھی اپنے ظاہر سے تعلق ہے اور یہ اس کی قدرت سے افعال پر قادر ہے۔ اس لیے افعال عبد کی طرف منسوب ہیں ۔

۲۔ ترجمہ :

اگر فعل حق درمیان میں نہ ہو تو کسی کو مت کہو کہ یہ کیوں کہا ، اس طرح کیوں ؟

شرح :

یعنی اگر افعال میں بندہ کو کچھ دخل نہیں۔ جیسا کہ جبریہ کا مذہب ہے تو ایک آدمی دوسرے کو بعض خلاف طبع اور بد افعال پر زجر و توبیخ کیوں کرتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ بندہ کو افعال میں دخل ضرور ہے۔

marfat.com

۳ــــ خلق حق افعال ما را موجد است
فعل ما را آثار خلق ایزد ست

۳- حل لغات : مؤجد بالضم صیغہ اسم فاعل از ایجاد بمعنی نو پید کرنے والا آثار افعال اور طبیعت کے اثرات، جیسے آگ کا اثر ہے جلانا ۔ اور پانی کا اثر ہے بھگونا ۔

ترجمہ : ہمارے جمیع افعال کا خالق اللہ تعالیٰ ہے اور ہمارے افعال خلقِ ایزدی کی علاملت ہیں

شرح : یعنی اللہ تعالیٰ کی صفت خلاقی ہمارے افعال کی موجد ہے اور افعال جو ہم سے صادر ہوتے ہیں۔ یہ اس ایجاد کے لیے آثار اور بمنزلہ علامات ہیں ۔ یعنی ہمارے کرنے سے یہ معلوم ہوجاتا ہے کہ ان کا خالق اللہ تعالیٰ ہے ۔ ورنہ بندے کو کوئی قدرت نہیں۔ جسے اللہ تعالیٰ پیدا کرنا نہیں چاہتا اور بندہ اسے ظاہر کرسکے یہ ناممکن ہے ۔

خلاصہ یہ کہ جمیع افعال کا خالق اللہ تعالیٰ ہے اور بندوں سے ان افعال کا صدور ہوتا ہے ۔ اگر یہ عقیدہ نہ رکھا جائے تو تعطیل معدوم مطلق لازم آئے گی ۔ اور یہ محال ہے ۔

معتزلہ کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں میں صرف قدرت و ارادہ پیدا کردیتا ہے پھر بندے اپنے افعال کے خالق خود ہوتے ہیں ۔ یہ عقیدہ نص قرآن کے سراسر خلاف ہے ۔ کما قال اللہ تعالیٰ :

وَ اللّٰہُ خَلَقَکُمْ وَ مَا تَعْمَلُوْنَ ۔

marfat.com

۴ — لیک ہست آں فعل ما مختارِ ما
اَزیں رسد با ما جزائے کارِ ما

۵ — زانکہ ناطق حرف بیند یا غرض
کے شود یک دم محیط دو عرض

۴۔ ترجمہ: لیکن وہ ہمارا فعل اختیاری ہے۔ اس سے ہمارے کاموں کا ہم کو بدلہ ملتا ہے۔

شرح: (ربط) مولانا پچھلے شعر میں فرما چکے ہیں کہ ع

خلق حق افعال ما را موجد ست الخ

اس سے سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ خالق افعال ہے تو بندہ کو جزا، و سزا ملنے کے کیا معنی۔ اس شعر میں لیکن (حرف استدراک) سے اس سوال کو دفع کیا گیا ہے۔ یعنی مانا کہ افعال عباد مخلوق الٰہی ہیں لیکن بندوں کو بھی ان کے کرتے نہ کرنے کا اختیار دیا گیا ہے۔ ہمارے نیک و بد افعال ہمارے ہی پسند کئے ہوئے ہیں۔ اسی لیے مطابق اعمال جزا و سزا مرتب ہوتی ہے۔

ف: بعض نسخوں میں یہ شعر نہیں۔ بوستان معرفت شرح مثنوی میں اس شعر کو نہیں لیا گیا۔

۵: ترجمہ: اس لیے کہ دیکھنے والا حرف دیکھے گا یا عرض۔ ایک وقت میں وہ دو چیزوں پر کیسے محیط ہو سکتا ہے۔

حل لغات: عرض بفتحتین وہ چیز جو دوسری چیزوں کے سبب قائم ہو۔ جیسا کہ کپڑے پر رنگ اور کاغذ پر حرف اس حالت میں کپڑے اور کاغذ کو جوہر کہیں گے اور

(باقی بر صفحہ آئندہ)

marfat.com

۶ — ہاں زماں کہ پیش بینی آں زماں
تو پس خود کے بہ بینی ایں بداں

رنگ و حرف کو عرض اور عرض بمعنی متاع و رخت خانہ ہے ۔ پہلے مصرعہ میں عرض نشانہ مجازاً مطلب بمعنی مقصود اور دوسرے میں عرض بمعنی شئے ۔

شرح: یہ شعر گذشتہ شعر کی توضیح ہے ۔ بطریق تمثیل یعنی جس طرح بولنے اور پڑھنے والا آدمی یا حرف کو دیکھے گا یا معانی کو ۔ آن واحد میں دونوں چیزوں کا احاطہ نہیں کر سکتا ۔ کیونکہ جب تک کسی فعل پر کوئی خاص توجہ نہ ہوگی وہ فعل مختار نہیں ہو سکتا اور جب ایک پر توجہ ہو تو دوسرے سے غفلت ہوگی ۔ کیونکہ تقاضائے بشریت یہی ہے کہ انسان آن واحد میں دو چیزوں کا احاطہ نہیں کر سکتا ۔ اسی طرح وہ آن واحد میں اپنے افعال کا خالق اور کاسب بھی نہیں ہوتا ۔ بلکہ خالق اللہ تعالیٰ ہے ۔ جس کا علم بہت سی چیزوں کو محیط ہے اور ظاہر ہے کہ افعال کے کاسب بندے ہیں ۔

۶ ۔ **ترجمہ:** جس وقت تو اپنے سامنے دیکھتا ہے اسی وقت اپنے پیچھے نہیں دیکھ سکے گا ۔

حل لغات: طرف بسکون رائے مہملہ بمعنی چشم ۔

شرح: پڑھنے والا جب معنی پر غور کرے گا تو حرفوں سے غافل ہو جائے گا ۔ علیٰ ہٰذا القیاس حرفوں پر غور کرے گا تو معنوں کی خبر نہ رہے گی ۔ اسی طرح پس و پیش کو دیکھنے والے کا حال ۔ کوئی آنکھ ایسی نہیں کہ آن واحد میں پس و پیش دونوں جانبوں کو دیکھ سکے ۔ تشبیہ کا نتیجہ یہ نکلا کہ بندہ آن واحد میں کسی فعل کا خالق بھی ہو اور کاسب بھی ۔ یہ بالکل ناممکن ہے ۔ آن واحد میں ایک شخص سے ایک ہی فعل ہوتا ہے ۔ لیکن اس سے وہ مستثنیات مستثنیٰ ہیں جو اللہ تعالیٰ اپنے پیارے اور محبوب بندوں انبیاء[ع] و اولیاء[رح] کو قوت عطا فرمائی ہے ۔

marfat.com

گر بمعنی رفت شد غافل ز حرف
۷ ـــــ
پیش و پس یکدم نه بیند ہیچ طرف

چوں محیط حرف و معنی نیست جان
۸ ـــــ
چوں بود جان خالق ایں ہر دو آں

حق محیط جملہ آمد اے پسر
۹ ـــــ
واندر آرد کارش از کار دگر

۷۔ ترجمہ : اگر کسی کا خیال معنی کو جائے گا تو حرف سے غافل ہونا پڑے گا۔ ایک آن میں کوئی بھی آگے پیچھے نہیں دیکھ سکتا۔

۸۔ ترجمہ : جب کسی کو بھی حرف و معنی پر قدرت نہیں تو پھر وہ ان دونوں کا کیسے خالق ہو سکتا ہے۔

شرح : یہ شعر تمثیل سابق کا تتمہ ہے۔ یعنی اے مخاطب۔ جب تجھے یہ معلوم ہو گیا ہے کہ ایک شخص آن واحد میں ان دونوں کا جاننے والا نہیں ہو سکتا۔

خلاصہ مطلب یہ کہ ایک وقت میں دو چیزوں کی طرف توجہ نہیں ہو سکتی۔ اسی لیے ضرور ہوا کہ ہم کسی ایسی ذات کو خالق مانیں۔ جس کا علم آن واحد میں بہت سے مختلف اغراض کو احاطہ کر لیتا ہے اور جبکہ وہ جمیع اشیاء کا خالق ہے تو ہمارے افعال کا خالق بالاولیٰ ہے اور ہم کاسب یعنی نیک و بد افعال کے کسب کرنے والے ہیں۔

۹۔ ترجمہ : اے عزیز اللہ تعالیٰ سب کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ وہ دوسرے کے کام سے اپنے کام کو درمیان میں نہیں لاتا۔

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

marfat.com

۱۰ــــــ گفت ایزد جان ما را مست کرد
چوں نداند آں کہ را خود ہست کرد

صفحہ گزشتہ سے : شرح : مصرعہ اوّل میں اس آیت کریمہ کی طرف اشارہ ہے :
وَکَانَ اللہُ بِکُلِّ شَیْءٍ مُّحِیْطًا ۔

یعنی اللہ تعالیٰ ہر چیز کا احاطہ کرنے والا ہے ۔آن واحد میں اور مصرعہ ثانی میں اشارہ (لَا یُشْغِلُہٗ شَانٌ عَنْ شَانٍ) کی جانب ہے ۔جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ایک کام دوسرے سے باز نہیں رکھتا ۔ بندہ یہ طاقت نہیں رکھتا کہ آن واحد میں اپنے افعال کا خالق بھی ہو اور کاسب بھی ۔

۱۰۔ ترجمہ : اللہ کے قول نے ہماری جان کو مست کیا ۔ وہ کیونکر نہ جانے جس نے اسے ہست کیا ۔

حل لغات : گفت ایزد سے مراد کلمہ کُن ہے اور جان ما سے مراد موجودات اور لفظ جان سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جملہ موجودات ذی روح ہیں ۔گو ان کا ذی روح ہونا ہماری سمجھ میں نہ آتا ہو ۔ مست کرنے سے مراد مطیع کرنا ہے ۔

شرح : اللہ تعالیٰ نے کلمہ کُن سے معدومات کو اپنا مطیع کرلیا اور ان کو موجود کردیا ۔ پھر اللہ تعالیٰ ان کا حال نہیں جانے گا کہ جن کو خود اس نے ہست کیا ۔ بلکہ اس کا علم جمیع اشیاء کو محیط ہے ۔یہاں تک کہ لاشئے کو بھی ۔

یہ شعر گویا اس سے پہلے شعر (حق محیط جملہ آمد اے پسر) کی تشریح ہے ۔

marfat.com

ف : اس شعر سے یہ ثابت کرنا مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے علم سے تمام شئے کا احاطہ کر رکھا ہے۔ یہی شعر حکمائے مشائین کا رد کرتا ہے۔ جن کا یہ قول ہے کہ اللہ تعالیٰ کو جزئیات مادیہ کا علم نہیں ہے اور اس فرقہ کی تردید بھی ثابت ہوتی ہے جو بندہ کو افعال کا خالق مانتے ہیں۔ بعض نسخوں میں چوں نداند کی جگہ چوں ندا ہے۔

ندا سے مراد وہی کلمہ کن ہے اور اس صورت میں مصرع ثانی شرط ہے اور مصرعہ اولیٰ جزاء۔ یعنی جب اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کو جنہیں ہست کرنا تھا۔ ندادی تو کلمہ کُن کے اثر سے سب ہست ہوگئے اور اس میں جزئیات و کلیات افعال سب شامل ہیں۔

غرض یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ خالق کلیات و جزئیات اور موجودات و ممکنات ہے۔ اسی لیے اس کے علام العیوب اور خلّاق ہونے کا انکار صریح کفر و الحاد ہے۔

ف : بعض شارح گفتن ایزد سے الست کی آواز مراد لی ہے اور یہی قول مست کرد کے قریب تر ہے۔ کیونکہ صوفیائے کرام کے نزدیک تا حال کانوں میں الست کی آواز سنائی دے رہی ہے۔ چنانچہ حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

الست از ازل ہمچناں شلن بگوش
بفریاد و قالو بلیٰ در خروشش

بعض مشائخ فرماتے ہیں کہ کانوں کو بند کرنے پر جو کان کے اندر سے آواز آتی ہے وہ اس الست کی طرف اشارہ کرتی ہے۔

marfat.com

گفت شیطان کہ بِمَا اَغْوَیْتَنِیْ

۱۱ــــــ کرد فعل خود نہاں دیو دنی

۱۱۔ ترجمہ : شیطان نے کہا کہ تو نے کس لیے مجھ کو گمراہ کیا۔اور ابلیس کمینے نے اپنے فعل کو چھپایا۔

شرح : یعنی شیطان نے اپنی بدفعلی کو چھپایا اور اغوا کرنے کا الزام اللہ تعالیٰ کے اوپر رکھا۔ بموجب آیت کریمہ : جس کا ترجمہ یہ ہے :

یعنی شیطان جب حضرت آدم علیہ السّلام کو سجدہ نہ کرنے کے سبب مردود ہوا اور بہشت سے نکالا گیا تو اس نے پھر کہا : اے خدا مجھے اس اس گمراہ کرنے کی قسم میں تیرے سیدھے راستہ میں بیٹھ کر ذریت آدم کو بہکاؤں گا۔اگر فعل اغوا کا خالق اللہ تعالیٰ تھا۔ مگر مقتضائے ادب یہ تھا کہ کاسب ہونے کے سبب اس فعل کو شیطان اپنی ذات کی طرف منسوب کرتا۔ جیسا کہ حضرت آدم علیہ السّلام نے کیا تھا۔

نکتہ : مولانا بحرالعلوم فرماتے ہیں کہ اس میں بھی ایک باریکی ہے اور وہ یہ ہے کہ چونکہ شیطان مظہر اغوا تھا۔اس لیے کہ اس نے اللہ تعالیٰ کو بھی قسم کھاتے وقت اس صفت سے یاد کیا۔

"قاعدہ کلیہ ہے کہ جیسا کوئی خود ہوتا ہے ویسا ہی دوسرے کو بھی سمجھتا ہے"۔ اس بحث کو مولانا قدس سرہ پہلے ہی تفصیل سے ارشاد فرما چکے ہیں اور ہم نے اس کی شرح "صدائے نَی" حصّہ اوّل میں عرض کر دی ہے۔

marfat.com

۱۲ — گفت آدم کہ ظَلَمۡنَا نَفۡسَنَا
او ز فعل حق نہ بد غافل چو ما

۱۲۔ **ترجمہ :** آدم علیہ السلام نے ظَلَمۡنَا نَفۡسَنَا کہا۔ اس لیے کہ وہ فعل حق سے آگاہ تھے۔ ہماری طرح غافل نہ تھے۔

شرح : ظَلَمۡنَا نَفۡسَنَا ضرورت شعری سے فرمایا ورنہ آیت میں رَبَّنَا ظَلَمۡنَآ اَنۡفُسَنَا ہے اور ایسے اقتباسات شرعاً جائز ہیں۔ جیسا کہ حضرت علامہ سیوطیؒ نے اتقان اور الحادی للفتاوٰی میں تصریح فرمائی ہے۔

یعنی جب حضرت آدم علیہ السلام بہشت سے نکالے گئے تو انہوں نے اپنی لغزش ظاہری کا یوں اعتراف کیا: ربنا ظلمنا الخ اس آیت کریمہ کا ترجمہ یہ ہے:

یعنی اے ہمارے رب پروردگار ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا۔ اگر تو ہماری خطا نہ بخشیگا اور ہم پر رحم نہ کرے گا تو ہم ضرور خسارہ میں پڑ جائیں گے۔ مطلب یہ کہ آدم علیہ السلام نے خطا کو اپنی ہی طرف منسوب کیا۔ حالانکہ وہ جانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ تمام افعال کا خالق ہے اور میری خطا اس کا فعل ہے۔ وہ ایسے غافل نہ تھے کہ معتزلہ کی طرح اپنی ذات کو اپنے افعال کا خالق یا جبریہ کی طرح اپنے آپ کو مجبور محض خیال کرتے۔ بلکہ یہ ان کا ادب تھا کہ باوجود علم فعل خالق خطا کو اپنی طرف منسوب کر لیا۔

مسئلہ : اس سے ثابت ہوا کہ افعال اگرچہ مخلوق الٰہی ہیں لیکن بندہ کرنے نہ کرنے پر مختار ہے۔ اسی اختیار کے سبب بُرے افعال اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب نہیں کیے جاتے اور عذاب و ثواب اسی اختیار کا ثمرہ ہے اور یہی باعث ہے کہ حضرت آدم نے اپنی خطا کو اپنی طرف منسوب کیا۔

marfat.com

۱۳ — در گناہ او از ادب پنہانش کرد
زاں گنہ بر خود زدن او بر نخورد

۱۴ — بعد توبہ گفتنش اے آدم نہ من
آفریدیم در تو آں جرم و محن

۱۳۔ ترجمہ : انہوں نے گناہ کو ادب سے پوشیدہ کیا اور اس گناہ کو اپنے ذمہ لگانے سے ثمرہ پایا۔

حل لغات : بر خود زدن بسوئے خود منسوب کردن ۔

شرح : چونکہ حضرت آدم علیہ السلام عارف کامل اور آگاہ حقائق اور واقف آداب الٰہی تھے ۔ اس لیے اپنی خطا کو اپنی طرف منسوب کرنے کے سبب سے معانی بہرہ یاب ہوئے اور ابلیس بے ادبی کے سبب مردود کیا گیا۔ بعض نسخوں میں " زاں گنہ بر خورد زد او بر نخورد " ہے ۔ یعنی حضرت آدم علیہ السّلام کو ادب کے سبب اس گناہ کا پھل یہ ملا کہ خطا معاف ہوگئی اور شیطان کو بے ادبی کے سبب سوائے مردود ملعون ہونے کے کچھ بھی حاصل نہ ہوا ۔ اس صورت میں برخورد کے فاعل حضرت آدم علیہ السلام ہیں اور بر نخورد کا فاعل شیطان ۔ (کذافی البحر العلوم)

۱۴۔ ترجمہ : اللہ تعالیٰ نے توبہ قبول کر کے آدم علیہ السلام کو فرمایا کہ اے آدم ! کیا میں نے آپ میں وہ خطا و معصیت (لغزش ظاہری) پیدا نہیں کی تھی ۔

حل لغات : محن بکسر المیم و بفتح الحاء محنتہ کی جمع ہے ۔ یہاں وہی خطا اور لغزش مراد ہے جو حضرت آدم علیہ السلام سے سرزد ہوئی ۔

(اوقاف رصفوہ آئندہ)

marfat.com

۱۵ — نے کہ تقدیر و قضائے من بُد آں
چوں بوقت عذر کردی آں نہاں

۱۶ — گفت ترسیدم ادب نگذاشتم
گفت من ہم پاسِ آنت داشتم

صفحہ گذشتہ سے؛ شرح : یعنی جب حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ اللہ تعالیٰ نے قبول کی تو اللہ تعالیٰ نے یہ پوچھا کہ اے آدم سُن جو تو نے خطا کی ہے کیا اس کا خالق میں نہیں ہوں۔ کیا یہ خطا کاری میں نے اپنے حکم سے تیری تقدیر میں نہیں لکھی تھی۔ نہیں بلکہ یہ سب کچھ میرے ہی حکم سے ہوا ہے۔ پھر تُو نے توبہ کرتے وقت یہ کیوں کہا کہ یا اللہ یہ اَز ما کشیں تو نے ہی مقدر کی تھیں اور یہ تیرا فعل تو تھا ہی۔ کیونکہ جملہ افعال کا خالق تو ہی تو ہے۔ چنانچہ شعر ذیل میں فرمایا؛

صفحہ ہذا۔ ۱۵۔ ترجمہ : کیا وہ بات میری تقدیر اور میرے حکم سے نہیں تھی۔ پھر تو نے عذر کے وقت اسے چھپایا کیوں۔

حل لغات ، بُد (بالضم ، در اصل بود تھا۔ لفظ آں کے ساتھ ملنے سے جہاں بود کی واؤ گر گئی وہاں الف کی مد بھی گرا دی گئی۔

شرح : یہ اللہ تعالیٰ کا حکم تھا۔ اس کا جواب آدم علیہ السلام نے اگلے شعر میں عرض کیا۔

۱۶۔ ترجمہ : آدم علیہ السلام نے عرض کی کہ میں ڈرتا ہوں۔ اس لیے کہ میں نے ادب کو نہ چھوڑا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا؛ مجھے آپ کی اس بات کا پاس تھا۔

marfat.com

۱۷— ہر کہ آرد حرمت او حرمت برد
ہر کہ آرد قند لوزینہ خورد

۱۸— طیبات از بہر کہ للطیبین
یار را خوش کن مرنجاں و ببیں

صفحہ گزشتہ سے: **شرح:** حضرت آدم علیہ السلام نے اس کا جواب دیا کہ اے میرے پروردگار میں تجھ سے ڈرتا تھا اور میرا خوف و ادب اس بات کا مقتضی ہوا کہ سب افعال ہونے کی حیثیت سے خطا کو اپنی طرف منسوب کروں اور اس بات کو نہ دیکھوں کہ خالق افعال تو ہی ہے۔

دوسرے مصرعہ میں حضرت آدم علیہ السلام کی بات کا جواب ہے یعنی یہ مؤدبانہ جواب سُن کر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے آدم (علیہ السلام) چونکہ تُو نے میرے ادب کو ملحوظ رکھا۔ اس لیے میں تیرے ادب و توقیر کو برقرار رکھتا ہوں اور اس وجہ سے تیری خطائیں معاف کر کے تجھ کو مقبول بناتا ہوں۔

صفحہ ہٰذا ۱۷۔ ترجمہ: جو عزت کرتا ہے وہ عزت پاتا ہے۔ جو کھانڈ لاتا ہے وہ حلوا کھاتا ہے۔

حل لغات: (لوزینہ) بالفتح واؤ معجمہ وہ حلوا جس میں بادام کا مغز ہو۔

شرح: یعنی جیسی کرنی ویسی بھرنی۔ یا یوں کہو جتنا گڑ ڈالو گے اتنا میٹھا ہوگا۔

۱۸۔ ترجمہ: پاک چیزیں پاک لوگوں کے لیے ہوتی ہیں۔ یار حقیقی کو خوش کیجئے اسے ناراض نہ کیجئے اور اس مثال کو دیکھئے۔

شرح: پہلے مصرعہ میں اس آیت کی طرف اشارہ ہے،

(بقیہ بر صفحہ آئندہ)

marfat.com

تمثیل

۱۹ـــــ یک مثال اے دل پے فرقے بیار
تا بدانی جبر را از اختیار

صفحہ گذشتہ سے ؛

اَلطَّیِّبَاتُ لِلطَّیِّبِیْنَ پاک عورتیں پاک مردوں کے لیے ہیں
وَالْخَبِیْثَاتُ لِلْخَبِیْثِیْنَ اور ناپاک عورتیں ناپاک مردوں کے لیے۔

خلاصہ اس کا یہ ہوا کہ بری چیزیں اور ناپاک خیالات پلیدوں کے لیے ہیں اور پاک چیزیں اچھے لوگوں کے واسطے پیدا کی گئی ہیں۔ مثلاً ادب جو ایک پاک چیز ہے وہ حضرت آدم علیہ السلام کے حصہ میں آیا اور بے ادبی اور گستاخی جو پلید چیز ہے وہ ابلیس خبیث کے متعلق ہوئی۔ مصرعہ ثانی میں یار سے مراد اللہ تعالیٰ ہے اور مطلب یہ ہے کہ انسان پر لازم ہے کہ ہر حال میں اپنے معبود حقیقی کی خوشی کو ڈھونڈے اور اس کو اپنے اقوال وافعال سے ناراض نہ کرے۔

ربط : حضرت مولانا قدس سرہ اب جبر و اختیار کے معنوی فرق کو ایک مثال کے طور پر بیان فرماتے ہیں اور شعر مذکورہ بالا کے ہیں میں ایسی مثال کی طرف اشارہ فرمایا۔

۱۹۔ ترجمہ ؛ فرق کے لیے اے دل ایک مثال قائم کیجئے تاکہ جبر و اختیار میں تمیز کی جا سکے۔

marfat.com

دست کو لرزاں بود از ارتعاش
۲۰
وانکہ دستے را تو لرزانی زجاش

ہر دو جنبش آفریدہ حق شناس
۲۱
لیک نہ تواں کرد ایں با آں قیاس

ازاں پشیمانی کہ لرزانیدیش
۲۲
مرتعش را کے پشیمان دیدیش

۲۰۔ ترجمہ: ایک ہاتھ وہ جو رعشہ سے کانپتا ہو اور ایک وہ جسے قصداً ہلایا جائے۔
حل لغات: ارتعاش بکسر اول سر لرزیدن بے اختیار اور مرض رعشہ۔
شرح: یعنی فرض کر لیجیے کہ ایک شخص کا ہاتھ رعشے کے سبب کانپتا ہے اور دوسرے کو رعشہ تو نہیں مگر اپنی خوشی سے اپنا ہاتھ ہلا رہا ہے۔ اگرچہ یہ دونوں حرکتیں اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں لیکن اس حرکت مجعولہ اور اختیاریہ کو اس حرکت اضطراریہ پر قیاس نہیں کر سکتے۔ کیونکہ حرکت مجعولہ بندے کا تصرف ہے اور حرکت رعشہ میں بندے کو کچھ اختیار نہیں۔
(حرکت مجعولہ و اختیاریہ وہ حرکت ہے جو آدمی اپنے فعل و اختیار سے کرے۔ اور حرکت اضطراریہ یعنی رعشہ وہ حرکت ہے جو اپنے اختیار سے صادر نہ ہو۔
۲۱۔ ترجمہ: ان دونوں حرکتوں کو خدا تعالیٰ کی پیدا کردہ جاننا چاہیے۔ لیکن اس حرکت کو اس حرکت پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔
۲۲۔ ترجمہ: اسے پشیمانی سے اس نے قصداً ہلایا۔ جب کہ رعشہ والا انسان پشیمان نہیں ہوتا۔

marfat.com

از یں پشیمانی کہ وادی لرزہ اش
۲۳
چوں پشیماں نیست مرد مرتعش

مرتعش را کے پشیمان دیدہ
۲۴
ہر چنیں جبرے چہ بر چسپیدہ

۲۳۔ ترجمہ : یہ اس لیے پریشان ہے کہ اس نے خود جنبش کی اور رعشہ والا پشیمان نہیں
شرح : اچھے خاصے ہاتھ کو رعشہ والے کے ہاتھ کے لیے ہلانا ایک فضول حرکت ہے اور قاعدہ ہے کہ وہ لغو حرکت ہوتی ہے مگر مرتعش بھی اپنی حرکت سے پشیمان نہیں ہوتا۔ کیونکہ وہ مجبور ہے اور یہ حرکت اس کی اختیاری نہیں۔

۲۴۔ ترجمہ : تو نے رعشہ والے کو کب پشیمان دیکھا۔ پھر تجھے ایسے جبر سے کیا دلچسپی ہے۔
شرح : یعنی اپنے ہاتھ کی اختیاری حرکت سے تجھ کو عقلمندوں کے نزدیک پشیمانی ہوگی کیونکہ بے فائدہ ہاتھ ہلانا ایک لغو حرکت ہے اور رعشہ والے کو کسی طرح شرمندگی نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ رعشہ قدرتی اور اضطراری حرکت ہے۔

خلاصۂ مثال یہ ہے کہ عارفانِ کامل کا جبر و اختیار باعث پشیمانی نہیں ہوتا۔ کیونکہ انہوں نے اپنے اختیار کو ذاتِ حق کے اختیار میں فنا کر دیا ہے اور اپنی قدرت کو اس کی قدرت سمجھے ہوئے ہیں اور عوام کا جبر و اختیار باعث پشیمانی ہے۔ کیونکہ وہ مال جمع کرنے اور مراتب دنیویہ کے تجسس میں ہر قسم کی حرکتیں کرتے ہیں۔ لیکن طاعات کے لیے اپنے آپ کو مجبور مانتے ہیں۔ اگرچہ ان دونوں کے دل میں جبر کے معنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ڈالے گئے ہیں۔ مگر دونوں میں بہت بڑا فرق ہے۔ عارفوں

البقیہ بر صفحہ آئندہ

marfat.com

۲۵ — بحث عقل است ایں چہ عقل حیلہ گر
تا ضعیفے رہ برد آں جا نگر

صفحہ گذشتہ سے: کا جبر جبر محمود ہے اور عوام کا جبر مذموم ہے۔

ف: یہ تمثیل صرف جبر متوسط اور جبر عوام کے فرق اور ان کے محمود و مذموم ہونے میں ہے نہ کہ ان معنوں میں کہ عارفین کامل رعشہ والے آدمی کی طرح اپنے حرکات و سکنات کو اپنے اختیار میں نہیں رکھتے۔ کیونکہ یہ اہل سنت جماعت کا مذہب نہیں ہے اور یہ مثال ان معنوں میں ہے کہ جبر عوام کے قائل اپنے ہاتھ پاؤں آپ ہلاتے ہیں۔ کیونکہ جبر عوام مسلوب القدرت کے معنوں میں ہے۔

'برچنیں جبرے چہ چسپیدہ' کا مطلب یہ ہے کہ اے مخاطب تو جبر عوام سے کیوں دلچسپی رکھتا ہے، اس کو چھوڑ دے۔

۲۵۔ ترجمہ: یہ عقلی بحث ہے۔

کونسی عقل وہ حیلہ گر کی عقل تاکہ شاید
ضعیف کو منزل مقصود تک پہنچا دے

شرح: یعنی جبر و اختیار کی بابت جو کچھ ہم کہہ چکے ہیں یہ عقلی بحث ہے۔ جس سے علم یقینی حاصل نہیں ہوتا۔ کیونکہ عقلی حیلہ گر کی عقل۔ ایسی نہیں کہ علم یقینی کا احاطہ کر سکے۔ البتہ انبیاء و اولیاء کی عقل کلی علم یقینی حاصل کر لیتی ہے۔ اس کے آگے عقل جزئی لاشے ہے۔ عقلی بحث صرف اس لیے ہوتی ہے کہ کسی غبی اور کند ذہن آدمی کو سیدھا راستہ مل جائے اور وہ باطل سے ثابت ہو جائے۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ ... لی دلائل کچھ نہیں۔

marfat.com

بحث عقلی گر درّ و مرجان بود
۲۶ــــــــــ
آں دگر باشد کہ بحث جان بود

۲۶۔ حل لغات : درّ : موتی ۔ مرجان : مونگا ۔

ترجمہ : اگرچہ عقلی بحث موتی اور مونگا بھی ہو لیکن وہ اور شے ہے جسے بحث جان کہا جائے ۔

شرح : یعنی بفرض محال اگرچہ بحث عقلی جواہر کی طرح قیمتی ہوتا۔ ہم روحانی بحث کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اس لیے کہ بحث عقلی محض ظاہری اور قیاسی باتوں کا نام ہے ۔ اور روحانی بحث ایک لطیف اور معنوی بات ہے جس سے عقل کو اس سے کوئی نسبت نہیں۔ خلاصہ یہ کہ روحانی بحث سے وہ باطنی فیضان والہام مراد ہے جو منجانب اللہ کسی بندۂ خدا کے دل میں القا ہوتا ہے۔ جسے ہم وحی و الہام سے تعبیر کرتے ہیں اور عقلی بحث تو عقل کی رسائی تک محدود رہتی ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ انبیاء و اولیاء علی نبینا وعلیہم السلام کے علوم کے مقابلہ میں فلاسفہ اور دانشوروں کے علوم کو ذرہ برابر بھی نسبت نہیں دی جا سکتی اور یہ بدیہی بات ہے کہ دنیا میں بڑے بڑے فلسفی اور معقول گذرے ہیں لیکن ایک بندۂ خدا کے بالمقابل وہ کوئی حقیقت نہیں رکھتے ۔

اسی لیے میں کہا کرتا ہوں کہ جہاں فلسفیوں اور سائنسدانوں کے کمالات کی انتہا ہوتی ہے وہاں سے اولیاء اللہ کے کمال کی ابتداء ہوتی ہے ۔ ایسے ہی جہاں اولیاء اللہ کے کمالات کی انتہا ہوتی ہے وہاں انبیاء علیہم السلام کے کمالات کی ابتداء ہوتی ہے اور جہاں انبیاء علیہم السلام کے کمالات کی انتہا ہوتی ہے وہاں ہمارے آقا و مولیٰ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات کی ابتداء ہوتی ہے۔ اسی لیے کچھ ہم کہتے ہیں حق

(بقیہ بر صفحہ ۳۳)

marfat.com

بحث جان اندر مقامی دیگر است
۲۷ـــــــ
بادۂ جان را قوامی دیگر ست

صفحہ گذشتہ سے:

بجا نب ہیں کہ ؎

فَاِنَّ فَضْلَ رَسُوْلِ اللّٰہِ لَیْسَ لَہٗ حَدٌّ
فَیُعْرِبَ عَنْہُ نَاطِقٌ بِفَمٍ (قصیدہ بردہ شریف)

؎

حد نہیں رکھتی فضیلت کچھ رسول کی
لب کشائی کیا کریں اہل عرب و عجم

صفحہ ہذا:-

۲۷۔ **حل لغات** : قوام یکسر اوّل وہ شے ہے کہ جس پر دوسری شے کا دار و مدار ہو یعنی شے کا اصل کہ جس کے سبب سے دوسری شے قائم ہو۔

ترجمہ : بحث روحی دوسرے مقام میں ہے۔ اور بادۂ جان کے لیے قوام ہی اور ہے۔

شرح : شعر اوّل دعویٰ تھا اب اس کی دلیل بیان فرمائی۔ یعنی جس طرح بادۂ روح کا قوام اور کیفیت عقل جزئی کی کیفیت سے بالاتر ہے۔ اسی طرح روحانی بحث کا مقام مقام عقلی سے اعلیٰ ہے۔

خلاصہ یہ کہ وہ شراب علم الیقین جو روح کو ملتی ہی کچھ اور سرور رکھتی ہے۔ کیونکہ اس کا قوام اسرار الٰہی ہے۔

marfat.com

آں زماں کہ بحث عقلی ساز بود
۲۸ـــــــــــ
ایں عمر بابوالحکم ہمراز بود

۲۸۔ **حل لغات :** ابوجہل زمانہ جاہلیت میں اپنی عقلمندی کے سبب اہل عرب کے اکثر معاملات کے مقدمات کے فیصلے کیا کرتا تھا اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی عرب کے بڑے سردار تھے۔ اس لیے بہت سے جھگڑے ان دونوں کے مشورہ سے طے ہوا کرتے تھے۔ لہٰذا عقلی بحث میں مولانا رومؒ نے دونوں کو مساوی قرار دے کر پھر دونوں کا فرق ظاہر کیا۔ چنانچہ فرمایا۔ عقلی ساز اسم فاعل ترکیبی ہے اگر ساز از ساختن ہو ورنہ ساز بمعنی سامان ہو تو یہ اضافت مقلوبی ہے۔ بحث عقلی ساز سے عقلی دلائل مراد ہیں۔ بوالحکم ابوجہل کا لقب تھا۔

ترجمہ : جس زمانہ میں کہ صرف عقلی بحث ہوتی تھی تو یہ عمرؓ بوالحکم کے ساتھ ہمراز تھے۔

شرح : یہ شعر میں عقلی اور روحانی بحث کا موازنہ فرمایا۔ یعنی زمانہ جاہلیت میں جبکہ نور وحی کا ظہور نہ ہوا تھا تو عقلی دلائل میں حضرت عمرؓ اور ابوجہل دونوں برابر ہوتے تھے بلکہ عقلی دلائل میں ابوجہل حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بڑھا ہوا تھا۔ یہاں تک کہ اس کا لقب بوالحکم ہوا۔ لیکن جب زمانۂ نبوّت میں نور وحی کا ظہور ہوا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مرتبہ بالا ہوگیا۔ اس لیے کہ آپ عقل سے گزر کر بحث روحی کی طرف رجوع کر گئے تھے اور ابوجہل اسی قعر جہالت میں ڈوبا رہا۔

marfat.com

۲۹— چوں عمر از عقل آمد سوئے جاں
بوالحکم بوجہل شد در بحث آں

۲۹۔ حل لغات : جاں سے مراد نورِ وحی سے قوت روحانی مراد ہے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا ذات حق کی طرف اشارہ ہے۔ بحر العلوم میں لکھا ہے کہ جان سے رسول اللہ علیہ وسلم کی ذات مراد لینا انسب ہے۔

ترجمہ : جب عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ عقل سے جان کی طرف آئے تو بوالحکم اس کی بحث میں ابوجہل ہو گیا۔

شرح : عقلی و روحانی بحث کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ) بحث عقلی چھوڑ کر نور روحی کی برکت حاصل کرنے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں حاضر ہوئے یا ذات حق کی طرف متوجہ ہوئے تو مراتب اعلیٰ کی طرف عروج کر گئے۔ بوالحکم اور بوجہل میں لفظی رعایت خالی از لطف نہیں جس سے گویا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بوالحکم ہو گئے اور بوالحکم ابوجہل بن گیا۔

اسی لیے ہم کہتے ہیں کہ علوم عقلیہ و نقلیہ میں استاذ کل بننے والے اگر درِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے دور ہیں تو وہ بھی ابوجہل سے کم نہیں۔ دیکھ لو کہ اپنے زمانہ میں ابوجہل کی عرب میں بڑی شہرت تھی لیکن آج اسے نہ صرف عرب بلکہ ہر دانشمند اسے لعنتی کہتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب سے دامن مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو تھاما تو نہ صرف مسلم بلکہ غیر مسلم بھی آپ کے کمالات کے آج تک گیت گاتے ہیں۔ ان کے کمالات کا نمونہ ملاحظہ ہو۔

حضرت عمر کے دور خلافت میں دنیا کے بے شمار لوگ مثلاً قادسیہ، جلولہ، حلوان، تکریت، خوزستان، اصفہان، طبرستان، آذربائیجان، آرمینیا، فارس، سیستان۔

(البقیہ اگلے صفحہ پر)

marfat.com

۳۰— سوئے حس و سوئے عقل او کاملست
گرچہ خود نسبت او جاہلست

صفحہ گذشتہ سے:

مکران ، خراسان ، اردن ، حمص ، یرموک ، بیت المقدس ، اسکندریہ اور طرابلس الغرب وغیرہ فتح ہوئے اور ان کے مقبوضات اسلام کا رقبہ ۲۲۵۱۰۳ مربع میل تک پہنچ گیا۔ اس قدر کامیابیوں اور حکمرانی کے باوجود ان کی سادگی کا یہ عالم تھا کہ ان کے لباس میں پیوند اور پاؤں میں پھٹا ہوا جوتا ہوا کرتا تھا اور خوف خدا کے پیش نظر سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیت المال سے راشن اپنے کاندھوں پر اٹھا کر یتیموں اور مجبوروں کو پہنچایا کرتے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حسن تدبر سے عدالتیں قائم ہوئیں ۔ قاضی مقرر ہوئے اور قومی دفتر قائم ہوئے ۔ یہاں تک کہ دشمن اسلام اور کافر تک کہہ اٹھے کہ اگر ایک عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) اور پیدا ہو جاتا تو دنیا سے کفر اور ظلمت کا نام تک مٹ جاتا۔

صفحہ ہذا ۳۰۔ ترجمہ : وہ عقل میں اور حس میں کامل ہے۔ اگرچہ وہ روحانی نسبت کے لحاظ سے جاہل ہے۔

شرح : یعنی اگرچہ عقلی دلائل میں ابوجہل نہایت کامل اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر غالب تھا مگر روحانی بحث کی نسبت جاہل تھا کیونکہ اسے جان (روح یا رسول یا ذات حق) کے مرتبہ کو نہ پہنچا اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حق و باطل میں فرق کر کے فاروق اعظم لقب پایا۔ اس سے ثابت ہو گیا کہ عقل دنیوی سے

marfat.com

۳۱ ــــــــ بحث عقل و حس اثر داں یا سبب
بحث جاں باشد عجب یا ابوالعجب

۳۱۔ ترجمہ : عقل اور حس کی بحث کو اثر یا سبب جانیئے۔ جان کی بحث نہ صرف عجیب بلکہ عجیب تر ہے۔

شرح : حضرت حاجی امداد اللہ قدس سرہٗ نے فرمایا کہ بحث عقلی یا تو استدلال مؤثر (بصیغہ اسم مفعول) سے ہے اثر پر۔ اسے برہان اِنّی کہتے ہیں یا انتقال سبب سے ہے مسبب کی طرف اس کو برہان لمّی کہتے ہیں۔ مثلاً زید متعفن الاخلاط و کل متعفن الاخلاط محموم فزید محموم۔ یعنی زید کی اخلاط میں تعفّن ہے اور جس کے اخلاط میں تعفّن ہو اسے بخار ہوتا ہے۔ اس لیے زید کو بخار ہے یہ برہان لمّی ہے۔ کیونکہ اس میں تعفّن اخلاط سے جو سبب حمّیٰ ہے۔ زید کے محموم ہونے کی طرف انتقال کیا گیا ہے اور الجسم مؤلف و کلّ مؤلف لہٗ مؤلف فالجسم لہٗ مؤلّفٌ۔

یعنی جسم مرکب ہے اور ہر مرکب کے لیے ترکیب دینے والا ضرور ہے۔ پس جسم کے لیے بھی کوئی نہ کوئی ترکیب دینے والا ضرور ہے۔ یہ برہان اِنّی ہے۔ اس میں موثر اور معلول یعنی مؤلّف سے علت اور اثر یعنی مؤلّف پر استدلال ہے۔ بحث عقلی اس سے آگے تجاوز نہیں کر سکتے اور بحث روحی اس سے عجیب کیا بلکہ عجیب تر ہے۔ جس کا ادراک بغیر نورِ الٰہی ناممکن ہے۔ کشف کے وقت آدمی کو عجیب عجیب اسرار معلوم ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ روح قرب الٰہی سے مستفیض ہوتی ہے اور عقل تھوڑی دور جا کر رہ جاتی ہے۔ جیسا کہ ابوجہل کا حال سب کو معلوم ہے کہ مرکر مٹی میں مل گیا اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام آج تک درخشندہ و تابندہ ہے یا ابوالعجب میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ

marfat.com

کی اس کرامت کی طرف اشارہ ہے ۔ لیکن یاد رہے کہ یہ روحانی مراتب اس وقت حاصل ہوتے ہیں جب نفسانیت کو مار مٹا دیا جائے۔ جیساکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حال تھا کہ باوجود اسلام کے ایک عظیم الشان خلیفہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ لیکن خدمت خلق میں اپنی نظیر آپ تھے۔ چنانچہ چند واقعات ملاحظہ ہوں ،

۱۔ ایک رات حضرت عمر گشت کر رہے تھے۔ ایک بدّو کی طرف سے آپ کا گزر ہوا۔ جو اپنے خیمہ کے سامنے بیٹھا ہوا تھا۔ آپ اُس کے پاس بیٹھ کر اس سے باتیں کرنے لگے اور پوچھنے لگے تم اس طرف کیوں آئے ہو۔ یہی باتیں کر رہے تھے کہ ایک خیمہ سے رونے کی آواز آئی۔ آپ نے دریافت کیا کہ یہ رونے کی آواز کیسی ہے۔ بدّو نے کہا کہ یہ بات تم سے تعلق نہیں رکھتی۔ ایک عورت ہے جسے درد زہ ہو رہا ہے اور دوائی پاس نہیں۔ یہ سُن کر آپ اپنے مکان پر تشریف لائے اور فرمایا کہ اے ام کلثوم ذرا کپڑے تو پہن اور میرے ہمراہ چلو۔ آپ ان کو لے کر اس بدّو کے پاس پہنچے اور فرمایا کہ اس عورت کو آپ اندر آنے کی اجازت دے سکتے ہو۔ ان کی وجہ سے تنہائی کی تکلیف رفع ہوگئی۔ اس بدّو نے اجازت دی اور وہ اندر تشریف لے گئیں۔ تھوڑی دیر کے بعد ام کلثوم نے پکار کر کہا کہ اے امیرالمؤمنین اپنے دوست کو خوشخبری دیجئے کہ لڑکا پیدا ہوا ہے۔ اس بدّو نے جو امیرالمؤمنین سے سُنا تو کانپ گیا اور شرمندہ ہوکر ان کے سامنے بیٹھا اور معافی مانگنے لگا۔ آپ نے فرمایا کوئی حرج نہیں، صبح کو ہمارے پاس آنا۔ اور آپ نے اس بچے کا وظیفہ مقرر کر دیا۔

۲۔ آپ جب ملک شام سے واپس ہوئے تو ایک روز تنہا گشت کے لیے نکلے۔ ایک بڑھیا ملی۔ آپ نے اس سے حالات پوچھنے شروع کیے کہ عمر جو تمہارا امیرالمؤمنین ہے۔ کیسا آدمی ہے۔ اس بڑھیا نے برائی بیان کی اور کہا۔ جب سے وہ

marfat.com

خلیفہ ہوا ہے مجھے ایک پیسہ بھی نہیں ملا۔ آپ نے فرمایا عمر کو تمہارا حال کیا معلوم۔ تم نے اس کو اطلاع کیوں نہیں دی۔ بڑھیا نے کہا۔ وہ امیر المومنین ہے۔ اس کو مشرق سے مغرب تک کے ہر مقام کا حال معلوم ہونا چاہیئے۔ یہ سن کر آپ رونے لگے اور فرمایا مجھے عمر رضی اللہ عنہ پر رحم آتا ہے۔ اچھا تمہارے اوپر اس نے جو ظلم کیا ہے اس کا بدلہ لوگی۔ بڑھیا نے کہا، میرے ساتھ مذاق نہ کرو۔ آپ رضؓ نے فرمایا میں مذاق نہیں کرتا۔ یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ سامنے سے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ آگئے۔

انہوں نے کہا کہ السلام علیکم یا امیر المومنین۔ اب بڑھیا کے ہوش اڑ گئے کہ میں نے امیر المومنین کو ان کے منہ پر برا کہا۔ آپ نے کہا کہ کچھ حرج نہیں۔ پھر ایک چمڑے کے ٹکڑے پر تحریر لکھوائی کہ عمرؓ نے اپنا ظلم اس بڑھیا سے ۲۵ اشرفیوں کے بدلے معاف کرایا ہے۔ اب یہ قیامت کے دن اللہ کے سامنے دعویٰ نہیں کر سکتی اور اس پر حضرت علی و ابن مسعود کی گواہی کرائی۔

۲۔ ایک رات آپ گشت کر رہے تھے۔ جب ایک گھر کے قریب پہنچے تو سنا ایک بڑھیا اپنی لڑکی سے کہہ رہی ہے کہ دودھ میں پانی ملا دے۔ لڑکی نے جواب دیا کہ امیر المومنین کی طرف سے اعلان ہوا ہے کہ دودھ میں پانی ملا کر نہ بیچا جائے۔ بڑھیا نے کہا کہ اس وقت نہ امیر المومنین یہاں ہیں نہ منادی کرنے والا ہے۔ لڑکی نے کہا۔ اللہ کی قسم یہ بات ہمارے لیے مناسب نہیں ہے کہ ظاہر میں تو ان کے حکم کی پابندی کریں اور پوشیدہ مخالف۔ یہ سن کر آپ بہت خوش ہوئے اور اپنے غلام اسلم جو ہمراہ تھا فرمایا کہ اس مکان پر کوئی نشان لگا دو۔ دوسرے دن آپ نے وہاں ایک آدمی بھیجا اور اس لڑکی سے اپنے صاحبزادے حضرت عاصم کے لیے پیغام دیا۔ اور فرمایا اس نکاح میں برکت ہوگی۔ عمر ابن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ اس لڑکی سے پیدا ہوئے۔

marfat.com

۳۲ — چو جاں آمد نہ ماند اے مستنفضی
لازم و ملزوم نافی مقتضی

صفحہ گذشتہ سے:

کرامت

ایک روز آپ مدینہ منورہ میں جمعہ کا خطبہ پڑھ رہے تھے کہ یکایک بلند آواز سے دو یا تین مرتبہ فرمایا:

یَا سَارِیَۃُ الجَبَلَ۔

اور اس کے بعد پھر خطبہ شروع کر دیا۔ تمام خطبہ سننے والے حیران تھے کہ یہ بے ضرورت جملہ آپ کی زبان مبارک سے کیسا نکلا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ سے دریافت کیا۔ آج آپ نے خطبہ کے درمیان یَا سَارِیَۃُ الجَبَلَ کیسے فرمایا تو آپ نے ایک لشکر کا ذکر کیا۔ جو عراق میں بمقام نہاوند جہاد میں مشغول تھا۔ اس لشکر کے سردار معاویہ رضی اللہ عنہ تھے۔ فرمایا میں نے دیکھا کہ وہ پہاڑ کے پاس لڑ رہے ہیں اور دشمنوں کی فوج سامنے سے بھی آ رہی ہے اور پیچھے سے بھی جس کی ان لوگوں کو خبر نہیں۔ یہ دیکھ کر میرا دل قابو میں نہ رہا اور میں نے آواز دی کہ " اے ساریہ پہاڑ

" اے ساریہ پہاڑ سے مل جاؤ "

تھوڑے دنوں کے بعد ساریہ کا قاصد آیا تو اس نے سارا واقعہ بیان کیا کہ ہم لوگ لڑائی میں مشغول تھے کہ یکایک آواز آئی (یَا سَارِیَۃُ الجَبَل) اس آواز کو سن کر ہم لوگ پہاڑ سے مل گئے اور ہم کو فتح ہوئی۔ انہی وجوہ سے آپ کو روحانی ترقی یوں ہوئی کہ:

۳۲۔ ترجمہ: اے طالب نور جب جان کی روشنی آئی تو نہ لازم و ملزوم رہے اور نہ نافی نہ مقتضی

شرح: یعنی اے مسترشد اور طالب نور ارشاد۔ اب روشنیِ روح کا زمانہ آگیا ہے

(باقی بر صفحہ آئندہ)

marfat.com

زانکہ بینائے کہ نورش بازغ است
۴۲ — از عصا و از عصا کش فارغ است

صفحہ گذشتہ سے : جس میں دلائل عقلیہ سے نہ تو لازم وملزوم باقی رہا جیسا کہ جبریہ کہتے تھے کہ عبد ملزوم جبر ہے اور جبر اس کا لازم اور نہ کوئی دلیل خلق افعال الٰہی کی نفی کرنے والی باقی ہے جیسا کہ معتزلہ کہتے ہیں کہ بندہ خود ہی بطور استقلال اپنے افعال کا خالق اور مصدر ہے اور نہ کوئی مقتضی باقی ہے جیسا کہ اہلسنت کا مذہب ہے کہ اصدار افعال عباد کو اس بات کا سبب بیان کرتے ہیں کہ ان کا خالق اللہ ہے ورنہ تحصیل معدوم مطلق لازم آئے گی ۔ مقتضی بمعنی سبب ۔ خلاصہ یہ کہ جبر اور قدر یہ کی قیل وقال اور متکلمین کے مباحثے اہل جدال کے لائق ہیں ۔ ارباب کمال اور اصحاب عرفان عقلی بحثوں کی طرف متوجہ نہیں ہوتے ۔ کیونکہ وہ نور وحی رسول علیہ الصلوٰۃ سے فیضیاب ہیں ۔

---

۴۲ ۔ ترجمہ : اس لیے بینائی والا اس کا نور تنعّم لکڑی اور لکڑی کش سے فارغ رہتا ہے ۔

شرح : مطلب یہ کہ دلائل عقلی اندھے کی لکڑی ہیں جن کی ضرورت آنکھوں والے کو ہرگز نہیں ہوتی ۔ پس عقلی دلائل سے وہی لوگ کام لیتے ہیں جو باطن میں نہیں ہیں ورنہ اہل باطن کو عقلی توڑ جوڑ سے کیا غرض ۔

ف : مصرع اولیٰ میں بازغ بمعنی تنعّم ہے ۔ یعنی بینائی جس کا نور خدا کی نعمت ہے ۔ اس کو عصا سے ٹٹول کر چلنے کی ضرورت نہیں ۔ اس صورت میں بازغ اور فارغ کا قافیہ مرصع ہے اور اگر یہ لفظ بازاء بزائے معجمہ ہے جیسا کہ بعض نسخوں میں دیکھا گیا ہے اور جس کے معنی چمکنے والے کے ہیں تو اس حالت میں حرف زغ قافیہ مانا جائے گا ۔ مگر اس نسخہ کو پہلے سے کسی طرح ترجیح نہیں ہو سکتی ۔ (بحر العلوم)

marfat.com

تفسیر آیت وَھُوَ مَعَکُمْ اَیْنَمَا کُنْتُمْ و بیان آں

بار دیگر ما بقصہ آمدیم

۳۴ ــــــــــــ

ما ازیں قصہ برون خود کے شدیم

ترجمہ ا : اس آیت کی تفسیر کہ تم جہاں کہیں ہو اللہ تمہارے ساتھ ہے اور اس کا بیان۔

شرح : اس آیت کی تفسیر میں بیضاوی میں لکھا ہے کہ خدا کا علم و قدرت ہر جگہ بندوں کے ساتھ ساتھ ہے۔ وہ اپنے مظہر سے جدا نہیں ہوتا۔ اس معیت کو سمجھنا یا عارفان کامل کا حصہ ہے یا ملحدوں کا۔ عارفان کامل سے وہ اہل تصوف مراد ہیں جو وحدۃ الوجود کے قائل ہیں اور وحدۃ الوجود کی تحقیق فقیر کی شرح "لوائح جامی" میں دیکھئے اور ملحدوں سے مراد وہ لوگ ہیں جو اتحاد و حلول کے قائل ہیں اور اتحاد و حلول کی تفسیر علامہ سیوطی کے رسالہ میں دیکھئے جو الحاوی للفتاوی میں ہے۔

آیت کی تشریح فقیر کی تفسیر "فیوض الرحمٰن" میں ہے۔

۳۴۔ ترجمہ : پھر ہم قصہ کی طرف رجوع کرتے ہیں اور ہم اس قصہ سے باہر ہی کب ہوئے۔

شرح : قصہ سے مراد ہی معیتِ حق ہے جس کی نسبت مولانا پہلے ارشاد فرما چکے ہیں کہ "ایں معیت با حق است ایں جبر نیست"

خلاصۂ مطلب یہ کہ ہم نے اس بحث کو ترک نہیں کیا۔ اب ہم دوبارہ معیت حق اور اس کے معنی کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

marfat.com

۳۵ ــــــ گر بجہل آئیم آں زندان اوست
دربعلم آئیم آں ایوان اوست

۳۵۔ ترجمہ: اگر ہم جہل میں ہیں تو وہ اس کا قید خانہ ہے اور اگر علم میں ہیں تو وہ اس کا ایوان ہے۔

شرح: جہل و علم دونوں صورتوں میں وہ ہمارے ساتھ ہے مگر جہل کی حالت میں جو مکان ہے وہ قید خانہ ہے اور علم کی صورتوں میں جو مکان ہے وہ قصر بلند۔ ان مقاموں کا فرق ہمارے ہی لیے ہے اس کو اس سے کچھ مطلب نہیں۔ بلکہ اس کیلئے دونوں برابر ہیں۔ یا یہ کہ ہماری تمام صفتیں صفات الٰہی کا عکس ہیں۔ اگر ہم میں جہل ہے تو اس کی صفت مذل کا عکس ہے اور اگر ہم میں علم ہے تو اس کی صفت علم کا پرتو ہے۔ پہلی صفت باعثِ ذلت ہے کہ جو ہم کو جہل کی نسبت سے نصیب ہوئی اور دوسری صفت باعث فضیلت ہے جو علم کے سبب ہم کو ملی۔ اگر زندان سے دوزخ اور ایوان سے بہشت مراد لیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ بصورت جہل جس کا نتیجہ گمراہی ہے۔ ہم کو دوزخ ملے گی اور بحالت علم جس کا انجام ہدایت ہے بہشت نصیب ہو گی۔ چونکہ دوزخ اور جنّت بھی اسی کی بنائی ہوئی ہیں۔ اس لیے وہ وہاں بھی ہمارے ساتھ ہو گا اور یہاں بھی۔ کیونکہ ایک جگہ اس کے جمال کا عکس ہے اور دوسری جگہ اس کے جلال کا عکس ہے۔ فلہٰذا اس سے کوئی جگہ خالی نہیں۔

marfat.com

۳۶ — گر بخواب آئیم مستان وئیم
در بہ بیداری بدستان وئیم

۳۶۔ حل لغات:

(دستان) حکایت و افسانہ و تمیز بمعنی نغمہ و سرود (امداد از دلی محمد)

ترجمہ:

اگر ہم خواب میں ہیں تو اسی کے مست ہیں اور جو بیداری میں ہیں تو بھی اسی کے قبضہ میں ہیں۔

شرح:

خواب و بیداری سے تغیر مراتب مراد ہے۔ اگر اس خواب و بیداری سے ظاہری خواب و بیداری مراد لیں تو مطلب ہے کہ اگر ہم سوتے ہیں تو بھی اس کے مست ہیں۔ کیونکہ بیداری کی تکلیفیں دور ہوئیں۔ اسی محنت و مشقت کی تکان دور ہو جانے کی غرض سے ہمیں سلا دیا ہے اور اگر بیدار رہیں تب بھی بلا اس کی مرضی کے کچھ نہیں کر سکتے یعنی افعال کے صدور اور تعلق میں ہم اسی کے محتاج ہیں اور اس کے حکم کے بغیر ہم دم نہیں مار سکتے۔

غرضیکہ دونوں حالتوں میں وہ ہمارے ساتھ ہے اور اگر خواب سے ترکِ دنیا اور بیداری سے دنیاوی ہوشیاری مراد لیں تو اس صورت میں یہ مطلب ہوگا کہ ہم عارف ہیں تو ہمارا خواب یعنی ترک دنیا شرابِ عشق الٰہی کی مستی اور بیہوشی ہے اور اگر اہل دنیا ہیں یعنی دنیا کی محبت میں ہوشیار اور اس سے غافل رہتے ہیں تو بھی اس کے قبضۂ قدرت اور معیت سے باہر نہیں ہو سکتے۔

marfat.com

۳۷ــــــــ در بگرئیم ابر پُر زرق وئیم
در بخندیم آں زماں برق وئیم

۳۷- حل لغات:

حاجی امداد اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ رزق سے متعلق رنگ اور بمعنی ویل بھی آیا ہے۔ جسے نوحہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

دوسرا معنی یہاں مناسب ہے اور صاف پانی کے معنی میں بھی مستعمل ہوتا ہے اور شارح ولی محمد نے فرمایا کہ زرق بالفتح بمعنی آب صاف وکبود چشم وغیرہ اور فرمایا کہ یہاں پہلے معنی مراد ہیں۔ یہاں پرزرق بمعنی گوناگوں یا رنگا رنگ رونے سے برسنے کو اور ہنسنے سے چمکنے کو تشبیہہ دی گئی ہے اور یہ دونوں متضاد حالتیں بشریت کی صفتیں ہیں۔ یعنی جس وقت ہم روتے ہیں تو گویا اس کے بادلوں کے مانند ہیں اور جب ہنستے ہیں تو بجلی کے مشابہ ہوجاتے ہیں۔

ترجمہ:

اور اگر روتے ہیں تو اُس کے ابر پر زرق ہیں اور جب ہنستے ہیں تو اسی کی برق چمکدار ہیں

شرح:

خلاصہ یہ کہ دونوں حالتیں اس کی عطا کی ہوئی ہیں اور ہمارے رونے اور ہنسنے کی مثال ایسی ہے جیسے بادلوں کے برسنے اور بجلی کے چمکنے کی اور دونوں حالتوں میں وہ ہمارے ساتھ ہوتا ہے۔

marfat.com

در بخشم و جنگ عکس قہر اوست
۳۸ ———
در بصلح و عذر عکس مہر اوست

ماں کہ کیئیم اندر جہاں پیچ پیچ
۳۹ ———
چوں الف او خود چہ دارد ہیچ ہیچ

۳۸۔ ترجمہ : ہم غصہ اور لڑائی کی صورت میں اس سے قہر کا عکس ہیں اور صلح اور معافی کے وقت اس کی مہربانی کا ظل

شرح : یعنی ہمارا غصہ اور جنگ اس کے قہر کا اور ہماری صلح و معافی اس کی محبت و مہر کا عکس ہے۔ پہلی حالت میں ہم مظہر اسم جبار و قہار ہوتے ہیں اور دوسری حالت میں مظہر اسم رحمٰن و رحیم۔

خلاصہ یہ کہ وہ کسی حالت میں بھی ہم سے جدا نہیں ہے۔

۳۹حل لغات : ماں کہ دراصل بمعنی ما جمع متکلم اور کیئم بمعنی کیستم مراد تعینات یعنی مراتب مقیدہ ازاں حیثیت کہ قیود مطلق است متعقل است با قطع ازاں معیت ہیچ است (رضا) پہلا مصرعہ سوال اور دوسرا اس کا جواب ہے

ترجمہ : ہم اس ہیچ در ہیچ جہان میں کون ہیں۔ ہم مثل الف کے ہیں جو خود اپنے پاس کچھ نہیں رکھتا۔

شرح : یعنی اے مخاطب ہم اس جہان ہیچ در ہیچ (محل مشقت و عذاب) میں کون ہیں اور کیا چیز ہیں۔ سچ پوچھئے تو کچھ بھی نہیں۔ ہماری ہستی کچھ ہے بھی تو ایسی ہے جیسے حرف الف۔ جس کی صورت یہ ہے :

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

marfat.com

۴۰ــــــــــ چوں الف گر تو مجرد مے شوی
اندریں رہ مرد مفرد مے شوی

بقیہ صفحہ گذشتہ :

اور جو ہمیشہ ساکن اور حرکات سے خالی ہے۔ یہاں تک کہ نقطہ بھی اپنے پاس نہیں رکھتا اور خود چہ دارد ہیچ، ہیچ کے یہی معنی ہیں کہ حرف " الف " اپنے پاس کچھ بھی نہیں رکھتا اسی طرح ہم گو باعتبار ظاہر متحرک معلوم ہوتے ہیں لیکن فی الواقع غیر متصرف اور متحرک مع الغیر ہیں۔ ہم حرف " الف " کی طرح اپنے پاس کچھ نہیں رکھتے۔ ہماری تمام حرکات اسمائے صفات حق کا عکس ہیں۔ جن کی شرح گزر چکی ہے۔ حاجی امداد اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ ممکن ہے کسی وصف سے موصوف نہیں ہو سکتا۔ ہاں اسے ذلت و افتقار کے سوا اور کوئی شئے حاصل نہیں۔ کوئی وصف اگر اُسے حاصل ہے تو وہ صرف ظاہر کے اعتبار سے ہے۔ اس لیے مظاہر ہیں جو منظہر کی وصف کے قابل تھا اسے اسی وصف سے موصوف کر کے ظاہر کیا گیا اور معیت کا ایک معنی یہ بھی ہے :

۴۰۔ ترجمہ : اگر تم الف کی طرح خالی ہو جاؤ تو تم اسی راہ میں مرد یکتا ہو سکتے ہو۔

شرح :

چونکہ پہلے شعر میں حرف " الف " کی بحث گزر چکی ہے۔ اس لیے مولانا نے اس الف سے ایک دوسرے مضمون کا الف نکالا ہے۔ یعنی اے مخاطب اگر تو طالب ماسوٰی الف سے خالی ہو کہ بقول شخصے الف مدار بن جائے تو وحدت کے رستہ میں یکتا اور مدار اور یکتا ہو جائے اور معیت و عینیت کے معنی خود بخود ظاہر ہو جائیں گے۔

marfat.com

جہد کن تا ترک غیر حق کنی
۴۱ ـــــ
حال ازیں دنیائے فانی بر کنی

ایں سخن رانیست پایاں اے پسر
۴۲ ـــــ
از رسول روم بر گو و ز عمر رضی اللہ عنہ

۴۱۔ حل لغات:

بُرزرق بوقلموں و رنگا رنگ یعنی جس طرح رنگا رنگ ابر برس کر زمین سے رنگا رنگ گل پیدا ہوتے ہیں۔

ترجمہ:

کوشش کیجیے۔ تاکہ تم غیر حق کو ترک کر دو اور دل کو اس دنیائے فانی سے پھیر۔

۴۲۔ ترجمہ:

اے عزیز! اس بحث کی کوئی انتہا نہیں۔ اسی لیے روم کے قاصد اور حضرت عمر کی گفتگو کا پھر بیان کیجیے۔

---

marfat.com

سوال کردن رسول قیصر روم از عمر
از سبب ابتلائے ارواح باایں آب و گل جسم

از عمر چوں آں رسول ایں را شنید
۴۳ روشنی در دلش آمد پدید

محو شد پیشش سوال و ہم جواب
۴۴ گشت فارغ از خطا و از صواب

ترجمہ : رسول قیصر روم کا حضرت عمر سے یہ سوال کرنا کہ روحیں لطیف ہوکر اس جسم کثیف میں جو آب و گل سے بنا ہے کس لیے مقید ہوئی ہیں ۔

۴۳۔ ترجمہ : اسی قاصد نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بات سنی ۔ ایک روشنی سی اس کے دل میں پیدا ہوگئی ۔

۴۴۔ ترجمہ : اس سے سوال و جواب محو ہو گئے ہیں اور خطا و صواب سے فارغ ہوگیا ۔

شرح : یعنی جب رسول قیصر روم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روح کے حالات اور کیفیت حال و مقامات سنے تو اس کے دل میں معنوی روشنی پیدا ہوگئی اور چونکہ اسے جذبہ عشق نے محو و فنا کر دیا تھا ۔ اس لیے سوال و جواب اور خطا و صواب سے فارغ ہوکر مرتبہ استغراق تک پہنچ گیا اور صاحب کمال و اہل کشف بن گیا ۔

قیصر روم کے سفیر کا واقعہ یہاں بیان کرنا ضروری ہے تاکہ مقصد واضح ہو ۔

marfat.com

حکایت منقول ہے کہ قیصر روم کا سفیر جب بہت سے تحفے تحائف لے کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضری کے لیے آیا تو اس نے آکر دارالخلافت میں پوچھا کہ خلیفۃ المسلمین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہاں ہیں؟ ایک اعرابی عورت نے سفیر کو بتایا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھجور کے نیچے سوئے ہوئے ہیں۔ سفیر کھجور کے نیچے آیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو سویا ہوا دیکھ کر ان کی ہیبت و جلال سے مرعوب ہو کر کانپنے لگا۔ وہ دل میں سوچنے لگا کہ میں نے بہت بڑے بڑے بادشاہوں کو دیکھا ہے جن کو دیکھ کر مجھ پر کبھی رعب اور ہیبت طاری نہیں ہوئی۔ میں شیروں اور چیتوں کے جنگل میں بھی گیا ہوں وہاں بھی میرے دل پر اتنا خوف طاری نہیں ہوا۔ یہ مرد زمین پر بے ہتھیار سو رہا ہے مگر میرا جسم اس کے خوف اور رعب سے کانپ رہا ہے۔ یہ کیا بات ہے۔ یہ ہیبت اور رعب جو مجھ پر طاری ہے یہ دراصل اس گدڑی پوش کا نہیں یہ آسمانی ہیبت ہے جو مجھے لرزاں کر رہی ہے۔ وہ یہ سوچ کر باادب کھڑا رہا۔ کچھ دیر بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نیند سے بیدار ہوئے تو اس نے تعظیمی سلام کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وعلیکم السلام کہا اور سفیر کو نزدیک بلا کر اس کو مطمئن کر کے اپنے پاس بٹھا لیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسکے سامنے خدائے پاک کی بہت تعریف کی اور عجیب نکتے بیان کیے۔ اسلام کی خوبیاں اس کے سامنے پیش کیں تو اس کے دل میں روشنی پیدا ہو گئی۔ وہ بے خود ہو گیا۔ اس نے حقیقت کو پا لیا اور خیر و عافیت کو چھوڑ دیا۔ اس کے بعد اس سفیر نے حضرت عمر سے پوچھا:

حضرت آپ فرمائیں وہ کیا حکمت اور بھید تھا جس کے باعث یہ پاک روح اس مٹی میں قید کی گئی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ اے سفیر تم حقیقت کو ظاہریت میں تبدیل کر رہے ہو۔ یہ روح اس دنیا میں دراصل قید نہیں بلکہ آزاد ہے۔ خدا نے اپنی اس کائنات کو پیدا کیا اور اس نے ہمیں یہ کائنات دکھائی۔ جب خدا نے ہمیں کائنات دکھائی تو پھر روح کو

marfat.com

کیوں نہ دکھاتا۔

سفیر حضرت عمر کے پاس آکر ایسی قدر بے خود ہو گیا کہ اس کو سفارت اور پیغام یاد ہی نہ رہا۔ وہ اسلام کے عشق میں خود ایک بہت بڑا بادشاہ بن چکا تھا۔

فائدہ :

اچھی صحبت انسان کو اچھائیوں کا لباس پہنا دیتی ہے۔ جو نیک صحبت اختیار کرتا ہے وہ اندھیرے سے نکل کر روشنی میں آجاتا ہے۔

جیسے قاصد مذکور کا واقعہ آپ نے پڑھا اور اس کی تفصیل آگے چل رہی ہے اسی واقعہ کی مناسبت سے ہم مندرجہ ذیل ایک اور واقعہ عرض کرتے ہیں تاکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے کمالات ناظرین کو معلوم ہوں۔

کرامتِ حضرت عمر رضی اللہ عنہ

منقول ہے کہ ایک مرتبہ ایک عجمی مدینہ منورہ میں آیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو تلاش کر رہا تھا کہ کسی نے بتلایا کہ وہ کہیں جنگل میں سو رہے ہیں۔ چنانچہ وہ جنگل کی طرف گیا تو دیکھا آپ زمین پر لیٹے ہوئے دُرّہ سر کے نیچے رکھے ہوئے سو رہے ہیں۔ اس عجمی نے اپنے دل میں خیال کیا کہ سارے جہان میں اس شخص کی وجہ سے فتنہ برپا ہے۔ اس کا قتل کرنا تو بہت آسان ہے۔ یہ خیال کر کے اُس نے تلوار نکال لی۔ فوراً دو شیر ظاہر ہوئے اور اس عجمی کی طرف لپکے۔ عجمی فریاد کرنے لگا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جاگ اُٹھے۔ اس نے سارا واقعہ بیان کیا اور مسلمان ہو گیا۔

ف : حضرت حاجی امداد اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ وہ سوال و جواب جو سفیر کے دل سے محو ہو گئے اس سے وہ سوال و جواب مراد ہیں جو اہل عقل روح کے متعلق بیان کرتے ہیں کہ اسے بدن سے کس طرح کا تعلق ہے اور فرمایا یہی معنی لینا متبدل ہے۔

marfat.com

۴۵ اصل را دریافت بگذشت از فروع
بہر حکمت کرد در پرسش شروع

۴۶ گفت با عمر چہ حکمت بود سر
حبس آں صافی دریں جائے کدر

۴۵۔ ترجمہ: وہ سفیر اصل سے گزر کر اصل تک پہنچ گیا تو حکمت کے متعلق سوالات شروع کر دیئے۔

رابط: پہلے رسول روم کا سوال سبب تعلق روح بدن کے تعین کی طلب میں تھا۔ جس سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے جواب سے تسلی پائی۔ اب تعین حکمت کا استفسار کیا۔

نکتہ: اصل صیغہ واحد ہے اور فروع صیغہ جمع۔ چونکہ مولانا علیہ الرحمۃ نے اس باریکی سے مرتبہ احدیت اور مرتبہ کثرت کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اس لیے احدیت کے لیے اصل اور کثرت کے واسطے فروع لائے۔

شرح: شعر کا مطلب یہ ہے کہ رسول قیصر روم اصل شے یعنی حقیقت احدیت اور روح کو معلوم کرنے کے سبب فروعات سے تجاوز کر کے اصل پر جا پہنچا مگر پھر اس نے روح کے جسم سے متعلق ہونے کی حکمت اور اس کے منفعت کا سوال اس لیے کیا کہ خاص حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زبان سے استفادہ کرے۔ ورنہ اس کو سوال کی حاجت نہ تھی۔ کیونکہ وہ مکشوف الحال ہو چکا تھا لیکن یہ سوال اس بات کی شہادت ہے کہ کامل کو اکمل سے ضرور کچھ نہ کچھ روحانی علم کی بابت تحقیق کرنا اور اس سے فائدہ اٹھانا چاہیئے۔

۴۶۔ ترجمہ: عمر سے کہا کہ اس میں کیا حکمت اور راز تھا کہ اس صاف چیز کا زندان مکدر میں رہنا مقدر ہوا۔

(بقیہ برصفحہ آئندہ)

marfat.com

آب صافی در گلے پنہاں شدہ
۴۷ جان صافی بستۂ ابدان شدہ

فائدہ فرما کہ ایں حکمت چہ بود
۴۸ مرغ را اندر قفس کردن چہ سود

گفت تو بحث شگرفی میکنی
۴۹ معنی را بند حرفی میکنی

صفحہ گذشتہ سے: **حل لغات**: ببر بالکسر راز۔ کدر بفتح اوّل و بکسر ثانی گدلا اور میلا کچیلا۔ (غیاث) آب صافی سے مراد روح اور جائے کدر سے جسم مراد ہے۔

شرح: اس سے پہلے سفیر روم نے روح کے بدن میں آنے کا سبب پوچھا تھا۔ اب اس کی حکمت اور فائدہ دریافت کرنا چاہتے ہیں۔

۴۷۔ ترجمہ:

صاف پانی مٹی میں چھپا ہے۔ پرندے کو پنجرے میں پوشیدہ کرنے کا کیا فائدہ۔

۴۸۔ ترجمہ: یہ فائدہ تو بتلایئے کہ اس میں کیا حکمت تھی۔ مرغ کو قفس میں بند کرنے سے کیا سود۔

۴۹۔ ترجمہ: فرمایا کہ تیری بحث عجیب ہے۔ تو معنی کو حرف کی قید میں کرتا ہے۔

حل لغات: شگرف بکسر اوّل و فتح دوم بزرگ و نیکوکار و محتشم و قوی و زیبا و سطبر و باشکوہ (امداد)

شرح: یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قاصد سے فرمایا کہ تیری یہ بحث نہایت عجیب و غریب ہے تو معنی کو حرف میں قید کرنا چاہتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ روح کی معنوی بحث نہایت مشکل ہے جو حرف و بیان کے احاطہ میں نہیں آسکتی۔ لیکن اس سے یہ سمجھنا کہ (معاذ اللہ) حضور سرور کونین

marfat.com

حبس کردی معنے آزاد را
۵۰ ——— بند حرفے کردۂ تو باد را

از برائے فائدہ ایں کردہ
۵۱ ——— تو کہ خود از فائدہ در پردۂ

صفحہ گذشتہ سے : صلی اللہ علیہ وسلم بھی روح کی حقیقت سے بے خبر ہیں۔ حماقت ہے جیسا کہ ہمارے دور کے معتزلہ نے کہا ہے۔ حالانکہ ہمارے اکابرو مشائخ کرام نے تصریحات فرمائی ہیں کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو روح کی حقیقت کا علم تھا۔ لیکن اس کے اظہار سے آپ کو من جانب اللہ ممانعت تھی۔ فقیر غفرلہٗ نے اس پر ایک رسالہ لکھا ہے۔

۵۰ - ترجمہ : آزاد معنی کو تم نے قید کر دیا۔ تم نے تو حرف کو ہوا سے مقید کر دیا۔

۵۱ - ترجمہ : تم نے اسے کسی فائدہ کے لیے ایسے کیا ہے لیکن تاحال تم خود فائدے سے بے خبر ہو۔

شرح : ان اشعار کی دو تقریریں ہو سکتی ہیں :

ا - رسول قیصر روم کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ جواب دیا کہ اے شخص تو روح کے متعلق نہایت باریک سوال کرتا ہے۔ روح کی کیفیت اور حقیقت کا اظہار شرعاً ممنوع ہے چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی مجملاً یہی جواب دیا تھا جو قرآن مجید میں موجود ہے کہ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ - روح میرے رب کا ایک حکم ہے۔ اے رسول قیصر تو نہایت باریک معنی (کیفیت روح) کو قید الفاظ و بیان میں لانا چاہتا ہے اور تجھے یہ منظور ہے کہ ہوا یا معنی مراد جواب تک قید

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

marfat.com

صفحہ گذشتہ سے: حروف میں نہیں آئے مقید ہو جائیں۔ حالانکہ یہ ناممکن ہے۔ یعنی کیفیت روح کسی طرح بیان نہیں ہوسکتی۔ اے رسول قیصر تونے روح کے متعلق سوال کسی فائدہ کے لیے کیا ہے۔ اسی سے تیرا جواب نکلتا ہے۔ کیونکہ جب تیرا سوال فعل بشر ہو کر فائدہ سے خالی نہیں تو روح کا جسم میں آنا جو فعل الہٰی ہے کیونکر فائدہ سے خالی ہوگا۔

۲۔ سائل نے فائدہ روح کے متعلق سوال کیا تھا۔ حضرت عمرؓ نے کیفیت اور منفعت روح کا ذکر تو ممانعت شرعیہ کے سبب نہیں کیا۔ مگر ایک مثال کی صورت میں سائل کو شافی جواب دے دیا یعنی اے رسول قیصر روح کے فائدے کی یہ مثال سمجھ کہ مثلاً تو کسی سے بحث کرتا ہے اور اپنا مدعا ثابت کرنے کے لیے نہایت باریک نکتوں اور دقیق معنوں کو قید الفاظ میں لاتا ہے تو یہ اسی لیے ہے نا۔ کہ اپنے کلام سے سننے والوں کو فائدہ پہنچائے۔ بس تو جب تیرا معانی کو قید الفاظ میں لانا فائدہ سے خالی نہیں تو اللہ تعالیٰ کا روح کو قید بدن میں لانا کیونکر فائدہ سے خالی ٹھہر سکتا ہے۔ مگر افسوس تو اس فائدہ سے در پردہ یعنی بے خبر اور غافل ہے۔ جب تک کشف نہ ہو روح کی کیفیت اور اس کے فائدے معلوم نہیں ہو سکتے اور وہ اللہ والوں کی صحبت اور ان کی خدمت اور پھر نفس مجاہدہ و ریاضت میں ڈالنے کے بعد کشف و کرامت کے طور کچھ معلومات حاصل ہوسکتی ہیں لیکن وہ اصل مقصد سے کوسوں دور ہے۔ اسی لیے کہ اللہ والوں سے استفادہ و استفاضہ کا مقصد کشف حقیقت ارواح نہیں بلکہ طلب رضائے حق ہے پھر اتباعاً یہ علوم حاصل ہو ہی جاتے ہیں۔

marfat.com

۵۲— آنکہ ازوے فائدہ زائیدہ شد
چوں نہ بیند آنچہ مارا دیدہ شد

۵۳— صد ہزاراں فائدہ ست و ہر یکے
صد ہزاراں پیش آں یک اندکے

۵۲۔ ترجمہ : وہ جس سے کہ فائدہ پیدا ہوتا ہے۔ کیونکہ نہ دیکھے جب کہ ہم کو دکھائی دینے لگا۔
شرح : یعنی اللہ تعالیٰ جو ہر قسم کے فائدوں کے کرنے والا ہے وہ اس فائدہ کو کیوں نہ دیکھے گا جو ہم کو نظر آرہا ہے۔

خلاصہ مطلب یہ ہے کہ جب حرف و معنی کے تعلق میں سراسر فائدہ دیکھ رہے ہیں تو کیا روح و جسم کے تعلق کا کوئی فائدہ نہ دیکھا ہوگا۔

۵۳۔ ترجمہ :
ہر ایک میں لاکھوں فائدے ہیں اور لاکھوں فوائد بھی اس ایک کے سامنے ہیچ ہیں۔

شرح :
یعنی الفاظ و معانی کے ایک تعلق میں لاکھوں فائدے بھرے پڑے ہیں لیکن وہ لاکھوں فائدے جسم کے تعلق کے فائدے کے آگے ہیچ ہیں۔

marfat.com

آں دم لطفش کہ جان جانہاست
۵۴ ——
چوں بود خالی ز معنی گوئی راست

آں دم نطقت کہ جزو جزو ہاست
۵۵ ——
فائدہ شد کل و کل خالی چراست

۵۴۔ ترجمہ : وہ دم نطق اس کا کہ جان جانوں کا ہے۔ تو ہی سچ کہہ دے کہ معنوں سے کس طرح خالی ہو سکتا ہے۔

شرح : دم نطق سے روح اور پہلے لفظ جان سے امر ربی اور دوسرے سے خود اللہ تعالیٰ مراد ہے اور دم نطق کی اضافت سببی ہے کیونکہ سانس ہی کے سبب آدمی بول سکتا ہے اور لئے ہی کو روح کہتے ہیں اور چونکہ یہ ہی دم نطق نفخت فیہ من روحی کا مصداق ہے۔ اس لیے نطقش میں شین کی ضمیر کی اضافت کی طرف ہے اور مطلب شعر کا یہ ہے کہ جب الفاظ و معانی کا تعلق فائدہ سے خالی نہیں تو جسم سے

marfat.com

تو کہ جزو کار تو با فائدہ است
۵۶ — پس چرا طعن کل آری تو دست

۵۶۔ ترجمہ : وہ تیرا دمِ نطق کہ جزوں کا جزو ہے۔
کل فائدہ مند ہے تو کل کس طرح فائدہ سے خالی ہوگا۔

شرح : اس شعر میں چونکہ دمِ نطق مخاطب کی طرف مضاف ہے۔ اس لیے اس سے سانس سے مراد ہے۔ کیونکہ آدمی سانس ہی کی مدد سے بول سکتا ہے اور سانس سینہ، پھیپھڑہ اور گلے کا ایک جزو ہے اور یہ تمام چیزیں جزو انسان ہیں۔ اس لیے مطلب یہ ہے کہ اے مخاطب جبکہ تیرا سانس جو تیرے اعضا کا ایک جزو ہے۔ سراسر فائدہ مند ہے تو کل یعنی روح کس طرح فائدہ سے خالی ہو سکتی ہے۔

روح کو کل کہنے کی وجوہات

۱۔ روح کو کل اس لیے کہا گیا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا خاص امر ہے جو محیط کل اور خالق کل ہے اور جس نے روحِ آدم کو اپنی روح کہا ہے۔
۲۔ چونکہ روح جسم کے ذرّے ذرّے میں سرایت کیے ہوئے ہے۔ اسی معنی پر یہ کل ہے اور جسم کے جملہ اعضاء اس کے اجزاء ہیں۔
۳۔ جسم کے ہر ذرہ کا موثر ہے۔ اس معنی پر جسم کامل ہوا۔
۴۔ انسان کو کل کائنات کا نمونہ کہا جا سکتا ہے۔ اسی لیے اس کا نام عالم صغیر ہے اور اسی عالم صغیر کی جان روح ہے۔ اسی بنا پر یہ کل کہلانے کا مستحق ہے۔

marfat.com

گفت را گر فائدہ نبود مگو
۵۷ —— در بود ہل اعتراض و شکر گو

شکر حق چوں طوق ہر گردن بود
۵۸ —— نے جدال ورو ترش کردن بود

۵۷۔ ترجمہ : گفتگو کا اگر کوئی فائدہ نہیں تو مت بولیے۔ اگر کوئی فائدہ ہے تو اعتراض کو چھوڑ کر شکر الٰہی بجا لایئے۔

حل لغات : گفت ماضی بمعنی حاصل مصدر ہے یعنی گفتگو اور ہل امر از ہیدن بمعنی ہشتن یعنی چھوڑنا۔

شرح : چونکہ روح کا سمجھنا ایک معمولی امر نہیں ہے بلکہ دقیق ترین مسئلہ ہے۔ اسی لیے اگر سمجھ نہ آئے تو اعتراض بھی نہ کر۔ اسی لیے مولانا روم نے فرمایا : شکر الٰہی گویا مخلوقات کی گردن کا طوق ہے جس سے کوئی متنفس عہدہ برآ نہیں ہو سکتا۔ اس کی نعمتیں بے شمار ہیں۔ چنانچہ روحانی اسرار کا سمجھنا اور نافہمی کی حالت میں اعتراض نہ کرنا بھی ایک بڑی نعمت ہے۔

۵۸۔ ترجمہ : شکر حق ہر گردن میں طوق کی مانند ہے۔ یہ نہ کوئی جھگڑے کی بات ہے اور نہ ترش روئی کی۔

شرح : یعنی اگر روح کے متعلق گفتگو میں کچھ فائدہ نہیں تو ایسی گفتگو ہی نہ کر اور اگر فائدہ ہے یعنی تو روحانی فائدوں کو سمجھ سکتا ہے تو اعتراض کو چھوڑ اور خدا کا شکر کر کہ اس نے تجھے اسرار سمجھنے کی طاقت دی۔ ورنہ بہت سے دانشور اور فلاسفر اس کی بحث اور جنگ و جدل میں پڑ کر اپنا انجام برباد کر گئے اور کر رہے ہیں۔

marfat.com

۵۹— گر ترش رو بودن آمد شکر و بس
ہمچو سرکہ شکر گوئے نیست کس

۶۰— سرکہ را گر راہ باید در جگر
گو برو سرکنگبیں شو از شکر

۵۹۔ ترجمہ : اگر ترش روئی کا نام شکر ہے تو سرکہ کو شکر کہنا موزوں ہے کیونکہ اس جیسی ترش اور کوئی شے نہیں۔

شرح : یعنی اگر کیفیت روحانی اور اسرار ربانی پر نافہمی کے سبب اعتراض کرنے کا نام شکر ہے تو سرکہ یعنی کافروں اور ملحدوں سے زیادہ کوئی شکر گزار نہیں ہو سکتا جو خدا کی ہر بات پر معترض ہیں۔

۶۰۔ ترجمہ : سرکہ کو اگر جگر میں جانے کا ارادہ ہو تو اسے چاہیئے کہ پہلے سکنجبین بنے پھر جگر میں جائے۔

شرح : یعنی اگر سرکہ یہ چاہتا ہے کہ میں جگر میں چلا جاؤں اور مجھے کوئی پسند کر لے تو اس سے کہہ دو کہ شکر کی صحبت سے سکنجبین بن جا۔ مطلب یہ کہ ترش رو اور معترض اگر احوال باطن اور کیفیت روح معلوم کرنا چاہتا ہے تو اس سے کہہ دو کہ حلاوت طاعت الٰہی اور کسی مرشد کامل سے ہم صحبت رہ۔ یہ مسئلہ تمثیل سے سمجھایا ہے تاکہ اس کو پورے طور سمجھا جا سکے۔

marfat.com

معنی اندر شعر جز با خبط نیست
۶۱ —— چوں فلاسنگ است آں را ضبط نیست

۶۱۔ س لغات : فلا بمعنی بیاباں ہے یا فلاسنگ مخفف فلاخن سنگ ہے اور دونوں حالتوں میں فلاسنگ کی اضافت مقلوبی ہے۔

شرح : یعنی نظم میں بیان اسرار ایسا ہے جیسا بیاباں میں پتھر یا سنگ فلاخن کہ ہر وقت نشانہ پر نہیں جاتا۔ اسی طرح اشعار میں اظہار اسرار بسا اوقات مدعا کے موافق نہیں ہوتا گویا مولانا عذر فرما رہے ہیں کہ میں اسرار کے منظوم کرنے پر ایسا قادر نہیں ہوں جیسا کہ جی چاہتا ہے اس لیے سالک کو مثنوی ہی پر اکتفا نہ کرنا چاہیئے بلکہ اس کا فرض ہے کہ اہل تصوف کی صحبت میں بیٹھ کر علم اسرار حاصل کرے۔ چنانچہ اسی مناسبت سے حدیث رکھی ہے :

در بیانِ حدیث

من اراد ان یجلس
مع اللہ فیجلس
مع اہل التصوف۔

حدیث اس بیان میں کہ جو شخص چاہتا ہے کہ میں خدا کے پاس بیٹھوں اس کو چاہیئے کہ وہ اہل تصوف کی صحبت میں بیٹھے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ صوفی متخلق باخلاق اللہ ہوتے ہیں۔ ان کی صحبت میں بیٹھ کر اسرار معرفت معلوم ہو جاتے ہیں ان کا فیض اس میں آئیگا جس سے روح فیضیاب ہوا کرتی ہے۔

marfat.com

آں رسول اینجا رسید و شاہ شد
۶۲۔
والہ اندر قدرت اللہ شد

آں رسول از خود بشد زیں یک دو جام
۶۳۔
نے رسالت یاد ماندش نے پیام

۶۲۔ ترجمہ :
وہ قاصد یہاں پہنچ کر بادشاہ ہوا۔ کیونکہ اللہ کی قدرت کا عاشق بن گیا تھا ۔

شرح :
لفظ 'اینجا' سے مراد صحبت عمر رضی اللہ عنہ اور شاہ سے عارف باللہ ہے ۔ والہ بمعنی شیفتہ و سرگشتہ عشق محبت یعنی رسول قیصر روم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی صحبت میں تھوڑی دیر رہ کر عارف کامل اور عشق الٰہی سے مست ہو گیا ۔

۶۳۔ ترجمہ :
وہ قاصد ان دو ایک جاموں سے از خود رفتہ ہو گیا۔ نہ اس کو رسالت یاد رہی نہ پیام ۔

شرح :
یعنی روم کا قاصد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دست مبارک سے شراب معرفت کے دو ایک جام پی کر ایسا از خود رفتہ ہو گیا کہ نہ تو اس کو نامہ بری یاد رہی اور نہ پیام سلام غرضیکہ جس کام کے لیے وہ آیا تھا۔ اس کو بالکل بھول گیا ۔

marfat.com

سیل چوں آمد بدریا محو گشت
۶۴ــــــــــــــــ
ابر مغ پیش تیغے شمسی صحو گشت

سیل چوں آمد بدریا بحر گشت
۶۵ــــــــــــــــ
دانہ چوں آمد بمزرع گشت کشت

۶۴۔ ترجمہ : رو جب دریا میں آئی تو فنا ہو گئی ۔ ابر تیغ شمس کے آگے روشن ہو گیا۔

شرح : قاعدہ ہے کہ جب سیل کسی بڑے دریا میں ملتی ہے تو دریا ہی ہو جاتی ہے اور اس کا کوئی وجود باقی نہیں رہتا ۔ اسی طرح رسول قیصر روم جو سیل کی مانند دریائے حقیقت یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا تھا ۔ دریا سے مل کر فنا ہو گیا ۔ چونکہ آفتاب کی تلوار سے ابر پھٹ جاتا ہے اور روشنی نمودار ہو جاتی ہے ۔ پس گویا آفتاب معرفت یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس (قاصد) کی ظلمت جسمانی کو دور کر کے قلب کو روشن کر دیا۔

۶۵۔ ترجمہ : سیل جب دریا میں گئی دریا ہی ہوئی ۔ دانہ جب کھیت میں پہنچا فصل ہو گیا ۔ دوسرے مصرعہ میں کشت بکاف عربی بمعنی کھیت ہے ۔ ورنہ دونوں مصرعوں میں گشت پڑھا جائے تو قافیہ نادرست ہو گا ۔ دانہ کھیت میں جا کر خود کھیت بن جاتا ہے ۔ یعنی ایک دانہ سے بہت سے دانے ہو جاتے ہیں ۔ اس طرح آدمی اہل تصوف سے ملکر بہرہ ور ہو جاتا ہے ۔

marfat.com

چوں تعلق یافت نان با بوالبشر
۶۶ —— نان مردہ زندہ گشت و باخبر

موم و ہیزم چوں درائے نار شد
۶۷ —— ذات ظلمانی او انوار شد

۶۶۔ ترجمہ و تشریح :

یعنی روٹی باوجودیکہ ایک مردہ چیز تھی مگر جب اس کو حضرت آدم یا ان کی اولاد نے کھالیا تو جزو بدن ہوگئی۔ یہ آدم علیہ السلام کی صحبت کا اثر ہے اسی طرح اہل اللہ کی صحبت میں بیٹھ کر آدمی روحانی زندگی حاصل کر لیتا ہے۔

۶۷۔ ترجمہ :

موم اور لکڑی جب آگ کے پاس پہنچے تو ان کی تاریک ذات روشن ہوگئی۔

حل لغات :

لفظ درا بمعنی جانب اور انوار سے صاحب انوار یا منور مراد ہے اور یہ قاعدہ ہے کہ موم کو آگ پر رکھ کر میل کچیل سے صاف کیا کرتے ہیں۔

شرح :

موم اور لکڑی جو کثیف اور ظلمانی چیزیں ہیں۔ آگ کی صحبت سے صاف اور روشن ہو جاتی ہیں۔ اسی طرح اہل اللہ کی صحبت انسان کی جسمانی کثافتوں کو دور کر دیتی ہے۔

marfat.com

۶۸ —— سنگ سرمہ چونکہ شد در دیدگان
گشت بینا و شد آنجا دیدبان

۶۸- ترجمہ : سرمہ کا پتھر جب آنکھوں میں پہنچا تو اس جگہ پہنچ کر بینا اور صاحب دید ہو گیا۔

حل لغات : دیدبان بمعنی صاحب دید - چنانچہ فیل بان و شتربان نیز دیدبان اس شخص کو بھی کہتے ہیں جو کسی بلندی پر بیٹھ کر دُور دُور کی چیزوں کو دیکھتا رہے و بمعنی جاسوس یعنی سنگ سرمہ باوجودیکہ پتھر تھا مگر جب پس کر آنکھوں میں گیا تو خود بینا اور صاحب دید بن گیا یعنی باعث بینائی چشم اور جزو بصارت بن گیا۔

حدیث شریف میں ہے :

اے لوگو! تم اس سرمہ لگانے کو اپنے اوپر لازم کر لو۔ کیونکہ یہ پلکوں کو اُگاتا ہے اور بصارت کو تیز کرتا ہے۔

بعض نسخوں میں دوسرا مصرعہ اس طرح دیکھا گیا ہے : ؎

سنگ بینائی شد اینجا دیدبان

اس صورت میں اگر سنگ بینائی بلا اضافت ہے تو یہ معنی ہیں کہ :

اے صاحب دید آنکھوں میں آکر پتھر جزو بینائی بن گیا ہے اور اگر مع الاضافت ہے تو سنگِ بینائی بمعنی سنگ سرمہ ہے یعنی آنکھوں میں آکر سنگ سرمہ صاحب دید اور جزو بصارت بن گیا۔

یہ پانچوں شعر اس بات کی تمثیل ہیں کہ اہل اللہ کی صحبت سے ظلمات جسمانی انوار روحانی سے بدل جاتے ہیں۔ پانچوں شعروں کی تمثیل کو مضمون صحبت اہل اللہ پر مطابق کر لیجئے۔

marfat.com

اے خنک آں مردہ کہ خود رستہ شد

۶۹ ——— در وجود زندۂ پیوستہ شد

وائے زندہ کہ با مردہ نشست

۷۰ ——— مردہ گشت و زندہ از وے بجست

---

۶۹ - ترجمہ : کیا اچھا وہ مردہ ہے جو اپنے آپ سے چھوٹ کر کسی زندہ کے وجود میں مل گیا -

حل لغات : مردہ سے اہل منفعت اور زندہ سے اہل اللہ مراد ہیں -

شرح : یعنی بڑا خوش نصیب ہے وہ شخص جو اولیاء اللہ کی صحبت میں بیٹھ کر اپنے آپ کو فنا فی اللہ کر دیتا ہے - بعض نسخوں میں لفظ مرد ہے لیکن صحیح لفظ مردہ ہے -

۷۰ - ترجمہ : اس زندہ پر افسوس ہے کہ جو مردہ کی صحبت میں بیٹھا - کیونکہ وہ مردہ ہو گیا اور زندگی اس سے گئی گذری ہو گئی -

شرح : یہ اشعار اس بات کی مثال ہیں کہ جس طرح مردہ اشیاء زندوں سے متعلق ہو کر زندہ ہو جاتی ہیں - اسی طرح زندہ چیزیں بھی مردوں کی صحبت میں رہ کر مردہ ہی ہو جائیں گی - کیونکہ صحبت اپنا اچھا یا برا اثر ڈالے بغیر نہیں رہ سکتی - شعر کا مقصد یہ ہے کہ جو انسان غافلوں اور مردہ دلوں کی صحبت میں بیٹھا وہ مردہ ہو گیا - گویا جیتے جی مر گیا - اہل غفلت اور اہل دنیا کی صحبت میں بیٹھنا اس حدیث کی رو سے منع ہے :

فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مردوں کے پاس بیٹھنے سے پرہیز رکھو - صحابہ نے دریافت کیا کہ مورے کون ہیں - آپ نے فرمایا کہ غافل دولتمند یا اہل دنیا مردے

(بقیہ بر صفحہ آئندہ)

marfat.com

۷۱ — چوں تو در قرآن بگیر بگنتی
با رواں انبیاء آمیختی

۷۲ — ہست قرآن حالہائے انبیاء
ماہیان بحر پاک کبریا

صفحہ گذشتہ سے : ہیں۔ ان کی صحبت سے بچنا چاہیئے۔ اسی لیے مولانا نے فرمایا ہے : ؎

اہل دنیا چہ کہین و چہ مہین لعنۃ اللہ علیہم اجمعین

اور دنیا سے کیا مراد ہے اس کی تشریح بھی خود فرمائی کہ : ؎

چیست دنیا از خدا غافل شدن نے قماش و دولت و دنیا و زن

۷۱۔ ترجمہ : جبکہ تو کلام الٰہی میں پکڑ لگاوے تو انبیاء کی روح سے جا ملے۔

شرح : مولانا رحمت اللہ علیہ کا مطلب ان اشعار سے یہ ہے کہ آدمی کو اہل تصوّف کی صحبت میں بیٹھنا چاہیئے اور اگر ایسے لوگ اس سے نہ مل سکیں تو قرآن مجید کی تلاوت کیا کریں۔ پس شعر کا مطلب یہ ہے کہ اے مخاطب ! اگر تجھ کو اہل اللہ کی صحبت نہ مل سکے تو تنہا بیٹھ کر قرآن شریف پڑھا کر۔ کیونکہ کلام اللہ کا پڑھنا انبیاء کی ارواح پاک سے ملاقات کرنے کی مانند ہے اور سارے انبیاء، عارف کامل گزرے ہیں۔ اس واسطے کہ :

۷۲۔ ترجمہ : قرآن تمام انبیاء کا حال ہے جو کہ حق تعالیٰ کے پاک سمندر کی مچھلیاں ہیں۔

شرح : یعنی کلام پاک میں تمام انبیاء علیہم السلام کے احوال موجود ہیں جو مچھلیوں کی طرح دریائے معرفت ربانی میں تیر رہے ہیں کیونکہ انبیاء بعد وصال عالم عقبیٰ میں دریائے معرفت الٰہی کی مچھلیاں ہو جاتے ہیں۔ پس جس طرح دریا کے حالات سے مچھلیاں واقف ہوتی ہیں اسی طرح راز دریائے ربانی سے یہ بھی واقف ہیں

marfat.com

در نخوانی و نہ قرآن پذیر
۷۳ ———— انبیاء و اولیاء را دیدہ گیر

در پذیرائی چو بر خوانی قصص
۷۴ ———— مرغ جانت تنگ آید در قفص

۷۳ ۔ ترجمہ : اگر تو قرآن کو پڑھتا ہے اور زیارت تو ہے ۔
شرح : یعنی اگر تو قرآن مجید کے لفظ ۔ الفاظ پڑھتا ہے اور اس سے نصیحت حاصل نہیں کرتا یا اس کے اسرار و معانی سے ناواقف ہے تو یہ سمجھ کہ گویا تو نے دور سے اولیاء و انبیاء کی زیارت کر لی ہے ۔ گو ان سے تعارف نہیں ہوا ۔ مطلب یہ ہے کہ گو قرآن مجید کے الفاظ پڑھنے سے کوئی زبردست روحانی فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا ۔ تاہم اس کی تلاوت فائدہ سے خالی نہیں ۔
ف : کسی کتاب کا بغیر سمجھے پڑھنا بالکل غیر مفید اور تضیع اوقات ہے ۔ مگر قرآن شریف ایسی کتاب ہے کہ اسے کوئی سمجھ کر پڑھے یا صرف لفظوں کی تلاوت کر کے کسی حال میں ثواب سے محروم نہ رہے گا ۔
۷۴ ۔ ترجمہ : اگر تو سمجھ کے ساتھ قرآنی قصے پڑھے گا تو تیرا مرغ روح جسم کے پنجرے سے تنگ ہو جائے گا ۔
شرح : قصص سے انبیاء کے وہ قصے مراد ہیں جو قرآن مجید میں مذکور ہیں ۔ اے مخاطب ان کے پڑھنے سے تیرا مرغ روحِ قفس جسم میں تنگ آ کر عالم ملکوت کی طرف اڑ جائے گا ۔

(بقیہ بر صفحہ آئندہ)

marfat.com

مرغ کو اندر قفس زندانیست
۷۵ــــــــــ
می نخوید رستن از نادانی است

روحہائے کز قفسہا رستہ اند
۷۶ــــــــــ
انبیاء ورہبر شائستہ اند

بقیہ صفحہ گذشتہ سے: **فائدہ** : ملکوت بمعنی بادشاہی اور صوفیوں کے نزدیک بمعنی عالم ارواح اور عالم رفتگان و عالم غیب وناسوت بمعنی عالم اجسام و عالم دنیا و بمعنی شریعت وعبادت ظاہری و لاہوت بمعنی عالم الٰہی ۔ اس مقام میں سالک کو مرتبۂ فنافی اللہ حاصل ہوجاتا ہے ۔ لاہوت دراصل لاالہ الا ہو تھا آخر میں تاء منقوطہ بڑھائی گئی اور بیچ میں سے چند حرف گھٹائے گئے ۔تاکہ نامحرم اسرار اس لفظ کے معنی نہ سمجھ سکیں ۔ بعض کے نزدیک اس کی اصل لا ہو الا ہو ہے ۔ یعنی تجلی صفات کوئی چیز نہیں ۔ مگر ہاں تجلی ذات وجبروت بمعنی عظمت وبزرگی وتکبر اور اصطلاح صوفیہ میں عالم عظمت الٰہی و عالم جلال اسماء صفات و مرتبۂ وحدت ۔

۷۵ ۔ **ترجمہ** : وہ پرندہ جوکہ پنجرے میں محبوس ہے اگر اس میں سے وہ نکلنا چاہے نوجوان تو وہ نادان ہے ۔

شرح : یعنی اس عالم ارواح سے کہ جو عالم دنیا سے بیرون ہے ۔ انبیاء و اولیاء کی آوازیں اس عالم دنیا پر آتی ہیں اور ان آوازوں کا مضمون یہ ہے کہ نجات پانے کا راستہ یہی ہے جو ہم نے اختیار کیا ہے ۔ (یعنی قید جسم سے رہا ہونا ، اے شخص اگر تجھے بھی نجات مطلوب ہے تو ہماری اتباع کر ۔ قید جسم سے رہائی پاکر واصل ہوجائے گا ۔

۷۶ ۔ **ترجمہ** : وہ روحیں جو اس پنجرے سے نجات پاگئیں وہ انبیاء اور اولیاء اور ہمارے رہبروں کی روحیں ہیں ۔

marfat.com

۷۷ـــــــ از بروں آواز شان آید بریں
که رهِ رستن ترا نیست ایں

۷۸ـــــــ ما بدیں رستیم زیں تنگیِ قفس
غیر ایں رہ نیست چاره ایں نفس

۷۷۔ ترجمہ : ان سے اس طرح بار بار آواز آتی ہے کہ نجات کا صرف یہی راستہ ہے۔

۷۸۔ ترجمہ : ہم اسی ترکیب سے اس تنگ نفس سے چھوٹے۔ سوائے اس راہ کے کوئی چارہ اس پنجرے سے رہائی کا نہیں۔

شرح : یہ شعر بھی اولیاء انبیاء کی آواز کا تتمہ ہے اور تنگی قفس سے ظلمت جسمانی مراد ہے اور ایں کا یہ مطلب ہے کہ بجز ترک صحبت اہل دنیا قفس جسم سے نجات پانے کا علاج نہیں۔

marfat.com

خویش را رنجور سازد زار زار
۷۹ ———— تا ترا بیروں کند از اشتہار

اشتہار خلق بند محکم است
۸۰ ———— در رہ ایں از بند آہن کے کم است

---

۷۹ ۔ ترجمہ : اپنے کو غمگین اور زار خستہ بنا تاکہ تجھ کو شہرت سے باہر کر دیں ۔

شرح : یعنی نجات پانے کا سب سے اچھا طریقہ اہل تصوف کی صحبت میں بیٹھنا ہے ۔ اگر یہ میسر نہ ہو تو سمجھ کر کلام پاک پڑھنا ۔ یہ بھی حاصل نہ ہو تو نبیوں کے اقوال واحادیث اور اولیاء اللہ کے ملفوظات کو دیکھنا یا سننا ۔ اور اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو اے مخاطب

اپنی حالت پر گریہ وزاری کر ۔ اس ترکیب سے تیری شہرت جاتی رہیگی لوگ معیوب اور غمگین سمجھ کر تیری طرف بہت کم متوجہ ہوں گے ۔ اور شہرت سے بچنا اس لیے لازم ہے کہ آدمی مشہور ہو کر مرجع خلائق بن جاتا ہے ۔ اور اسے اہل دنیا اور مالداروں سے زیادہ صحبت رکھنا پڑتی ہے اور یہ پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ مردوں کی صحبت زندوں کو مردہ بنا دیتی ہے ۔ پس اسی اعتبار سے مردوں کی صحبت سے اپنے آپ کو مردہ نہ بنانا چاہیئے ۔

۸۰ ۔ ترجمہ :

دنیا کی شہرت ایک مضبوط قید ہے ۔ اس راہ میں لوہے کی بیڑیوں سے کم نہیں ۔

شرح :

یعنی خلقت میں مشہور رہنا لوہے کی ایک مضبوط زنجیر ہے جو سالک کو قید جہنم سے ہرگز رہائی پانے نہیں دیتی ۔

marfat.com

۸۱ — یک حکایت بشنو اے زیبا رفیق
تا بدانی شرط ایں بحرِ عمیق

۸۲ — بشنو اکنوں داستانے در مثال
تا شوی واقف بر اسرار مقال

---

۸۱ - ترجمہ : اے میرے رفیق ایک حکایت سن تاکہ تو اس بحرِ عمیق کی بادِ موافق کو سمجھ سکے۔

شرح : شرط بفتح شین - یعنی بادِ موافق یا بادِ مراد جس سے جہاز منزل مقصود کی طرف چل سکے - مولانا روم فرماتے ہیں کہ اے دوست ہم ذیل میں ایک حکایت تمثیلاً بیان کرتے ہیں۔ جس سے تجھ کو اس بحرِ عمیق درراہ سلوک کا راستہ مل جائے گا۔

۸۲ - ترجمہ : اے حسین دوست ایک حکایت سنیئے تاکہ تمہیں بحرِ عمیق بادِ موافق معلوم ہو۔

شرح : شرط بالفتح و موافق جس سے جہاز موافق مقصود دریاؤں میں چلتا ہے یعنی ہم تمثیلاً ایک حکایت بیان کرتے ہیں جس سے تجھ کو ایک بحرِ عمیق دراہ سلوک، عرفان) کی بادِ موافق کا حال معلوم ہو جائے گا اور یہ بات کہی جائے گی کہ ترک شہرت کے سبب ظلمت جسمانی سے نجات مل سکتی ہے۔ بادِ موافق سے وہ ترکیب مراد ہے جس پر عمل کرنے سے رہائی اور ہمیشہ کی زندگانی نصیب ہو اور جس کا ذکر طوطی کی حکایت میں آتا ہے۔

marfat.com

قصّہ بازرگان کہ بہندوستان بتجارت می رفت وپیغام

دادن طوطی محبوس بطوطیان ہندوستان قصّہ تاجر وطوطی

بود بازرگانے او را طوطئے

۸۳ در قفس محبوس زیبا طوطئے

چونکہ بازرگان سفر را ساز کرد

۸۴ سوئے ہندوستان شدن آغاز کرد

ترجمہ : ایک سوداگر کا تجارت کے لیے ہندوستان سے جانا اور اس کے طوطی سے

کا ہندوستانیوں کی سے طوطیوں سے کو پیغام دینا ۔

شرح : یہ حکایت مضمون گذشتہ کی توضیح اور اس شعر کی تمثیل ہے :

خویش را رنجور سازد زار زار

چنانچہ اس سوداگر کی طوطی نے ہند کی طوطیوں کی آواز سُن کر از راہ مکر اپنے آپ کو مردہ بنالیا اور قفس سے رہائی پائی - اسی طرح خدا کے باغ کی طوطیوں (انبیاء و اولیاء) کی آواز یعنی ان کے اقوال و احادیث سن کر سالک کو موت سے پہلے مرجانا چاہیے تاکہ قفس جسم سے رہائی پاکر عالم ملکوت تک رسائی ہو ۔

۸۳ - ترجمہ : ایک سوداگر تھا اور اس کی ایک طوطی پنجرے میں مقید تھی اور تھی وہ خوبصورت ۔

۸۴ - ترجمہ : جب سوداگر نے سفر تیار کر کے ہندوستان کی طرف روانگی کا ارادہ کیا ۔

marfat.com

ہر غلام و ہر کنیزک راز جود

۸۵ گفت بہر تو چہ آرم گوئی زود

ہر یکے از وے مراد بے خواست کرد

۸۶ جملہ را وعدہ بداد آں نیک مرد

گفت طوطی را چہ خواہی ارمغان

۸۷ کارمت از خطۂ ہندوستان

۸۵۔ ترجمہ : تو سخاوت کی وجہ سے ہر غلام اور لونڈی سے پوچھا کہ بتا و تمہارے لیے کیا لاؤں۔

شرح : چونکہ سوداگر ایک سخی طبیعت اور فیاض انسان تھا۔ اس نے اپنے تمام غلاموں اور کنیزوں سے علیحدہ علیحدہ دریافت کیا کہ تمہارے لیے ہندوستان سے کیا کیا تحائف لاؤں۔

۸۶۔ ترجمہ : ہر ایک نے اس سے مراد چاہی۔ اس نیک مرد نے تمام سے وعدہ کر لیا۔

شرح : یعنی تمام لونڈیوں غلاموں نے جو سوغات چاہی سوداگر نے ہندوستان سے اس کے لانے کا پختہ وعدہ کر لیا۔

۸۷۔ ترجمہ :

طوطی سے بھی پوچھا کہ تجھے کیا تحفہ چاہیئے۔ تاکہ میں تیرے لیے ہندوستان سے وہی تحفہ لاؤں۔

شرح : یعنی چونکہ طوطی بھی سوداگر کا نہایت محبوب اور مدت کا پلا ہوا جانور تھا۔ اس لیے اس کی خواہش کا بھی لحاظ رکھا۔

marfat.com

گفتش آں طوطی کہ آنجا طوطیان
۸۸ چوں بہ بینی کن زحال من بیان

کہ فلاں طوطی کہ مشتاق شماست
۸۹ از جفائے آسماں در حبس ماست

بر شما کرد او سلام داد خواست
۹۰ وز شما چارہ و رہ و ارشاد خواست

---

۸۸ ، ۸۹ ۔ ترجمہ : اس طوطی نے کہا کہ جب تو اس جگہ طوطیوں کو دیکھے تو ان سے میرا حال بیان کرنا کہ فلاں طوطی جو تمہارا مشتاق ہے جفائے آسمانی سے ہماری قید میں ہے ۔

شرح : چونکہ وطن سے دور قید میں اہل وطن کی یاد زیادہ ستاتی رہتی ہے ۔ اس لیے طوطی نے سوداگر سے اپنی آرزو صرف یہ بیان کی کہ میرا حال ہندوستان کی طوطیوں سے بیان کر دینا ۔ اور جو کچھ اس کا جواب دیں مجھے آکر سنا دینا ۔ بس یہی میرا تحفہ ہے ۔

۹۰ ۔ ترجمہ : اس نے تم کو سلام کہا ہے اور داد خواہ ہے اور تم سے چارہ جوئی اور راہ ارشاد طلب کی ہے ۔

شرح : یعنی اے میرے آقا تو ہندوستان کی طوطیوں سے اول میرا سلام کہنا اور بعد ازاں کہنا کہ فلاں طوطی جو ہندوستان ہی کا رہنے والا تھا اور تمہارا ہم جنس ہے ۔ تقدیر الہٰی سے ہمارے پنجرے میں مقید ہے ۔ تم سے داد چاہتا ہے ۔ تم اس کی مخلصی کی کوئی

(بقیہ بر صفحہ آئندہ)

marfat.com

گفت می شاید کہ من در اشتیاق
۹۱ — جان دہم اینجا بمیرم از فراق

ایں روا باشد کہ من در بند سخت
۹۲ — گہ شما بر سبزہ گاہے بر درخت

صفحہ گذشتہ سے ؛ تدبیر بتاؤ ۔ اور اس کی نجات کی بابت کچھ ہدایت کرو ۔ کیونکہ وہ تمہاری ملاقات کا خواہشمند ہے ۔ باعتبار معنوی طوطی سے روح اور قفس سے جسم خاکی مراد ہے پس جس طرح طوطی قید میں اپنے وطن سے دور اور دوست احباب کے فراق میں بیقرار تھی ۔ اسی طرح روح اپنی اصل سے دور اور جسم عنصری کی قید میں مضطرب ہے اور جلد اپنے ہم جنسوں میں پہنچنا چاہتی ہے ۔

۹۱ ۔ ترجمہ ؛ کہا کہ چاہیئے کہ میں تمہارے اشتیاق میں جان دوں اور اس جگہ جدائی سے تمام ہو جاؤں ۔

شرح ؛ یعنی طوطی نے کہا کہ اے سوداگر ان طوطیوں کو میری طرف سے یہ بھی کہنا کہ تم کو ایسا نہ چاہیئے کہ میں تو تمہارے اشتیاق میں جان دے دوں اور فراق میں مر جاؤں ۔ اور تمہیں خبر بھی نہ ہو ۔ یہ بات ہم وطنی اور ہم جنسی سے بعید ہے کہ مہجور کو یوں دل سے بھلا دیا جاوے اور اس کی خبر نہ لی جائے ۔

۹۲ ۔ ترجمہ ؛

یہ کیا جائز ہے کہ میں سخت قید میں رہوں اور تم کبھی سبزہ پر پھرو ۔ اور کبھی درخت پر بیٹھو ۔

marfat.com

۹۳ — ایں چنیں باشد وفائے دوستاں
من دریں حبس و شما در بوستاں

۹۴ — یاد آرید اے مہان زیں مرغ زار
یک صبوحی درمیان مرغزار

۹۳- ترجمہ: ایسے ہی دوستوں کی وفا ہوتی ہے کہ میں قید میں رہوں اور تم باغات میں۔
شرح: یعنی میری طرف سے یہ کہنا کہ اے ہندوستان کی طوطیو کیا تمہارے نزدیک یہ جائز ہے کہ میں قید میں رہوں اور تم سبزہ زار اور جنگلوں کی سیر کرتے پھرو۔ کیا وفاداری کے یہی معنے ہیں کہ میں قید میں رہوں اور تم بوستان میں۔ تمھیں انصاف کرو کہ وفاداری اسی کو کہتے ہیں۔

۹۴- ترجمہ: اے بزرگو اس عاجز کو ابھی جنگل میں ایک صبوحی سے یاد کرلیا کرو۔ پہلے مصرعہ میں مرغ علیحدہ اور زار علیحدہ ہے اور دوسرے میں مرغزار بمعنی جنگل۔ جنگل کا لفظ عام ہے مگر مرغزار ایسے جنگل کو کہا جاتا ہے جس میں گنجان درخت ہوں اور ان پر قسم قسم کے پرندے بیٹھیں۔ غیاث اللغات میں لکھا ہے کہ بفتح میم وسکون راء و غین معجمہ موقوف اس زمین کو کہتے ہیں جہاں سبزہ اگتا ہو۔ مرغ بالفتح ایک قسم کی گھاس ہے جسے دوب کہتے ہیں۔

صبوح وہ شراب ہے جو صبح کے وقت نوش کی جاتی ہے اور صبوحی بیائے مصدری صبح کے وقت شراب پینا۔ اس شعر میں صبوحی بیائے معروف اور مجہول دونوں طرح جائز ہے یا یہ معنی ہیں کہ کسی دن صبح کے وقت سبزہ زار میں اس دور افتادہ کو بھی یاد کرلینا کیونکہ صبوحی بلفتحتین بمعنی وقت صبح بھی آیا ہے اور شراب پینے کے معنوں میں صبوحی بفتح اول ہے۔ لفظ مہان تعظیمی

(بقیہ بر صفحہ آئندہ)

marfat.com

۹۵ — یاد یاراں یار رامیمون بود
خاصہ کاں لیلیٰ وایں مجنون بود

صفحہ گذشتہ سے ؛ خطاب ہے ۔ جو اس محبوس طوطی نے طوطیان ہند کو دیا ہے ۔ لیکن یہاں مہلان سے وہ عاشقان الٰہی مراد ہیں جو مشاہدہ کے باغ میں شراب عشق ربانی نوش کر رہے ہیں اور مرغزار سے سالک اور صبوحی سے ذوق روحانی اور شوق معنوی یعنی اے عاشقان الٰہی شراب وحدت پیتے وقت سالک اور طالب عرفان کو بھی یاد کر لیا کرو کیونکہ وہ بھی تمہارے دامن سے بندھا ہوا ہے ۔ مگر چونکہ گم کردہ راہ اور تشنہ شراب محبت ہے اس لیے تم سے مدد چاہتا ہے ۔

شرح : یعنی میری جانب سے یہ کہنا کہ اے طوطیو کسی دن اس مرغ ضعیف کی یاد میں بھی ایک صبوحی نوش کر لینا مرغ نالہ سے سوداگر کی طوطی نے اپنی ذات کو مراد رکھا ۔

ف : طوطی سے روح اور قفس سے بدن سوداگر سے مرشد کامل یا رہبر اور ہندوستان سے عالم لاہوت یا مطلق عالم قدسی مراد ہے اور طوطیوں سے ارواح اولیاء و صلحاء اور پیغام سے اس عالم فانی سے عالم جاودانی کی طرف کشش اور سلام سے طلب شفاعت مراد ہے ۔

۹۵ ۔ ترجمہ : دوستوں کی یاد دوست کے لیے مبارک ہے ۔ خصوصاً جبکہ ایک لیلیٰ ہو اور دوسرا مجنوں ۔

شرح : یعنی ہر حالت میں دوست کو یاد رکھنا بہتر اور مبارک ہے خاصکر اس حالت میں کہ وہ دوسرا یار لیلیٰ ہو اور یہ دور افتادہ مجنوں یعنی معشوق کا عاشق کو یاد کرنا بہ نسبت اوروں کی یاد کے بہت اچھا ہے ۔ اس شعر میں طوطی تاجر نے اپنے آپ کو مجنوں اور طوطیان ہند کو لیلیٰ قرار دیا ہے یا لیلیٰ سے وہی عاشقان الٰہی مراد ہیں جو مرتبہ معشوقیت پہنچ گئے ہیں اور مجنوں سے طالب صادق اور تقریر و شعر وہی ہے جو پہلے شعر کی تھی ۔

marfat.com

اے حریفان بابت موزوں خود

۹۶ — من قدح خورم از خون خود

یک قدح می نوش کن بریاد من

۹۷ — گر ہمیخواہی کہ بدہی داد من

---

۹۶ - ترجمہ : اے حریفو تم اپنے معشوق طرفدار کے ساتھ ہو اور میں اپنے خون کے پیالے نوش کرتا ہوں۔

شرح : اگر یہ مقولہ طوطی کا ہے تو مطلب یہ ہوگا کہ اے ہندوستان کی طوطیو تم اپنے معشوق کے ساتھ جس سے ان کی آزادی مراد ہوگی اور مزے اڑاتے ہو اور میں اس کے ہجر میں خونِ جگر پی رہا ہوں اور اگر شعر ہذا مولانا کی زبان سے ہے تو یہ معنی ہیں کہ اے عاشقان الٰہی تم اپنے محبوب کے ساتھ وصال کا لطف اٹھاؤ اور میں فراق میں خون جگر پیا کروں۔ افسوس کہ تم میری مصیبت پر توجہ نہیں کرتے۔ بعض نسخوں میں یہ مصرعہ اس طرح بھی ہے :

اے حریفان بے بت موزوں خود

اس کے معنی دونوں صورتوں میں نہایت صاف ہیں۔ بشرطیکہ پہلے خود سے قائل کی ذات مراد لی جائے۔

۹۷ - ترجمہ : ایک پیالہ شراب میری یاد میں پی۔ اگر تو چاہتا ہے کہ میری داد کو پہنچے۔

شرح : اشعار گذشتہ کے خلاف اس شعر میں تاجر کی طوطی نے ہندوستان کی طوطیوں کو بصیغہ واحد یاد کیا ہے۔ شاید اس کا سبب یہ ہو کہ وہ سب بباعث اتحاد ایک تھیں۔ یا یہ کہ مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے طالب کی زبان سے تمام عاشقان الٰہی اور مرشدان کامل کو بدیں نسبت

(بقیہ برصفحہ آئندہ)

marfat.com

۹۸ــــــــ یا بیاد ایں فتادہ خاک بیز
چوں خوردی جرعہ بر خاک ریز

صفحہ گزشتہ سے : کہ وہ سب وحدت حقیقی کے عاشق اور ایک شمع کے پروانہ ہیں۔ بصیغہ واحد تعبیر کیا ہے۔ داد سے حق مراد ہے۔ یعنی طالب مرشد کامل سے کہتا ہے کہ اے مرشد کامل جام وحدت سے شراب پیتے وقت مجھے نہ بھولنا۔ کیونکہ اس میں میرا حق بھی ہے۔ یا تاجر کا طوطی طوطیان ہند سے خطاب کر رہا ہے۔ واللہ اعلم۔

۹۸۔ ترجمہ : یا اسی خاک پر پڑی ہوئی اور خاک بیزی کی یاد میں جبکہ تو پیئے تو ایک گھونٹ زمین پر گرا دے۔

شرح : شرابیوں کا قاعدہ ہے کہ شراب پیتے وقت اپنے مہجور دوست کی یاد میں ایک گھونٹ زمین پر گرا دیتے ہیں۔ پس مطلب شعر کا یہ ہے کہ اے طوطیان ہند یا اے مرشد کامل اگر تو میری یاد محبت میں شراب محبت نہیں پیتا تو میرے نام کی تھوڑی سی ہی زمین پر چھڑک دے۔ یعنی زیادہ نہیں تو اس قدر ہی میری یاد کر لیا کر۔

عرب کا مقولہ ہے :

"والارض من کاس الکرم نصیب"

یعنی سخیوں کے پیالے میں کچھ گرا پڑا زمین کو بھی مل جاتا ہے۔ کریموں کے فیض سے کوئی چیز محروم نہیں رہتی۔

فارسیوں کا محاورہ ہے۔

"کسی کی یاد میں شراب پینا یا شراب کے گھونٹ زمین پر گرانا ایک معنی رکھتا ہے تاکہ اس کو اس موقع پر یاد رکھیں۔ یہ غایت دوستی کی دلیل ہے"

marfat.com

اے عجب آں عہد و آں سوگند کو

۹۹ ــــــــــــ

وعدہ ہائے آں لب چوں قند کو

---

۹۹ - ترجمہ : تعجب ہے کہ وہ عہد اور وہ قسمیں کیا ہوئیں - وہ وعدے جو خوشگوار تھے کہاں گئے۔

شرح : اس شعر کی تین تقریریں ہو سکتی ہیں -

۱- یہ خطاب اللہ تعالیٰ کو کیا گیا ہے - گویا مولاناؒ طالبِ حق کی زبان سے یہ فرماتے ہیں کہ اے خدا تو اپنے اقرار کے موافق ہمیں قید جسم سے رہائی دے کر عالم ملکوت تک طاقت پرواز کیوں نہیں دیتا۔ اللہ تعالیٰ کا اقرار اس آیت سے نکلتا ہے۔

"جو لوگ ہمارے رستے میں کوشش کریں گے ہم ضرور ان کو راستہ دکھا دیں گے اور بیشک خدا نیکوکاروں کے ساتھ ہے۔"

ف : گو ذات الٰہی لب و چشم وغیرہ سے پاک ہے مگر یہ کلمات شوقیہ ہیں - جو حالت وجد میں زبان سے نکل جاتے ہیں اور ایسی حالت میں عاشق معذور ہوتا ہے۔

۲- یہ شعر صرف طالبِ حق کا مقولہ ہے تو یہ معنی ہیں کہ اے انبیاء و مرسلین اور اے عاشقانِ الٰہی وہ اقرار جو تمہاری ارواح نے ہماری ہدایت و ارشادات کے لیے ازل میں کیے تھے کیا ہوئے تم اپنی باطنی کوشش سے ہمیں اپنی طرف کیوں نہیں کھینچتے۔ عاشقانِ الٰہی کا اقرار اس آیت سے نکلتا ہے - یعنی ہم نے تمام پیغمبروں سے اور اے پیغمبر عرب تجھ سے اور نوحؑ اور ابراہیمؑ اور موسیٰؑ اور عیسیٰؑ سے اس بات کا اقرار لیا کہ خدا کو ایک جانو اور اپنی اپنی امتوں کو توحید کی طرف بلاؤ۔

۳- یہ شعر طوطی کا مقولہ ہے - یہ تو معنی ہیں کہ اے طوطیانِ ہند وہ جو ہم میں تم میں اس سے پہلے وفا بھری اور محبت کے اقرار و قول و قسم ہے - وہ کیا ہوئے اور تم مجھے کیوں بھول گئے۔

marfat.com

گر فراق بندہ از بد بندگیست

۱۰۰۔ ——————

چونتو با بد بدکنی پس فرق چیست

۱۰۰۔ **ترجمہ**: اگر بندے کا فراق عبادت سے ہے تو جو برے کے ساتھ برائی کرتا ہے تو پھر فرق کیا رہا۔

شرح: یہ شعر بھی نحوی اور مولانا کی زبان سے طالب صادق دونوں کا مقولہ ہو سکتا ہے اور لفظ تو خطاب صوفیان ہند یا مرشدان ہند کامل کی طرف ہے اور بندگی سے جرم و گناہ اور بندہ سے اپنی ذات مراد ہے۔ نیز ممکن ہے کہ یہ خاص مولانا کا مقولہ ہو اور خطاب تو بجانب اللہ تعالیٰ ہے یعنی اگر تو نے بندے کو اس کی تقصیرات کے باعث اپنے وصال سے محروم کر رکھا ہے تو اس کا کیا جواب ہے کہ تو جو بد کو مکافات بد دیتا ہے جو تیری شان کریمی اور مقتضائے رحمتی وسعت کل شئی سے بعید معلوم ہوتا ہے۔ عمر خیام نے کیا خوب کہا ہے:

رباعی

ناکردہ گناہ در جہان کیست بگو

آنکس کہ گنہ نہ کرد و چون زیست بگو

من بد کنم و تو بد مکافات دہی

پس فرق مغفرت تو بہ چیست بگو

اگرچہ مولانا کا یہ مقولہ بظاہر حد ادب کے خلاف ہے مگر فی الواقع یہ راز و نیاز اور غلبہ عشق کی باتیں رہی۔ اس لیے بعض الفاظ حد ادب سے تجاوز کر گئے ہیں۔ اس سے یہ مقصود نہیں کہ بد کی جزا بد نہ ہوا کرے۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ عفو ہر حالت میں بہتر ہے ۔۔ کی سزا کو بدی کہنا باعتبار مشابہت ہے فی الواقع بدی نہیں۔

marfat.com

۱۰۱ —— این بدی کہ تو کنی در خشم و جنگ
با طرب تر از سماع بانگ چنگ

۱۰۲ —— اے جفائے تو ز راحت خوب تر
انتقام تو ز جان محبوب تر

---

۱۰۱ - ترجمہ : یہ برائی جو غصہ اور لڑائی میں کرتا ہے۔ سماع اور چنگ کی آواز سے زیادہ خوش آہنگ محسوس ہوگی۔

شرح : اے اللہ تیرا رنج عرفاء کے نزدیک رحمت ہی رحمت ہے کیونکہ انہیں معلوم ہے کہ رحمت غصہ میں پوشیدہ ہے۔ البتہ عوام اس رحمت کو خشم و جنگ میں مشاہدہ نہیں کر سکتے۔ یا اس خشم سے مراد ظاہری خشم ہے جو ہمارے نزدیک قہر ہے۔ مثلاً وہ حیاتِ عارضی کو فنا کر کے حیات ابدی عطا فرمانا یا زنا کار کو گناہ سے پاک کرنے کے لیے سنگسار کرنا بظاہر قہر معلوم ہوتا ہے۔ مگر درحقیقت وہ عین مہر ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

۱۰۲ - ترجمہ : اے اللہ تیری جفا بھی راحت سے اچھی ہے اور تیرا انتقام جان سے زیادہ عزیز ہے۔

شرح : یہ اشعار سراسر رموز سے بھرے ہوئے ہیں۔ راحت سے مراد دنیاوی راحت ہے اور بعض نسخوں میں بجائے راحت کے دولت بھی آیا ہے۔ عوام الناس کا قاعدہ ہے کہ وہ تھوڑی سی تکلیف سے موثر ہو کر شکایت کرنے لگتے ہیں اور اس کا نام جفا رکھا جاتا ہے۔ تو مولانا کا یہ مطلب ہے کہ تیری جفا بھی دنیا کی راحت اور دولت سے کہیں اچھی ہے۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ بعض لوگ ظاہر میں ہر طرح آرام و
[illegible]

marfat.com

نار توانیست نورت چوں بود
۱۰۳
مانم ایں تا خود کہ سورت چوں بود

صفحہ گزشتہ سے :

آسائش میں ہیں اور مالدار بھی ہیں ۔ مگر کوئی نہ کوئی گھن ان کو ایسا لگا ہوا ہے کہ جو ان کی روح کو بیمار بنائے ہوئے ہے اور کچھ ایسے ہیں کہ جو ظاہر میں تکلیف اٹھاتے ہیں ۔ مگر ان کا دل ہر وقت خوش و خرّم ہوتا ہے ۔ ان کی روح چنگی اور تندرست ہے ۔ عارفان کامل دنیاوی زحمتوں کو بھی حق کی رحمت ہی سمجھتے ہیں ۔ بلکہ اس زحمت کی وجہ سے رحمت کے مستحق ہیں ۔

---

۱۰۳ ترجمہ :

جب نار تیری ایسی ہے تو نور تیرا کیسا ہوگا ۔ اور رنج یہ ہے تو خوشی کیسی ہوگی ۔

شرح :

یعنی جب تیرے جلال میں ایسے کیف ہیں تو جمال میں کتنا سرور ہوگا ۔ یا یہ مطلب ہے کہ جب تیرے غضب میں رحمت پنہاں ہے تو رحمت میں کیسی کیسی راحتیں ہوں گی ۔ جو کبھی انسان کے وہم و گمان میں بھی نہیں آسکتیں ۔

خلاصہ یہ کہ عشق حقیقی کی آگ جب یہ مرتبہ رکھتی ہے کہ روح کو مانجھ کر صاف کر دیتی ہے تو نور وصال جو اس سے بعد حاصل ہوتا ہے وہ کس رتبہ کا ہوگا ۔

marfat.com

فی المثل جودت اگر عریاں بود
۱۰۴
عالم ار گریاں بود خنداں نشود

از حلاوتہا کہ دارد جور تو
۱۰۵
وز لطافت کس نیابد غور تو

۱۰۴۔ ترجمہ : بالفرض اگر ستم تیرا بے پردہ ہو جائے تو روتے ہوئے لوگ ہنسنے لگیں۔

شرح : یعنی اگر تیرے جور کی حقیقت اس عالم میں ظاہر ہو جائے تو اس قدر لذت حاصل ہو کہ غمگین لوگ مسرور ہو جائیں اور روتے ہوئے ہنس پڑیں۔ مگر یہ مسرت عارفان کامل کے ساتھ مخصوص ہے اور جو راضی بر فنائے حق ہیں اور غضب کو باعث رحمت خیال کرتے ہیں ان کے نزدیک قہر الٰہی اس کی رحمت کی ایسی دلیل ہے جیسے رات سے صبح ہو جائے گی۔ یہی وجہ ہے کہ مومن آئندہ نجات کی امید پر دوزخ کو بھی جنت سمجھتے ہیں۔ البتہ کافر اس سے محروم ہیں۔ ان کو عذاب میں طرب و راحت اور نہ دوزخ سے رہائی کی امید ہو سکتی ہے اسی لیے وہ قہر کے لطف کو نہیں جان سکتے۔

۱۰۵۔ ترجمہ : وہ حلاوتیں کہ جو تیرے ظلم میں ہیں۔ ان کی لطافت کو کوئی غور نہیں کر سکتا۔

شرح : لفظ وز لطافت معطوف بر حلاوت ہے۔ یعنی تیرے جور کی حلاوتیں اور لطافتیں اس قدر ہیں کہ کسی کے فہم و غور میں نہیں آسکتیں۔ پھر نہ معلوم کہ تیرا کرم و احسان کس قدر با حلاوت ہو گا۔ اس کی تہہ کو پہنچنا مشکل ہے۔

marfat.com

بلبلی آور از محبت ہائے ما
۱۰۶ — حق مجلسہا و صحبتہائے ما
نالم و ترسم کہ او باور کند
۱۰۷ — وز ترحم جور را کمتر کند

---

۱۰۶ ۔ ترجمہ : ہماری محبتوں کو یاد کیجئے ۔ مجلسوں اور صحبتوں کے حق نہ بھولئے ۔

شرح : یعنی اے خدا تو ہمیں اپنی رحمت سے نہ بھول ۔ کیونکہ ہم مستحق رحمت ہیں ۔ مجلس و صحبت سے وہ عالم ازل مراد ہے جبکہ روحیں صرف اللہ تعالیٰ کے علم میں تھیں اور اس خلوت میں کوئی بیگانہ موجود نہ تھا اور عالم دنیا بھی مراد ہو سکتا ہے ۔ کیونکہ عارف دنیا میں بھی اسی کی مجلس کے بیٹھنے والے ہیں ۔ چنانچہ قرآن مجید میں وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَمَا كُنْتُمْ موجود ہے ۔ اس آیت کی تفسیر اور معیت کے معنی ابھی ابھی بیان ہو چکے ہیں ۔

۱۰۷ ۔ ترجمہ : میں روتا ہوں اور ڈرتا ہوں کہ وہ قبول نہ کرے اور رحم سے جور کو کم نہ کرے ۔

شرح : اس سے پہلے اشعار میں معشوق حقیقی کو بصیغۂ خطاب یاد کیا گیا تھا اور ان اشعار میں بصیغۂ غائب ۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ مولانا حالت وجد میں مناجات کر رہے ہیں ۔ کہیں اسے حاضر سمجھا ہے کہیں غائب ۔ مطلب شعر یہ ہے کہ میں فراق حبیب میں روتا بھی ہوں اور اس سے ڈرتا بھی ہوں کہ وہ میرے نالے قبول کر کے اس میں تاثیر نہ عنایت کر دے کیونکہ عاشق کا نالہ شکر بصورت شکایت ہوتا ہے اور شکر اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبول ہے اور قبول کرنے کے یہ معنی ہیں کہ وہ مجھ پر رحم کرے اور رحم کا یہ نتیجہ ہے کہ جور کم کر دے حالانکہ میں اس کے جور کا کم ہونا نہیں چاہتا ۔ خواہ قہر ہو یا مہر ۔ ؏

ہر چہ از دوست می رسد نیکوست

marfat.com

عاشقم بر قہر و بر لطفش بجد

۱۰۸ ــــــــ اے عجب من عاشق ایں ہر دو ضد

عشق من بر مصدر ایں ہر دو شد

۱۰۹ ــــــــ چوں نباشد عشق کز وے نیست بُد

---

۱۰۸ ۔ ترجمہ : میں اس کے قہر و لطف دونوں کا کوشش عاشق ہوں ۔ تعجب ہے کہ میں ان دونوں ضدوں سے محبت کرتا ہوں ۔

شرح : جد بمعنی کوشش و شوق یعنی میں اس کے لطف قہر دونوں پر بڑے شوق سے عاشق ہوں ۔ کیونکہ قہر میں اس کا لطف پنہاں مجھے آنکھوں سے نظر آرہا ہے ۔

یہ مرتبہ خاص اولیاء اللہ کا ہے ۔

چونکہ قہر معشوق درحقیقت لطف خفی ہوتا ہے اس لیے وہ قہر نہیں سمجھا جا سکتا بلکہ حقیقتاً وہ قہر مبدل بر لطف ہو جاتا ہے اور یہ کیفیت عاشقان خدا کی ہوا کرتی ہے ۔

۱۰۹ ۔ ترجمہ : میرا عشق ان دونوں پر صادر ہوا اور کیونکر صادر نہ ہو کہ اس سے چارہ نہیں ۔

شرح : یعنی جو کچھ لطف یا قہر اس سے صادر ہو میں ان دونوں کا عاشق ہوں اور کیونکر نہ ہوں کہ بغیر اس کے چارہ نہیں ۔

خلاصہ مطلب مولانا کا یہ ہے کہ قہر ہو یا لطف ہو ۔ جفا ہو یا وفا ۔ یہ سب اسی کی طرف سے تو ہیں پس جب میں اس کا عاشق ہوں تو یہ کیسے ممکن ہے کہ لطف کا عاشق تو ہوں اور قہر کا نہ ہوں یا وفا کو تو پسند کروں اور جفا کو نہ کروں ۔ میں راضی برضائے محبوب رہوں ۔ اس سے قہر صادر ہو یا مہر ۔ میرے لیے دونوں ایک مثل ۔

marfat.com

والله ازیں خار در بستان شوم

۱۱۰ ہمچو بلبل زیں سبب نالاں شوم

بقیہ صفحہ گذشتہ سے :

ف : مصدر بفتح المیم وصیغہ ظرف بمعنی جائے صدور بضم المیم وکسر دال بصیغہ اسم فاعل دونوں طرح صحیح ہے۔

---

۱۱۰ - ترجمہ : واللہ اگر اس خار سے باغ میں جاؤں اس سبب سے بلبل کی طرح نالہ کناں رہوں ۔

شرح : خار سے صفات قہر اور بستان سے صفات لطف الٰہی مراد ہیں او مطلب یہ ہے کہ اگر میں صفات قہر سے صفات لطف یا بلائے عشق حقیقی سے راحت دنیا کی طرف انتقال کر جاؤں تو صفات قہر کے مشاہدہ کے لیے بلبل کی طرح نالہ کناں رہوں گا ۔ کیونکہ عشاق عین قہر میں لطف اور عین لطف میں قہر کا مشاہدہ کیا کرتے ہیں ۔ عاشق صادق قہر و جفا دونوں کو عشق الٰہی میں بلا تفریق قبول کرنے کے لیے وہی مثال رکھتا ہے جس طرح بلبل پر درد جو موسم خزاں میں بھی کانٹوں پر بیٹھ کر فراق گل میں نالہ کرتا ہے اور موسم بہار میں بھی قرار سے نہیں رہتا ۔

marfat.com

این عجب بلبل کہ بکشاید دہان

۱۱۱ تا خورد او خار را با گلستان

این چہ بلبل این نہنگ آتشی ست

۱۱۲ جملہ ناخوشہائے عشق او را خوشی ست

---

۱۱۱ ۔ ترجمہ : یہ عجیب بلبل ہے کہ منہ کھول کر کھا جاتا ہے کانٹوں اور پھول کو ۔

شرح : یعنی عشق الٰہی عجیب طرح کا بلبل ہے کہ جس طرح پھول کی پتیاں کھانے کو منہ کھولتا ہے اسی طرح کانٹوں کے لیے منہ پھیلا دیتا ہے ۔

مطلب یہ کہ باغ وحدت کا بلبل (عاشق الٰہی) لطف و قہر دونوں سے رضامند ہے ۔ بلکہ عارف کامل قہر سے زیادہ خوش ہوتے ہیں ۔ کیونکہ اس کا نتیجہ رحمت ہوا کرتا ہے ۔

حل لغات ۱۱۲ : نہنگ بفتح وکسر شیر آبی جسے عربی میں تمساح کہتے ہیں ۔

۱۱۲ ۔ ترجمہ : یہ بلبل نہیں ہے بلکہ نہنگ آتشی ہے ۔ کیونکہ عشق کی جملہ ناخوش باتوں سے اسے خوشی ہوتی ہے ۔

شرح : نہنگ آتشی بمعنی ایسا ناکہ جس کے منہ سے آگ کے شعلے نکلتے ہوں ۔ یعنی عاشق الٰہی بلبل نہیں ہے بلکہ اس آتشی دہن ناکہ کی مانند ہے ۔ جس کے سامنے اچھا برا گیلا سوکھا سب بھسم ہوتا ہوا چلا جاتا ہے ۔

خلاصہ مطلب یہ کہ جس طرح نہنگ بلا امتیاز کافر مؤمن مطیع و عاصی سب کو کھا جاتا ہے اسی طرح عاشق صادق اس کے قہر و لطف دونوں کو بڑی خوشی سے گوارا کر لیتا ہے ۔ اور اس کے نزدیک ہر ایک میں ایک دوسرے سے زیادہ لطف ہے ۔

marfat.com

عاشق کل ست و خود کل ست او
۱۱۳
عاشق خویش ست و عشق خویش جو

قصہ طوطی جان زنیساں بود
۱۱۴
کو کسے کو محرم مرغاں بود

۱۱۳۔ ترجمہ: وہ کل کا عاشق ہے اور خود بھی کل ہی ہے۔ وہ اپنا عاشق ہے اور اپنے عشق کا جویا بھی ہے
شرح: کل سے مراد حقیقت جامع حق ہے اور اس شعر میں عاشق کے مرتبہ کی طرف اشارہ ہے
کہ جب عاشق حق اس کی حقیقت جامع کا عاشق ہوجاتا ہے تو وہ اپنے وجود انسانی کو مشاہدہ باقی میں
فنا کر کے خود واصل کل یعنی واصل حقیقت جامع بن جاتا ہے۔ جس وقت یہ مرتبہ عاشق کو مل گیا تو اسکا
عشق اسماء قہریہ کے ساتھ ایسا ہی ہوگیا جیسا کہ اسماء لطیفہ کے ساتھ۔ یعنی جیسے وہ اسم معزؔ
کو محبوب جانتا ہے ایسے ہی اسم مذلؔ کو۔

خلاصہ یہ کہ جس حالت میں عاشق صادق وجود انسانی سے نکل کر داخل کل اور فنا فی اللہ
ہوگیا تو اب وہ خدا کا عاشق نہیں رہا۔ بلکہ اپنا عاشق ہوگیا ہے اور اپنے عشق کو طلب رہا
ہے۔ یا یوں کہیئے کہ اب وہ عاشق مرتبہ معشوقیت تک پہنچ گیا ہے۔ اس لیے اسے اپنی
اور اپنے ہی عشق کی تلاش ہے۔ چونکہ یہ نکتہ بہت باریک ہے۔ اس لیے ہم اس کو
آگے بیان کرنا پسند نہیں کرتے۔

۱۱۴۔ ترجمہ: طوطی جان کا بھی بعینہ یہی حال ہے۔ کون شخص ہے جو ان پرندوں کے حال
سے واقف ہو۔

شرح: یعنی جس طرح یہ طوطی سوداگر اپنی مخلصی کی کوشش اور تدبیر کر رہا ہے۔ یہی
(باقی بر صفحہ آئندہ)

marfat.com

کو یکے مرغے ضعیفے بے گناہ

۱۱۵ــــــــــ

و اندراں او سلیمان با سپاہ

صفحہ گذشتہ سے ؛ حال طوطی روح کا قفس وجود میں ہے کہ رہائی مگر ایسا شخص کہاں ہے کہ مرغان روح کی آواز اور ان کے کلام کو سمجھے اور محرم اسرار ہو کہ ان کو قید وجود سے مخلصی دلوائے اور ان کو آشیانوں تک پہنچادے ۔

۱۱۵۔ ترجمہ ؛ وہ ایک ضعیف بیگانہ مرغ ہے ۔

شرح : یہاں سے اولی اجنحہ طیور کا بیان شروع ہوا ہے ۔ مرغ ضعیف اور بے گناہ سے انسان کامل مراد ہے جو باعتبار عبدیت و لبشریت ناتواں ہے ۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہے :

خُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِیْفًا ۔

اور باعتبار باطن نہایت قوی ہے ۔ انسان کامل سے اگر انبیاء مراد ہے تو ان کی بے گناہی ظاہر ہے اور اگر اولیاء مراد ہیں تو بے گناہ بمعنی محفوظ ۔ یعنی انسان کامل سے کبیرہ گناہ نہیں ہوتا ۔ البتہ کبھی کبھی لغزش ہوجاتی ہے ۔ سو یہ لغزش بھی عوام کی طاعت سے بہتر ہے کیونکہ طاعت عوام تقلید پر مبنی ہے اور انسان کامل کا ہر کام تحقیق پر ۔ بس تو اس کی خطا جو بظاہر خطا ہو معلوم ہوتی ہے فی الواقع خطا نہیں ہوتی ۔

دوسرے مصرعہ میں کفر بفتح الکاف ہے ۔ بمعنی پوشیدن یعنی انسان کامل کی پوشیدہ عبادت اور چھپے ہوئے ایمان کے آگے عوام کے ایمان کہنہ اور غیر قابل اعتبار ہیں ۔ کیونکہ کاملین کا ایمان نہایت قوی ہوتا ہے اور عوام کا نہایت ضعیف ۔ چنانچہ مولانا شبلی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے :

marfat.com

"جو شخص پوسیدہ عبادت نہیں کرتا مگر گیا وہ نہایت خوش نصیب ہے۔"

خلق بفتحتین بمعنی کہنہ۔ بعض شارحین نے اس لفظ کو کفر بھی پڑھا ہے۔ چنانچہ مصرعہ میں تقابل لفظ ایمان بھی اسی کی شہادت دیتا ہے، اور یہ معنی بیان کیے ہیں کہ انسان کامل کبھی غلبہ شوق اور فرط عشق سے جو اس کو حصول مرتبۂ فنا فی اللہ اور بقا باللہ سے حاصل ہوا ہے۔ ایسے کلمات زبان سے نکالتا ہے کہ وہ باعتبار ظاہر شرع کفر معلوم ہوتا ہے۔ جیسا کہ منصور کا انا الحق کہنا مشہور ہے۔ لیکن فی الواقع یہ کفر نہیں ہے۔ بلکہ عین ایمان ہے کیونکہ بسبب فنا انسان کامل کو اسی طرح مرتبہ عینیت حاصل ہو جاتا ہے۔ جس طرح حباب ٹوٹ کر دریا میں ملنے سے۔ مگر یہ معنی خاکسار شارح کے مذاق کے موافق نہیں ہیں اور کفر سے مراد یہی کفر ہے جو متقابل ایمان ہے اور ناظرین شرح مثنوی کو انہی معنوں پر اصرار ہے۔ تو یوں سمجھیے کہ انسان کامل کا کفر عوام کے پرانے بوسیدہ اور تقلیدی ایمان سے بہتر ہے۔ کیونکہ اس کا کفر شاید مرتبۂ فنا میں پہنچنے کے بعد لاف ربوبیت ہو۔ جیسا کہ بعض بزرگوں نے فرمایا ہے۔ "سبحانی، اعظم شانی" یہ قول اگرچہ ظاہر میں کفر معلوم ہوتا ہے۔ لیکن بلا شک عوام کے ایمان سے بہت بہتر ہے۔ کیونکہ بعد حصول مرتبۂ بقا باللہ کہا گیا ہے۔

---

marfat.com

صفتِ اولی اجنحہ طیورِ عقول الٰہی

ترجمہ: پر دار جانوروں یعنی طیور الٰہی کا بیان۔

ربط: چونکہ یہ قصہ تاجر کی طوطی کا ہے جو پر دار جانور تھا اور اس سے پہلے اوپر کے اشعار میں عاشق صادق کی مثال بطور تشبیہ بلبل سے دی گئی ہے اور اس کے بھی پر ہوتے ہیں۔
اس لیے مولانا علیہ الرحمۃ بستان الٰہی کے ان طیور کا بیان بیان فرماتے ہیں۔ جو صاحب پر ہیں اور یہ طیور عقول الٰہی ہیں۔ گروہ صوفیہ میں ارواح نورانیہ کو عقول کہتے ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ارواح بھی عقول (فرشتوں) کی مانند مجرد اور خالص نور ہیں۔

شرح: اولی اجنحہ طیور میں اضافت صفت بسوئے موصوف ہے اور یہ صفت موصوف مبدل منہ ہیں اور عقول الٰہی اس کا بدل یعنی یہ بستان الٰہی کے ان طیور کا بیان ہے جو صاحب پر ہیں اور یہ طیور عقول الٰہی ہیں۔ صوفیہ کے نزدیک ارواح نورانیہ کو عقول کہتے ہیں۔ ارواح کے پانچ مراتب ہیں:

۱۔ روح حساس جو انسان و حیوان بوڑھے اور بچے سب میں برابر ہے۔

۲۔ روح خیالی۔ جو حواس ظاہرہ سے معلوم شدہ چیزوں کو یاد رکھتی ہے اور حاجت کے وقت ان چیزوں کو عقل کی طرف منتقل کر دیتی ہے۔ یہ روح بہائم میں ہوتی ہے۔ بچوں میں نہیں ہوتی۔ مثلاً بہائم آگ دیکھ کر جان لیتے ہیں کہ یہ موذی شے ہے کبھی آگ کے پاس جانے کا موقع مل جائے تو عقل سے کام لیتے ہیں اور اس میں گرنا نہیں

marfat.com

چوں بنالد زار بے شکر و گلہ
۱۱۶ ———
افتد اندر ہفت گردوں غلغلہ

صفحہ گذشتہ سے: چاہتے۔ نیچے ایسا نہیں کر سکتے۔

۳۔ روح عقل۔ جو ایسے ضروری مطالب کا اوراک کرتی ہے جو حس ظاہر سے خارج ہیں۔ یہ روح نہ بہائم میں ہے نہ بچوں میں۔

۴۔ روح فکری۔ جو علوم عقلیہ اور مخفیہ کا اوراک کر کے ان کو اپنی معلومات میں داخل کر لیتی ہے تاکہ کشائش ابواب معرفت پر قادر ہو جائے یہ روح علمائی ہے

۵۔ روح قدسی انبیاء اور بعض اولیاء کے لیے مخصوص ہے۔ اس سے اسرار تجلی ظاہر ہوتی ہیں اور طیور الٰہی ایسی ہی ارواح کا نام ہے جو قسم پنجم میں شامل ہیں اور ان کے پر "عشق و شوق و گریہ" انہیں بشریت کے جنگل سے فضائے احدیت تک اڑا لے جاتے ہیں۔ حدیث انما نسمۃ المومن طائر یعلق فی شجر الجنۃ کے یہی معنی ہیں کہ روح مومن ریاض جنت اور قرب الٰہی میں سیر کرتی پھرتی ہے۔ کیونکہ مومن کو مرتبہ موتوا قبل ان تموتوا حاصل ہے۔ اگرچہ بحسب ظاہر اس کی روح نفس وجود میں قید ہو مگر باعتبار باطن وہ ریاض قرب میں ہے یا وہاں تک پہنچنے کی کوشش کر رہی ہے۔

صفحہ ہذا: ۱۱۶۔ ترجمہ: جب وہ زار اور خستہ بے شکر اور گلہ کے ساتھ روتا ہے تو ساتوں آسمانوں پر شور برپا ہو جاتا ہے۔

شرح: یعنی جب وہ مرغ بلا طریق شکر و شکایت معشوق حقیقی کے ذوق میں

marfat.com

۱۱۷ــــــــــ ہر دمش صد نامہ صد پیک از خدا
یارب ے زو شصت لبیک از خدا

صفحہ گذشتہ سے :

رونا ہے تو ملاءالاعلیٰ کے مکین میں غلغلہ اور شور بر پا ہو جاتا ہے ۔ یہ جس طرح روح کی صفت ہو سکتی ہے اسی طرح انسان کامل کی بھی ہو سکتی ہے ۔ اگر اوپر کے مضمون سے اس کو ربط دیا جائے تب بھی مطلب صاف ہے کہ نورانی ظلمانی قالب کی قید میں نفس امّارہ کے زیر اثر رہنے کو ناپسند کر کے اپنی اصل سے واصل ہونے کے لیے مضطرب و بیقرار رہتی ہے ۔

۱۱۷۔ ترجمہ : ہر دم اس کے پاس خدا کی طرف سے سو نامے اور سو قاصد آتے ہیں ۔ اس کے ایک دفعہ یارب کے جواب میں خدا تعالیٰ ساٹھ مرتبہ لبیک فرماتا ہے ۔

شرح :

یعنی مرغ روح یا انسان کامل کے ہر سانس کے مقابلہ میں جو اس کے سینے سے نکلتی ہے سو نامے اور سو قاصد اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے پاس ہیں ۔
صد اور شصت سے کثرت اور نامہ و پیام سے انوار ربانی اور فیوض رحمانی مراد ہیں ۔ اور اس کے ایک مرتبہ یارب کہنے کے جواب میں ساٹھ مرتبہ لبیک نازل ہوتی ہے ۔
اس جگہ لبیک کا یہ مطلب ہے کہ اے بندہ میں تیرے سوال کا بار بار جواب دیتا ہوں اور بار بار تیری دعا قبول کرتا ہوں ۔

marfat.com

۱۱۸ــــــــــــ زلت او بد ز طاعت پیش حق
نزد کفرش جملہ ایمانہا خلق

۱۱۸ ۔ ترجمہ : اللہ کے نزدیک اس کی لغزش طاعت سے اچھی ہے ۔ کیونکہ اس کے کفر کے مقابلہ میں تمام ایمان پرانے ہو گئے ۔

شرح : زلّت بمعنی لغزش یعنی انسان کامل سے گناہ کبیرہ نہیں ہوتا ۔ البتہ کبھی لغزش ضرور ہو جاتی ہے ۔ پس یہ لغزش بھی عوام النّاس کی طاعت سے بہتر ہے کیونکہ طاعتِ عوام تقلید پر مبنی ہے اور انسان کامل کا ہر کام تحقیق پر ۔ لہٰذا اس کی خطا جو بظاہر خطا معلوم ہوتی ہے درحقیقت خطا نہیں ہوتی ۔

دوسرے مصرع میں کفر بفتح الکاف ہے بمعنی پوشیدہ ۔ یعنی انسان کامل کی پوشیدہ عبادت اور چھپے ہوئے ایمان کے آگے عوام کے ایمان و عبادات کہنہ اور غیر قابل اعتبار ہیں ۔ کیونکہ کاملین کا ایمان نہایت قوی ہوتا ہے اور عوام کا نہایت ضعیف ۔ مگر ہماری رائے میں یہ لفظ کفر ہی ہے ۔ چنانچہ اسی مصرع میں تقابل لفظ ایمان بھی اسی کی شہادت دے رہا ہے اور شعر کا مطلب یہ ہے کہ انسان کامل کبھی غلبۂ شوق اور فرطِ عشق سے جو اس کو حصول مرتبہ فنا فی اللہ اور بقا باللہ سے حاصل ہوا ہے ۔ ایسے کلمات زبان سے نکالتا ہے کہ وہ باعتبار ظاہر شرعاً کفر معلوم ہوتا ہے ۔ جیسا کہ منصور نے انا الحق کہا تھا لیکن حقیقتاً یہ کفر نہیں ہے بلکہ عین ایمان ہے کیونکہ بسبب فنا انسان کامل کو اس طرح مرتبۂ عینیت حاصل ہو جاتا ہے جس طرح حباب ٹوٹ کر دریا میں ملنے سے دریا ہو جاتا ہے ۔ بعض کاملین سبحانی ما اعظم شانی بھی کہہ گزرے ہیں ۔ یہ قول بھی اگرچہ ظاہر میں خلاف شرع ہے اور کفر معلوم ہوتا ہے لیکن عوام کے ایمان سے بہت بہتر ہے ۔ کیونکہ بعد حصول بقا باللہ کہا گیا ہے ۔ چونکہ یہ

(باقی بر صفحہ آئندہ)

marfat.com

۱۱۹ ــــــــــــ هر دمے او را یکے معراج خاص
بر سر تاجش نہد حق تاج خاص

صفحہ گذشتہ سے: راز کی باتیں ہیں۔ اس لیے ان کا مفصل بیان کرنا احاطہ تحریر و تقریر سے باہر ہے۔ اگر یہ بھید الفاظ تحریر میں آ سکتے تو فن تصوف کی تہہ کو پہنچنا آسان ہوتا۔ غرضیکہ بلا استاد کامل کے بنائے اور بغیر ریاضت کیے اسرار معرفت کو سمجھنا غیر ممکن ہے۔

۱۱۹۔ ترجمہ: ہر دم اس کے لیے ایک خاص معراج ہوا کرتی ہے اور اس کے سر پر خدا اپنا خاص تاج رکھتا ہے۔

شرح: معراج بمعنی عروج مراتب جس سے مشاہدات اور قرب الٰہی کے مراتب مراد ہیں جن کی انتہا نہیں۔ لفظ معراج میں انبیاء و اولیاء سب شامل ہیں۔

دوسرے مصرعہ کا مطلب یہ ہے کہ گو انسان کامل بظاہر ضعیف معلوم ہوتا ہے۔ مگر حقیقت میں وہ ایک عالی مرتبہ بادشاہ ہے جس کے سر پر معرفت الٰہی کا تاج رکھا ہوا ہے۔ بس اللہ تعالیٰ اس کے سر پر اپنی عنایت کا خاص تاج رکھتا ہے۔ یعنی عرفان اور قرب مراتب میں مرتبہ پر مرتبہ مرحمت فرماتا چلا جاتا ہے۔ جب تک وہ فنا فی اللہ ہو کر باقی باللہ نہ ہو جائے۔ یاد رہے کہ معرفت الٰہی کے یہ مراتب ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کو کس قدر عروج پر پہنچا دیتا ہے۔ تاج خاص بمعنی بلندی مرتبہ خاص ہے جو عوام کو میسر نہیں آ سکتا اور تاج پر تاج رکھنے کے یہ معنی ہیں کہ انسان کامل کے مراتب ہمیشہ ترقی کرتے رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ فانی ہو کر باقی ببقاء اللہ ہو جاتا ہے۔

marfat.com

صورتش بر خاک و جان در لامکاں

۱۲۰ لامکانے فوق وہم سالکاں

لامکانے نے کہ در وہم آیدت

۱۲۱ ہر دمے در دے خیالے زایدت

۱۲۰۔ ترجمہ :

اس کی صورت خاک پر اور جان لامکاں یعنی ایسا لامکاں جس سا فوق سالکوں کا وہم ہے ۔

شرح :

یعنی انسان کامل کا جسم خاکی یہاں دنیا میں ہوتا ہے اور اس کی روح لامکاں (عالم ملکوت) میں رہتی ہے جہاں کسی کا وہم وگمان بھی گذر نہیں سکتا ۔

۱۲۱۔ ترجمہ :

وہ ایسا لامکاں نہیں ہے جو تیرے وہم میں آجائے گو (اوس) وہم میں تیرے خیالات پیدا ہوتے رہیں ۔

شرح :

چونکہ بے مثل صورتوں کا تصور محالات سے ہے ۔ اس لیے وہ لامکان جس میں انسان کامل کی روح رہتی ہے ایسی چیز نہیں کہ تیرے وہم میں آسکے ۔ یا تو اس کی نسبت اپنے ذہن میں کچھ خیالات پیدا کر سکے ۔ گو لامکان کا خیالی نقشہ تیرے خیال میں ، ہر دم نئی شان سے سمائے تاہم اس کا تصور ممکن نہیں ۔

marfat.com

بل مکاں ولا مکاں در حکم او
۱۲۲ــــــــــــــ
ہمچو در حکم بہشتے چار جو

شرح ایں کوتاہ کن وز یں رخ بتاب
۱۲۳ــــــــــــــ
دم مزن واللہ اعلم بالصواب

۱۲۲۔ ترجمہ:

بلکہ مکان لا مکان اس کے حکم میں ایسے ہیں جیسے جنتی شخص کے حکم میں جنت کی چار نہریں۔

شرح:

بہشت کی جن چاروں نہروں کی طرف اشارہ ہے وہ چار نہریں یہ ہیں:

۱۔ نہر شراب طہور۔

۲۔ نہر شہد۔

۳۔ نہر شیر۔

۴۔ نہر آبِ مصفا۔

یعنی تو یہ سمجھ کہ انسان کامل کی روح فقط لا مکان میں نہیں ہے۔ بلکہ یہ سمجھ کہ اس کا تصرف مکان اور لا مکان میں اسی طرح ہے۔ جیسے بہشتی کا تصرف بہشت کی چاروں نہروں پر۔ خلاصہ یہ کہ روح کی وسعت کچھ لا مکان ہی تک محدود نہیں بلکہ اس کا تصرف مکان و لا مکان دونوں کے واسطے یکساں ہے۔

۱۲۳۔ ترجمہ: اس کی شرح ختم کر کے اس سے منہ پھیرلے اور آگے دم نہ مار بلکہ کہہ واللہ علم بالصواب

marfat.com

دیدن خواجہ طوطیان ہندوستان را در دشت و پیغام رسانیدن از آں طوطے

باز میگردم ازیں اے دوستاں

۱۲۴ — سوئے مرغ و تاجر ہندوستاں

مرد بازرگان پذیرفت ایں پیام

۱۲۵ — کو رساند سوئے جنس او سلام

چونکہ در اقصائے ہندوستان رسید

۱۲۶ — در بیابان طوطی چندے بدید

مرکب استانید و پس آواز داد

۱۲۷ — آں سلام و آں امانت باز داد

ترجمہ: تاجر کا طوطیوں کو دیکھنا جنگل میں اور اپنی طوطی کا پیغام پہنچانا۔

۱۲۴۔ ترجمہ: مرد سوداگر نے اس پیام کو قبول کر کے کہا کہ میں اس کی جنس کے پاس اس کا سلام پہنچا دوں گا۔

۱۲۶۔ ترجمہ: جب وہ ملک ہندوستان میں پہنچا اس نے جنگل میں کچھ طوطیاں دیکھیں۔

۱۲۷۔ حل لغات: استانید بمعنی کھڑی کر دی۔

ترجمہ: گھوڑا روک کر آواز دی اور سلام اور وہ امانت ان کے سپرد کر دی۔

marfat.com

۱۲۸ طوطی زاں طوطیاں لرزید بس
افتاد و زود بگسستش نفس

۱۲۹ شد پشیمان خواجہ از گفت خبر
گفت رفتم در ہلاک جانور

۱۲۸۔ ترجمہ : ان طوطیوں میں سے ایک بہت سی کانپ کر گرا اور مر گیا اور اسکا رشتہ نفسی ٹوٹا۔
حل لغات : لرزید بس بمعنی بسیار لرزید و بگسستش نفس فعل لازم ہے۔
شرح : تاجر اپنے طوطی کا پیام لے کر ہندوستان پہنچا۔ جب اپنے طوطی کا پیام ایک بیابان میں طوطیوں کو سُنایا تو اس جھرمٹ میں سے ایک طوطی سنتے ہی کانپ اٹھا اور اس کا دم ٹوٹ گیا اور مردہ ہو کر زمین پر گر پڑا۔ یہ سراسر اُس مرنے والے طوطی کا مکر تھا۔
۱۲۹۔ ترجمہ : سوداگر اس خبر سنانے سے پشیمان ہوا اور دل میں کہا کہ میں ہی اس جانور کی ہلاکت کا موجب ہوا ہوں۔
شرح : در ہلاک کسے رفتن برگ کسے سعی کردن یعنی کسی کے مارنے کی کوشش کرنا۔ مطلب یہ کہ سوداگر اسی لیے پشیمان ہوا کہ اگر میں اپنے طوطی کی حالت کی خبر نہ دیتا تو یہ طوطی ہلاک نہ ہوتا۔ گویا سوداگر اس کی موت کا باعث ہوا۔

marfat.com

ایں مگر خویش است با آں طوطیک
۱۳۰
ایں مگر دو جسم بود و روح یک

ایں چرا کردم چرا دادم پیام
۱۳۱
سوختم بیچارہ را زیں گفت خام

ایں زباں چوں سنگ وہم آہن وش است
۱۳۲
وانچہ بجہد از زبان چوں آتش است

۱۳۰۔ ترجمہ: شاید یہ طوطی اس طوطی کا رشتہ دار تھا۔ شاید ان کے جسم و جان ایک تھے۔
شرح: خویش بمعنی قریب و یگانہ یعنی یہ طوطی شاید اس کا رشتہ دار تھا کہ اسکا حال سنتے ہی مرگیا۔ ایسی محبت رشتہ دار ہی کرتا ہے۔

۱۳۱۔ ترجمہ: یہ میں نے کیا کیا اور یہ پیغام کیوں پہنچایا۔ میں نے ہی بیچارہ کو اپنی خام گفتگو سے جلایا۔
شرح: گفت خام جو بات کہنے کے لایق نہ ہو۔ کچی بات جھوٹا وعدہ دل شکن کلمہ آزار رساں فقرہ یعنی تاجر پیغام دے کر اپنے دل میں پشیمان ہوا کہ میں نے ناحق ایسی بات کہی جس سے اس غریب طوطی کی جان جاتی رہی۔

۱۳۲۔ ترجمہ: یہی زبان پتھر ہے یہی زبان لوہا ہے۔ پس جو کچھ اس زبان سے نکلتا ہے آگ کی طرح ہے۔
شرح: یہاں سے آخر تک مولانا کا مقولہ ہے یعنی زبان پتھر اور آہن کے مانند ہے۔ جس طرح پتھر پر لوہا یا لوہے پر پتھر مارنے سے آگ نکلتی ہے اسی طرح زبان سے بھی آگ (سخن) نکلتی ہے۔ مطلب یہ کہ گفتار زبان اپنے اپنے محل پر آگ کی طرح موذی و مہلک بھی ہے اور نافع و سود مند بھی ہے۔ بری باتیں مضر پڑتی ہیں اور اچھی مفید۔

marfat.com

سنگ و آہن را مزن برہم گزاف

۱۳۳ ــــــ

گہ ز روے نقل گہ از روے لاف

۱۳۳۔ ترجمہ:

پتھر اور لوہے کو بیہودگی سے آپس میں نہ ماریے، نہ کبھی نقل کے طور اور نہ کبھی شیخی بکھیرتے ہوے۔

شرح:

یعنی اے بیہودہ سنگ و آہن کو آپس میں بیہودہ طور پہ نہ مار۔ کیونکہ اس سے آگ نکلے گی۔

مطلب یہ کہ بیہودہ اور لغو باتیں نہ کر جس سے فساد عظیم پھیلنے کا اندیشہ ہو۔ اس سے لوگوں کو ایذا پہنچے گی۔ یا یہ معنی ہیں کہ کوئی بات بیہودہ نہ نکال۔ خواہ وہ از روئے نقل ہو یا لبطور لاف۔ بغیر حجت اور دلیل کے اسرار توحید اور توحید یا اسرار صوفیہ۔ کیونکہ سننے والے زیادہ گمراہی میں پڑ جاتے ہیں اور زیادہ گوئی بھی بڑا عیب ہے اس سے طرح طرح کی مصیبتیں نازل ہوتی ہیں اور بہت سی باتیں کرنے والا نظروں میں ذلیل ہو جاتا ہے اور سب لوگ اسے جھوٹا سمجھنے لگتے ہیں۔ اسی واسطے بزرگوں نے زیادہ گوئی کو منع فرمایا ہے۔

marfat.com

۱۳۴— زانکہ تاریکست ہر سو پنبہ زار
درمیاں پنبہ چوں باشد شرار

۱۳۵— ظالم آں قومے کہ چشماں دوختند
وز سخنہا عالمے را سوختند

۱۳۴۔ ترجمہ: اس واسطے کہ (جہان) تاریک ہے اور ہر طرف روئی کے انبار۔ روئی کے درمیان چنگاری کیا کچھ کر سکتی ہے۔

مطلب یہ کہ عالم دنیا تاریک ہونے کے علاوہ ہر طرف پنبہ زار بنا ہوا ہے۔ یعنی یہاں کج فہم لوگ بہت ہیں جن کو بشکل پنبہ سمجھنا چاہیئے جو ذرا سی آگ سے بھڑک اٹھتی ہے۔ پس اسرار وحدت اس روئی کے بُن میں شعلوں کی مانند ہیں جو نافہموں کو جلا دیں گے۔ یا یہ مطلب ہے کہ دنیا پنبہ زار یعنی نازک دماغی اور نفسانیت سے پُر ہے۔ پس اگر تو کوئی ایسی بات زبان سے نکالے گا جو وقت کے مناسب حال نہ ہو۔ تو لوگ اس غضب سے جل جائیں گے اور فتنہ برپا ہوگا۔

marfat.com

عالمے را یک سخن ویران کند

۱۳۶ — روبہان مردہ را شیراں کند

۱۳۷ — جانہا در اصل خود عیسیٰ دمند

یک زبان زخم اند و دیگر مرہمند

۱۳۶۔ ترجمہ: ایک ذرا سی بات عالم کو ویران کر دیتی ہے اور مری ہوئی لومڑیوں کو شیر بناتی ہے۔

شرح: مطلب یہ کہ توحید کا ایک کلمہ نافہموں کے عالم کو ویراں بنا دیتی ہے یعنی ان کو گمراہ کر دیتا ہے اور کبھی بھی کلمہ روباہان طریقت کو شیر حقیقت بنا دیتا ہے اور مرتبہ عرفان تک پہنچاتا ہے۔ یا یہ کہ سخن موذی اور باطل جہان میں بعض کے لیے قتل اور غارت کا سبب ہوتا ہے اور بعض کیلئے ضعف سے قوت کا باعث ہو جاتا ہے یعنی بعض کے لیے مضر ہے اور بعض کے لیے مفید۔ یا یہ معنی ہیں کہ سخن باطن دشمن ضعیف کو قوی کر دیتا ہے۔ اس لیے کہ اس کو متکلم پر پورا موقع اعتراض کا مل جاتا ہے۔ غرض کہ دونوں مصرعوں میں سخن کی مضرت کا بیان ہے۔

۱۳۷۔ ترجمہ: در اصل روحیں خود عیسیٰ دم ہیں۔ اگر ایک وقت زخم ہیں تو دوسرے وقت مرہم ہیں۔

شرح: جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام مردوں کو زندہ کر دیتے تھے اسی طرح اللہ تعالیٰ نے روحوں کو بھی مردوں کے زندہ کر دینے کی قابلیت عطا فرمائی ہے۔ چنانچہ روحیں عالم طبیعت اجسام بشریت میں آنے سے پہلے مردہ کو زندہ کرنے میں دم عیسیٰ کا حکم رکھتی تھیں اور ان کی ہر بات زندگی بخش تھی کیونکہ روح کا خاصہ حیات عطا کرنا ہے لیکن جب عالم بشریت میں حجاب اجسام ان کے سامنے آگیا تو وہ ہر وقت کی عیسیٰ دمی ان سے جاتی رہی اور اب

(باقی بر صفحہ آئندہ)

marfat.com

۱۳۸— گر حجاب از جانہا برخاستے
گفت ہر جانے مسیح آساستے

شرح بیت سابق: یہ کیفیت ہو گئی کہ ہر وقت غلبہ لبشریت وہ ہی روحیں زخم ہیں یعنی ایذا دیتے ہیں اور ہر وقت غلبہ خاصہ روح وہی اروامیں مرہم ہیں۔ یعنی لوگوں کو نفع پہنچاتی ہیں۔ مولانا بحرالعلوم نے شیخ اکبر قدس سرہٗ کے قول کے مطابق لکھا ہے کہ روح کا خاصہ عطائے حیات ہے۔ چنانچہ جبرئیل علیہ السلام کا قدم جس خشک گھاس پر پڑتا تھا وہی سرسبز ہو جاتی تھی اور حضرت جبرئیل علیہ السلام کا واقعہ مذکورہ فقیر کے رسالہ " احیاالموتی " یا فقیر کی تفسیر " فیوض الرحمٰن " میں دیکھئے۔ اور ہمارے دور کے معتزلہ کا عقیدہ ہے کہ کسی کو مردہ زندہ کرنے کا عقیدہ رکھنا شرک ہے خواہ نبی علیہ السلام ہوں یا ولی۔

فقیر چند حوالے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش کرتا ہے اور پھر چند اولیاء کرام بالخصوص غوث اعظم جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے۔

۱۳۸- ترجمہ: اگر ارواح سے حجاب اٹھ جاتا تو روح کا قول عیسیٰ علیہ السلام کے قول کی طرح ہوتا۔

دوسرے مصرعہ میں آساستے بمعنی مانند بودے ہے یعنی اگر حجاب تن اٹھ جاتا تو ہر روح کا قول مانند مسیح بن جاتا۔

لفظ آساستے بمعنی مانند بودے۔ خلاصہ یہ کہ جس طرح عیسیٰ علیہ السلام "قم باذنی" کہہ کر مردوں کو زندہ کر دیتے تھے۔ ایسے ہی روح میں بھی زندہ کرنے کی طاقت ہے لیکن گناہوں کے گرد وغبار سے وہ طاقت مسلوب نہیں محجوب ہو چکی ہے۔ جب گناہوں کی گرد وغبار ارواح سے اٹھ جاتی ہے تو پھر وہی طاقت ظاہر ہو کر اپنا کام کرتی ہے۔

(بقیہ برصفحہ آئندہ)

marfat.com

۱۳۹ — گر سخن خواہی کہ گوئی چوں شکر
صبر کن زیں حرص وایں حلوا مخور

۱۴۰ — صبر باشد مشتہائے زیرکان
ہست حلوا آرزوئے کود کان

اسی لیے ہم اہلسنت اولیاء کرام وانبیاء علیہم السلام کے لیے احیاء الموتی باذن اللہ کا عقیدہ رکھتے ہیں اسی لیے ان کے اجسام سے گناہوں کی گرد اٹھ جاتی ہے اور تزکیہ نفوس وتصفیہ قلوب کی وجہ سے ان کے اجسام وارواح ایک ہوجاتے ہیں۔ جیسا کہ ان کے متعلق مشہور ہے :

"اَرْوَاحُنَا اَجْسَادُنَا وَ اَجْسَادُنَا اَرْوَاحُنَا"

یعنی ہماری ارواح واجسام ایک طرح کے ہیں (تفسیر مظہری وغیرہ)

۱۳۹۔ ترجمہ : اگر تم چاہتے ہو کہ تمہاری باتیں شکر کی طرح میٹھی ہوا نے تو اس حرص سے صبر کیجئے اور اس حلوا کو مت کھائیے۔

شرح : یعنی تو اگر یہ چاہتا ہے کہ میری باتیں شکر کی طرح میٹھی ہوجائیں اور میرے انفاس طاہرہ کی برکت سے مردے زندہ ہونے لگیں تو حرص اور طمع دنیوی سے صبر کر اور یہ حلوا نہ کھا۔ یعنی خواہشات نفسانی اور لذات جسمانی سے منہ پھیر لے۔ ایسی حالت میں کیا تعجب تو بھی مسیحا دم ہو جائے اور مردے زندہ کرنے لگے۔

۱۴۰۔ ترجمہ : عقلمندوں کو صبر کی خواہش ہوتی ہے اور بچے حلوے کی آرزو کیا کرتے ہیں۔

شرح : یعنی حلوا لڑکوں کو زیادہ مرغوب ہوتا ہے۔ دانا آدمی اس کی پرواہ نہیں کرتے۔ لڑکوں سے مراد اہلِ

(بقیہ بر صفحہ آئندہ)

marfat.com

۱۴۱ — ہر کہ صبر آورد گردون بر رود
ہر کہ حلوا خورد واپس تر شود

صفحہ گذشتہ سے:

غفلت ہیں۔ مطلب یہ کہ لذائذ جسمانی غافلوں کا حصہ ہے۔ عقلمند اور عارف ہمیشہ اس سے پرہیز رکھتے ہیں۔

ازالہ وہم: یہاں سے حلوے کی مذمت سمجھنا سفاہت ہے۔ اس لیے کہ مولانا قدس سرہٗ کی مراد حلوے سے خواہشات نفسانیہ پورا کرنا ہے نہ کہ حلوا۔ اس لیے کہ احادیث مبارکہ

میں حلوے اور میٹھی چیزوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوب غذاؤں میں شمار کیا گیا ہے۔ چنانچہ مروی ہے کہ:

۱۴۱ ترجمہ: جو کوئی صبر کرے آسمان پر پہنچے۔ جو کوئی حلوا کھائے زیادہ تر پست ہو۔

شرح: یعنی جو لوگ نفسانی لذتوں اور جسمانی خواہشوں پر صبر کرتے ہیں وہ صاحب مقامات بلند ہو جاتے ہیں۔ ان کو روح ملکوتی نصیب ہوتی ہے اور جو لذات نفسانیہ کے پابند ہیں وہ ہمیشہ پست ہوتے رہتے ہیں۔

marfat.com

تفسیر قول شیخ فرید الدین عطار قدس سرہٗ

تو صاحب نفسی اے غافل میان خاک و خون میخور
کہ صاحبدل اگر زہرے خورد آں انگبیں باشد

ترجمہ: شیخ فرید الدین عطار قدس سرہٗ کے قول کی تفسیر:

ترجمہ: اے غافل تو صاحب نفس ہے خاک کھا، خون پی۔ کہ صاحبدل اگر زہر بھی کھالے تو وہ اس کے لیے شہد ہو جائے۔

شرح: دنیا میں ہر چیز اس کی ضد سے تمیز ہو سکتی ہے۔ اچھا برا ہونے کی دلیل ہے اور برا اچھا ہونے کی دلیل ہے مثلاً تاریکی سے روشنی اور غم سے خوشی۔ برے سے اچھا اور کڑوے سے میٹھے کی تمیز ہو سکتی ہے۔ اور یہ بھی ضروری ہے کہ خالق کائنات نے ہر اچھے برے کو باعتبار مقدار یا تعداد کے برابر بنایا ہے مگر انسان کی سرشت ایسی واقع ہوتی ہے کہ وہ اپنے واسطے اچھا پسند کرتا ہے برے سے بھاگتا ہے۔ تاہم اگر غور سے دیکھے تو سب کچھ اچھا ہی اچھا ہے برا کچھ نہیں۔ لیکن اگر انسان دونوں میں تفریق کرے گا تو اس کو اچھی چیزیں اتنی اچھی نہیں معلوم ہوں گی جتنی کہ بری چیزیں بری معلوم ہوں گی۔ مثلاً اگر کوئی شخص آرام کو زیادہ ڈھونڈے گا تو وہ ہی چیز جس کو وہ آرام سمجھ رہا ہے رفتہ رفتہ اس کی تکلیف کا باعث ہو گی اور اگر آرام کی پرواہ نہ کرے گا تو وہ ہی باتیں جن کو تکلیف سمجھ رہا ہے راحت ہو جائیں گی۔ اسی پر تمام ضدوں کو قیاس کر لینا چاہیے۔ یہ بڑا باریک مسئلہ ہے جس کا تعلق صرف معرفت سے ہے۔ پس جو لوگ عارف کامل ہیں ان کے لیے دنیا میں کوئی چیز بری نہیں۔ اگر وہ [illegible] ہے ہیں تو ان کے واسطے وہ عین راحت ہے یا اگر کوئی کڑوی چیز کھا رہے ہیں

marfat.com

تو ان کو اس میں شیرینی کا مزہ آرہا ہے ۔ اس شعر سے یہی مطلب شیخ فریدالدین عطار کا ہے کہ اے غافل تجھ میں صاحب نفس ملہمہ اور مطمئنہ ہونے کی استعداد ہے ۔ تجھ کو چاہیئے کہ لذات نفسانی کو چھوڑ کر ریاضت اور مجاہدہ کرے اور کسی مرشد کے سایۂ عاطفت میں مراتب علیا حاصل کرنے کی کوشش کرتا رہے اس وقت تو صاحب نفس مطمئنہ اور صاحب دل ہو جائیگا پھر اگر تجھ سے کوئی برائی بھی صادر ہو گی تو وہ بھلائی ہی ہو جائے گی اور تو زہر بھی کھا لے گا تو وہ تیرے لیے شہد ہی کا کام دے گا اور لذات نفسانیہ بھی تیرے حق میں مضر نہ ہونگی کیونکہ فانی دنیا کی ہر شئے فانی ہے ۔ اس لحاظ سے جو شخص فنافی اللہ ہو کر بقا باللہ ہو گیا ہے اس پر لذات نفسانیہ جو فانی ہیں اپنا کیا اثر کر سکتی ہیں ۔ چنانچہ مولانا صاحب نے اس مضمون کو مزید وضاحت سے بیان فرمایا ہے

marfat.com

صاحب دل را ندارد آں زیاں

۱۴۲ —— گر خورد او زہر قاتل را عیاں

۱۴۲ ترجمہ: صاحب دل کو نقصان نہ پہنچائے گا۔ اگر وہ دیدہ دانستہ زہر قاتل کو کھالے۔

شرح: یعنی جس شخص کو معرفت الٰہی حاصل ہو اور وہ واصل حق ہو گیا ہے اگر وہ لذات نفسانیہ کو اختیار بھی کر لے جو بمنزلہ دیدہ دانستہ زہر ہلاہل کھا لینے کے ہے تو اُس کو اِن سے کچھ نقصان نہ پہنچے گا۔

خلاصہ یہ کہ زہر ہلاہل بھی اس کے لیے تریاق ہو سکتا ہے اگر وہ ریاضت اور مجاہدہ کو اپنے ذمہ لازم کر لے۔

ف: زہر سے مراد وہ مباح چیزیں نہیں ہیں جن کا استعمال جائز ہے۔ ایسی چیزیں سالک کے لیے ناجائز ہیں اور کامل کے لیے جائز۔ مگر یہ حرمت و اباحت صوفیوں کا مذہب ہے اہل شریعت کا نہیں۔ حدیث شریف میں ہے:

لَوْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ مَا أَعْلَمُ لَتَرَكْتُمُ الْمَضَاجِعَ

یعنی اے لوگو اگر تمہیں ان اسرار کا علم ہو جائے جو مجھے معلوم ہیں تو تم تمام عیش و آرام اور خوابگاہوں کو چھوڑ دو۔

مطلب یہ کہ تم میری برابری نہیں کر سکتے۔

اسی قانون پر اہلسنت نے فرمایا کہ اولیاء کرام کے معاملات کو اپنے اوپر قیاس کرنا گمراہی ہے ان کی اصطلاحات پر اعتراضات کیے جا سکتے ہیں اور نہ ہی انہیں اپنانا چاہیے۔ ہاں جو رموز شرح کے مطابق ہیں ان کی اتباع لازمی ہے۔

marfat.com

آنکہ صحت یافت از پرہیز رُست
۱۴۴ ـــــــ
طالب مسکین میان تپ درست

۱۴۴۔ ترجمہ: جس نے صحت پائی پرہیز سے چھوٹا۔ (مگر) طالب مسکین تو ابھی اپنی مرض ہی میں ہے۔

شرح: یعنی صاحبدل نے ریاضت اور مجاہدہ کے سبب امراض نفسانی سے صحت حاصل کرلی ہے۔ اس لیے اب اسے لذات دنیوی سے پرہیز کرنے کی ضرورت نہیں رہی۔ پرہیز کی ضرورت تو طالب مسکین کو ہے جو ہنوز بیمار ہے۔ اگر وہ صحت یافتہ کی طرح سے بدپرہیزی کرنے لگے گا تو گویا جان سے ہاتھ دھو بیٹھے گا۔ جیسا کہ حضور غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کا ایک مشہور واقعہ ہے جسے:

امام یافعی نے کتاب مرأۃ الیقظان میں بعد بیان کثرت وتواتر کرامات حضرت غوث الثقلین قدس اللہ سرہ العزیز کے لکھا ہے کہ ایک بڑھیا کے بیٹے کو جناب حضرت غوث الثقلین سے بہت محبت تھی۔ اکثر آپ کی ہی خدمت میں جاکر حاضر ہوتا۔ دنیا کے کاروبار میں کم مشغول ہوتا ایک دن اُس بڑھیا نے آپ کے حضور میں حاضر ہو کے عرض کیا کہ میں نے اس اپنے بیٹے کو آپ کی نذر کیا اور للہ اپنا حق اسے معاف کیا آپ اسے تعلیم باطن فرمائیے۔ اس لیے کہ میرے کام میں تو یہ رہتا ہی نہیں ہر گھڑی یہیں آ حاضر ہوتا ہے اور اس لڑکے کو خانقاہ مبارک میں چھوڑ آئی۔ آپ نے اسے ریاضت اور سبق باطن میں مشغول کیا۔ کبھی کبھی وہ بڑھیا اپنے بیٹے کو دیکھنے آتی تھی۔ ایک دن آئی تو دیکھا کہ اس کا بیٹا چنے چبا رہا ہے اور بہت حقیر وناتواں ہوگیا ہے پھر وہ غوث الثقلین کے پاس گئی۔ دیکھا کہ آپ مرغی کا گوشت کھا رہے ہیں۔ اس نے کہا کہ حضرت آپ مرغی کا گوشت کھاتے ہیں اور میرے بیٹے کو

(بقیہ بر صفحہ آئندہ)

marfat.com

گفت پیغمبر کہ اے طالب جری

۱۴۴

ہاں مکن با ہیچ مطلوبے مری

صفحہ گذشتہ سے : ۔ کھلاتے ہیں ۔ آپ نے مرغی کی ہڈیوں پر ہاتھ رکھ کر فرمایا :

قُوْمِی بِاِذْنِ اللّٰہِ الَّذِیْ یُحْیِی الْعِظَامَ وَھِیَ رَمِیْمٌ

یعنی اٹھ کھڑی ہو اس خدا کے حکم سے جو بوسیدہ ہڈیوں کو زندہ کرے گا۔

فوراً وہ مرغی زندہ ہوگئی اور آواز کرنے لگی ۔ تب آپ نے اس بڑھیا سے فرمایا کہ جب تیرا بیٹا ایسا ہو جائے تب جو جی چاہے کھائے ۔

ف : یہ حکایت ہمارے اس دعویٰ کی دلیل ہے کہ ولی کامل کو خواہشات نفسانیہ ہوتی ہی نہیں ۔

اس واقعہ کی مزید توضیح فقیر کے رسالہ " احیاء الموتیٰ " میں دیکھئے ۔

۱۴۴۔ ترجمہ : پیغمبر نے فرمایا کہ اے دلیر طالب خبردار کسی مطلوب کی برابری نہ کرنا ۔

شرح : طالب سے مرید اور مطلوب سے عارف کامل مراد ہے یعنی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خبردار کسی محبوب خدا کا مقابلہ نہ کرنا ورنہ دین و دنیا سے ہاتھ دھو بیٹھو گے ۔ چنانچہ منقول ہے کہ حضرت جنید بغدادی رضی اللہ عنہ نے اپنے مرید کو دریا عبور کرتے وقت فرمایا ۔ کہتے چلو " یا جنید " لیکن خود " یا اللہ " کہہ رہے تھے ۔ کچھ دور جا کر مرید کو خیال گزرا کہ مجھے تو کچھ فرمایا اور خود اللہ اللہ کہہ رہے ہیں ۔ اس خیال کا آنا تھا کہ مرید دریا میں ڈوب گیا ۔ حضرت جنید نے اسے فوراً دریا سے نکال کر فرمایا کہ ابھی جنید تک نہیں پہنچے ہو تو خدا تک رسائی کا خیال کر رہے ہو ۔

marfat.com

در تو نمرودی ست آتش در مرو

۱۴۵ رفت خواہی اوّل ابراہیم شو

چوں نئی سبّاح نے دریائی

۱۴۶ در میفگن خویش را از خود رائی

---

۸ ۔ ترجمہ : تیرے اندر سرکشی ہے ۔ اس لیے آگ میں نہ جا ۔ اگر جانا چاہتا ہے تو پہلے ابراہیمی صفت حاصل کر ۔

شرح : نمرودی سے سرکشی و غرور اور اخلاق ذمیمہ آتش سے دنیوی لذتیں اور نفسانی مزے مراد ہیں جو آگ کی مانند ہیں اور ابراہیم یعنی ابراہیم وقت و صاحب اخلاق پسندیدہ ہے یعنی اے طالب و مبتدی تجھ میں ابھی سرکشی اور بری عادتیں موجود ہیں ۔ اسی لیے لذات نفسانیہ کی آگ میں نہ گر ۔ پہلے ابراہیم وقت اور عارف کامل بن جا ۔ اس وقت تیرے لیے لذاتِ دنیوی بھی ۔ بشرطیکہ شرعاً حلال ہوں جائز ہو جائیں گی ۔

۱۴۶ ۔ ترجمہ : جب تو نہ تیراک ہے اور نہ دریا تو خود رائی کر کے اپنے آپ کو دریا میں مت ڈال ۔

حل لغات : دونوں قافیوں میں پہلی یائے تحتانی نسبت کی ہے اور دوسری خطاب کی اور سبّاح بمعنی تیراک ۔ یعنی اے سالک

شرح : اے سالک نہ تو تو دریائی ہے اور نہ بحر عرفان کا تیراک پھر اپنے آپ کو دنیوی لذتوں کے دریا میں کیوں ڈبوتا ہے ۔ اپنی حد سے آگے نہ بڑھ اور مرشد کامل کی برابری نہ کر ورنہ ہلاک ہو جائے گا ۔

marfat.com

او ز قعرِ بحر گوہر آورد

۱۴۷ وز زیانہا سود بر سر آورد

کاملے گر خاک گیرد زر شود

۱۴۸ ناقص از زر برد خاکستر شود

۱۴۷۔ ترجمہ : وہ (کامل) دریا کی تہہ سے موتی لاتا ہے اور نقصانوں سے منافع پیدا کرتا ہے۔

شرح : یعنی کامل دریائے لذّات میں سے ہی کوئی اچھا نتیجہ نکالتا ہے۔ ظاہری نقصان کی چیزیں اس کے حق میں سود مند ہیں۔ آگ اور دریا (لذائذِ دنیا) کامل شخص کو کسی طرح کا نقصان نہیں پہنچا سکتیں۔ بعض نسخوں میں پہلا مصرعہ اس طرح ہے : ع

او ز آتش وردِ احمر آورد

یعنی کامل شخص آگ میں سے گلاب کے پھول نکال لاتا ہے۔ اس صورت میں یہ مصرعہ حضرت ابراہیمؑ کے معجزے کی طرف اشارہ ہے۔ ورد بمعنی گلاب۔

۱۴۸۔ ترجمہ : کامل اگر مٹی ہاتھ میں لے تو وہ سونا بن جاتی ہے۔ اگر ناقص سونا ہاتھ لے تو راکھ بن جاتی ہے۔

شرح : یعنی کامل بری چیزیں سے بھی اچھا نتیجہ نکال لیتا ہے اور ناقص کم فہمی کے سبب اچھی چیز کو برا بنا دیتا ہے یا یہ معنی ہیں کہ کامل بطور کرامت مٹی کو سونا بنا دیتا ہے اور ناقص کیمیاگری کے دھوکے میں رہ کر اپنے سونے کو مٹی کر لیتا ہے کیونکہ کامل کا ہاتھ بسبب قربِ دستِ قدرتِ الٰہی بن جاتا ہے اور ناقص کا ہاتھ دستِ شیطان (باقی آئندہ صفحہ پر)

marfat.com

ہمارے اسلاف رحمہا اللہ تعالیٰ کی حکایات و کرامات اس موضوع پر ان گنت ہیں۔ لیکن ہم صرف ایک حکایت کو یہاں نقل کرنا مناسب سمجھتے ہیں تاکہ ناظرین کو فائدہ حاصل ہو۔

سیدنا بابا فریدالدین گنج شکر قدس سرہٗ کے ہاں ایک مرید حاضر ہوا اور اپنے افلاس کا تذکرہ کیا۔ آپ نے مٹی کے ڈھیلے پر سورۃ اخلاص پڑھی تو وہ سونا بن گئی۔ وہ بیوقوف سمجھا کہ سورۃ اخلاص پڑھنے سے سونا بن جاتا ہے۔ چنانچہ گھر جاکر مٹی کے ڈھیلے جمع کیے اور پھونک ماری۔ کچھ نہ بنا تو حضرت کی خدمت میں شکایت کی کہ میں سارا دن سورۃ اخلاص پڑھتا رہا تو کچھ نہ بنا۔ آپ نے فرمایا کہ پہلے گنج شکر کی زبان بناؤ پھر مٹی سے سونا بنانا کوئی مشکل کام نہیں۔

marfat.com

چوں قبول حق بود آں مرد راست
۱۴۹
دست او در کارہا دستِ خدا ست

۱۴۹۔ ترجمہ : جب مقبول حق ہوا تو وہ سچا مرد ہے کیونکہ کاموں میں اس کا ہاتھ خدا کا ہاتھ ہے۔

شرح : یعنی صاحبدل چونکہ فانی فی اللہ اور باقی ببقاء اللہ ہے۔ اسی لیے اُس کا ہاتھ گویا خدا کا ہاتھ ہے اور اس کے افعال حق کے افعال ہیں۔ کیونکہ وہ آلۂ الٰہی اور خلیفۂ خدا ہے اور مَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ کے یہی معنی ہیں۔ اور حدیث میں ہے:

مَنْ عَادٰی لِیْ وَلِیًّا فَقَدْ آذَنْتُہٗ بِالْحَرْبِ۔

یعنی جو شخص کسی ولی کو ستاتا ہے تو میں اُس کے ساتھ جنگ کا اعلان کرتا ہوں۔ اور بخاری شریف میں حدیث قدسی مروی ہے کہ:

"اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرا بندہ جب میرا مقرب بن جاتا ہے تو میں اس کی سماعت و بصارت اور ہاتھ بن جاتا ہوں۔"

اس مضمون کی توضیح سابقاً گذری۔ یہاں ایک اور مضمون کو درج کرنا موزوں نظر آتا ہے۔ وہ یہ کہ گستاخ ولایت کو کبھی کبھی منجانب اللہ دنیا میں سزا فوراً ملتی ہے اور کبھی دیر سے۔ لیکن آخرت میں سخت سزا پائے گا۔ اسی لیے بعض اوقات خود اہل اللہ اپنے برا کہنے والے انتقام لے لیتے ہیں۔ جسے عوام یہ سمجھتے ہیں کہ یہ لوگ بھی عوام کی طرح جذبات سے مشتعل ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ بعض اوقات وہ کبھی مصلحت پر مبنی ہوتا ہے۔ حضرت مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مکاتیب میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت مجدد صاحب رح کے فرزند عبدالاحد رحمۃ اللہ علیہ کی شان میں کسی عورت نے گستاخی کی۔ انہوں نے صبر و

marfat.com

سکوت فرمایا۔ اتنے میں دیکھا کہ غیرت الٰہی جوشِ انتقام میں ہے۔ شیخ نے فوراً ایک شخص سے جو اس وقت موجود تھا۔ کہا کہ اس عورت کے ایک تھپڑ مارے۔ اس کو تردد ہوا۔ ادھر وہ عورت گر کر مرگئی۔ اس قسم کے واقعات مشائخ کے حالات میں کثرت سے ملتے ہیں تو اس نوعیت کی سزا کسی دینی مصیبت میں ابتلا سے بہت سہل ہے۔

حضرت شیخ علی خواص رحمۃ اللہ علیہ جو مشہور اولیاء میں سے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ اپنے آپ کو اس چیز سے نہایت محفوظ رکھنا کہ کسی ایسے شخص کی بات پر کان دھرو جو علماء یا مشائخ صوفیہ پر اعتراض کرتا ہو کہ اس کی وجہ سے تم اللہ جل شانہ کی نگاہِ حفاظت سے گر جاؤ گے اور اللہ کی ناراضی اور غصہ کے سزاوار رہو گے (طبقات کبریٰ)

اسی لیے شیخ ابوالفوارس شاہ بن شجاع کرمانی فرماتے ہیں کہ اولیاء اللہ کی محبت سے زیادہ افضل کوئی عبادت نہیں کہ ان کی محبت اللہ جل شانہ کی محبت کی علامت ہے۔

(نزہۃ البساتین)

بلکہ خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جو متعدد احادیث میں وارد ہے کہ آدمی کا شمار اور حشر ان لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے جن سے وہ محبت رکھتا ہے۔ ایک صحابی نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ ایک شخص ایک جماعت سے محبت رکھتا ہے۔ لیکن اعمال کے اعتبار سے یا ملاقات کے اعتبار سے ان تک نہیں پہنچ سکتا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ آدمی انہی لوگوں میں شمار ہوتا ہے جن سے محبت رکھتا ہے۔

دوسری حدیث میں ہے کہ ایک صحابی نے دریافت کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قیامت کب ہو گی؟

حضور نے دریافت فرمایا کہ تو نے قیامت کے واسطے کیا تیار کر رکھا ہے؟ کہ انتظار اشتیاق میں ہے۔ انہوں نے عرض کیا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے اس کے سوا

marfat.com

کچھ نیا رنہیں کر رکھا ہے کہ اللہ سے اور اس کے رسول سے مجھے محبت ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تو اسی کے ساتھ ہو گا جس سے محبت رکھتا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کو اس حدیث کے سننے سے جتنی مسرت اور خوشی ہوئی کسی چیز سے نہیں ہوئی (مشکوٰۃ شریف) اور ظاہر ہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہ حضور کی محبت میں ڈوبے ہوئے تھے۔ اس لیے جتنی بھی خوشی ان اصحاب کو ہوئی ہو قرینِ قیاس ہے۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ آدمی اپنے دوست کے مذہب اور دین پر ہوتا ہے، لہٰذا خود ہی دیکھ لے کہ کس سے محبت کرتا ہے (مشکوٰۃ شریف)

یہ مضمون احادیث میں مختلف عنوانات سے ذکر کیا گیا ہے۔ جس میں اللہ والوں کے ساتھ محبت اور تعلق رکھنا اور بے دین لوگوں سے علیحدگی اور اجتناب کرنا اہتمام سے ارشاد فرمایا گیا ہے۔ اللہ والوں سے جتنا تعلق اور محبت پیدا ہو سکے وہ اکسیر ہے۔ دونوں جہان میں کام آنے والی چیز ہے۔ اسی بنا پر ہم اہلسنت بحمدہٖ تعالیٰ اولیاء اللہ سے محبت کرتے ہیں۔ اس لیے کہ، ؎

حب درویشاں کلید جنت است

دشمن ایشاں لائق دوزخ است

کیونکہ ان کی محبت اللہ تعالیٰ کی محبت ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ ان سے بغض کرنے والوں سے نہ صرف بغض بلکہ کبھی دنیا میں فوراً انتقام لیتا ہے۔ شاہ غوث علی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ایک درویش پھٹے جوتوں سے بازار میں چل رہا تھا۔ اس کے جوتے سے مٹی اڑ کر بازار میں بیٹھنے والی کنجری کے منہ پر پڑی تو کنجری کے پاس بیٹھنے والے ایک بدمعاش نے درویش کے منہ پر تھپڑ مارا۔ درویش خاموشی سے چل دیا۔ تھوڑی دیر گذری کہ کنجری سیڑھی پر چڑھنے لگی تو پاؤں

marfat.com

دست ناقص دست شیطان است و دیو
۱۵۰ ــــــ
زانکه اندر دام تلبیس است و دیو

صفحہ گزشتہ سے:
پھسلا جس سے سر کے بل گری اور مر گئی۔ درویش ہنس پڑا۔ پوچھا گیا تو فرمایا کہ کنجری کے دوست کو غیرت آئی تو اس نے مجھے تھپڑ مار دیا لیکن میرے دوست کی غیرت نے کنجری کی جان مار دی۔

بہر حال اللہ والوں کے دشمن کا حال برا ہوتا ہے۔ اگر دنیا میں کتنا ہی بلندی حاصل کر لے اور بہت بڑے تقویٰ و طہارت اور علم و عمل میں یکتا ہو جائے لیکن اس کا خاتمہ ایمان پر ہرگز نہ ہوگا۔ کیونکہ یہ مسلّم اصول ہے کہ اولیاء و انبیاء کے دشمن کا خاتمہ بر ایمان نہیں ہوتا۔ اسے کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ کا اعلان جنگ۔

۱۵۰۔ ترجمہ:
ناقص کا ہاتھ شیطان اور دیو کا ہاتھ ہے۔ اسی لیے کہ وہ تکلیف و مکر کے دام میں ہے۔

شرح:
اہل غفلت یعنی انسان ناقص کا ہاتھ گویا شیطان کا ہاتھ ہے۔ کیونکہ شیطان اسے برے کام کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ جس سے باوجود تکلیف اٹھانے کے اس کے دام تزویر میں پھنس جاتا ہے۔ اس معنی پر وہ ناقص گویا خود شیطان ہے۔

marfat.com

جہل آید او دانش شود

۱۵۱ ـــــــــــ

جہل شد علمے کہ در ناقص شود

۱۵۱۔ ترجمہ: اُس کے آگے جہل بھی حکمت بن جاتا ہے اور ناقص میں علم بھی جا کر جہل ہو جاتا ہے۔

شرح: کامل چونکہ اپنی ذات سے بے خبر اور ما سوی اللہ سے بالکل بے پرواہ ہوتا ہے۔ اسی لیے اس کا جہل عین علم فنا فی اللہ میں داخل ہے اور علم فنا تمام علوم کی جڑ ہے۔ اور ناقص کا علم دنیوی چونکہ خدا سے غافل کرنے والا ہے۔ اس لیے سراسر جہل ہے۔ یا یہ مطلب ہے کہ کامل ضرر کی چیزوں میں سے بھی اچھا نتیجہ نکال لیتا ہے جو علم نافع سے بہتر ہے۔ بخلاف اس کے ناقص کا علم باعتبار نتیجہ جہل سے بدتر ہوتا ہے۔ کیونکہ اس کا علم عمل کے مطابق نہیں ہوتا۔ چنانچہ وہابی اور شیعہ اور مرزائی عالم ہوتے ہوئے بھی جاہل بنے ہوئے ہیں۔ کامل کا جہل بھی دانش ہے اور ناقص کا علم بھی جہل۔

یا یوں سمجھو کہ ابوجہل باوجودیکہ عرب میں دانشوروں کا سرتاج اور ابوالحکم کے لقب سے ملقب تھا۔ یا جیسے ابلیس کہ ملکوت میں معلم الملائکہ سے موسوم تھا لیکن وہ ابوالحکم سے ابوجہل کہلایا۔ جب مقام مصطفیٰ سے ناآشنا ہوا اور وہ معلم الملائکہ سے مذموم و مدحور اور ملعون ٹھہرا۔ جب آدم علیہ السلام بھی معرفت سے محروم ہوا لیکن بلال حبشی اور سلمان فارسی اور حضرت اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہم تمام علوم و اسرار و رموز کے جامع ٹھہرے۔ جب غلامان مصطفیٰ کہلائے۔ ایسے ہی جملہ بد مذاہب کو سمجھیئے کہ دانشوری اور علم و حکمت کس کام کی جب ان کے ہاں دولت عشق مصطفیٰ نہیں۔

marfat.com

ہر چہ گیرد علتی علت شود
۱۵۲ ———————
کفر گیرد کاملے ملت شود

۱۵۲۔ ترجمہ: جو چیز علتی لیتا ہے وہ علت ہو جاتی ہے۔ کامل اگر کفر بھی کرے وہ ایمان ہے۔

شرح: چونکہ ناقص آدمی کا دل مریض ہوتا ہے۔ اس لیے اس میں اسرار معلوم کرنے کی طاقت نہیں ہوتی۔ لہٰذا ایسے ضعیف الایمان اور علتی لوگ قرآن مجید میں جھوٹی تاویلیں کیا کرتے ہیں اور ایسی تاویلیں ان کے حق میں علت اور خدا سے دور ہونے کا سبب ہو جاتی ہیں۔ بخلاف اس کے کامل اگر کفر بھی اختیار کرے گا تو وہ کمال باطنی کے سبب اس کے لیے شریعت اور ملت ہو جائے گا۔ کیونکہ کامل ہمیشہ حفظ الٰہی میں ہے۔ گو ان کا کفر عوام کی نگاہوں میں کفر ہو مگر فی الواقع وہ اسلام ہے۔ جیسا کہ عمار بن یاسر ایک مشہور صحابی کے قصہ سے ظاہر ہے کہ ان کو کفار نے پکڑ لیا اور جبراً کلمہ کفر کہلوایا۔ انہوں نے خوف کی وجہ سے کہہ دیا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ واقعہ بیان کیا تو آپ نے فرمایا:

کَیفَ وجدت قلبک یا عمار

یعنی اے عمار اس وقت تیرے دل کی کیا حالت تھی۔ جب تجھے کفار کفر کے کلمے کہلوا رہے تھے۔ حضرت عمار نے جواب دیا کہ:

وجدت مطمئنۃ علی الایمان

یعنی میں اپنے دل کو ایمان پر مطمئن پاتا تھا۔ گو ظاہر میں کفر کے کلمے کہہ رہا تھا۔ تو آپ نے فرمایا کہ ان عاد واقعہ۔

یعنی اے عمار پھر اگر ایسا اتفاق پڑے تو یہی کہیو۔

(بقیہ بر صفحہ آئندہ)

marfat.com

اے مری کردہ پیادہ باسوار

۱۵۲ ——— سر نخواہی بردا کنوں . باے دار

صفحہ گذشتہ سے : اس سے صاف ظاہر ہے کہ عمار کا اقرار کفر شریعت و ملت بن گیا : اور قیامت تک اس بات پر فتوی ہو گیا کہ اگر کوئی جبراً کفر کا کلمہ کہلوائے تو اپنے ایمان پر مطمئن ہو کر کہہ دے اس میں کچھ حرج نہیں ۔ چنانچہ شیخ سعدی صاحب نے بھی اسی پر عمل کر کے پٹن سومنات کے مندر میں بت پوج کر اپنی جان بچائی تھی ۔ اوس متبرک نفس کے واسطے جس کی بقا میں بہت سے فائدے طالب کو پہنچ سکتے ہوں ۔ کلمہ کفر اختیار کر لینا کچھ بھی ناپسندیدہ نہیں ہے ۔ اسی مصلحت سے حضرت رسول مقبول صلعم نے عمار بن یاسر کو بھی یہی ترکیب کرنے کی اجازت دی تھی ۔ یا مصرعہ ثانیہ کا مطلب یہ ہے کہ عینیت مطلق اور حق کو جز عوام کفر جانتے ہیں اگر کامل اختیار کر لے تو عین اسلام ہے ۔ یا یہ معنی ہیں کہ بعض احکام جو بعض انبیاء کی شریعت میں حرام و کفر تھے دوسرے نبی کے اختیار کرنے سے حلال اور عین ایمان بن گئے ۔

۱۵۲۔ ترجمہ : اے شخص پیادہ سوار کے ساتھ برابری کر کے پیش نہیں لے جائے گا اس لیے ٹھہر جا ۔

شرح : پیادہ سے سالک اور سوار سے مرشد کامل مراد ہے ۔ یعنی اے مخاطب تو پیادہ کی مانند ہے اور انسان سوار کی مانند ۔ پس جس طرح پیادہ سوار کی ہمسری نہیں کر سکتا اور اگر کرے گا تو پیچھے رہ جائے گا اور ہلاک ہوگا ۔

خلاصہ مطلب یہ کہ مرشد کامل کی برابری میں سنبھل کر قدم رکھ ۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تیرا عیب برابری تجھ کو ہلاک کر دے ۔ چنانچہ ذیل میں مولانا علیہ الرحمۃ موسیٰ علیہ السلام اور جادوگروں کی مثال بیان

marfat.com

تعظیم کردن ساحراں موسیٰ را کہ اوّل تو عصا بیفگند او

ترجمہ : جادوگروں کا حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بطور تعظیم یہ کہنا کہ پہلے آپ ہی عصا ڈالیں۔

شرح : یہ مقابلہ موسیٰ علیہ السلام اور جادوگروں کا فرعون کے حکم سے ہوا تھا۔ جب موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو اس کے دعویٰ خدائی سے باز رکھنا اور حق کی طرف بلانا چاہا تو اس نے موسیٰ کی مخالفت کی اور اپنے ملک کے تمام جادوگروں کو اکٹھا کر کے مقابلہ کرایا کہ ساحر اپنے جادو کا کمال دکھائیں اور موسیٰ علیہ السلام اپنی کرامت کا۔ بحث یہ تھی کہ کون پہلے وار کرے۔ موسیٰ علیہ السلام اپنے عصا کا معجزہ دکھائیں یا ساحر لوگ ان پر جادو سے حملہ آور ہوں۔ چنانچہ ساحروں نے از راہ تعظیم موسیٰؑ سے کہا تھا کہ پہلے آپ ہی اپنا عصا ڈالیں۔ مگر آپ نے فرمایا کہ نہیں پہلے تم اپنے جادو کو کام میں لائیں۔ پس ساحروں نے جادو کے زور سے سانپ بنائے مگر جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا زمین پر ڈالا تو وہ بڑا مہیب اژدہا بن گیا اور ان سب اژدہوں کو کھا گیا جو ساحروں نے اپنے سحر سے بنائے تھے۔ پھر فرعون کی طرف جھپٹا۔ اس نے شور مچایا کہ اے موسیٰ اسے روکو۔

ساحر اس معجزے کے قائل ہو گئے اور ایمان لے آئے مگر فرعون اس کو سحر عظیم کہتا رہا اور وہ تائب نہ ہوا۔ بلکہ اس نے ان ساحروں کے بھی ہاتھ پاؤں کاٹ کے مروا ڈالا جو موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئے تھے۔

مولانا علیہ الرحمۃ کا مطلب یہ ہے کہ گو وہ سب ساحر ہلاک کر دیے گئے مگر دعویٰ برابری میں ان کا موسیٰ علیہ السلام کی تعظیم کرنا یعنی یہ کہنا کہ پہلے آپ ہی اپنا عصا ڈالیں ان کی عذاب آخرت سے رہائی دلوانے کا سبب ہو گیا۔

marfat.com

فرماتے ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی برابری کر کے ہلاک ہوئے تھے۔ مگر تعظیم کے سبب عذاب آخرت سے نجات پائی۔

ف: لاشعوری میں ان سے مقابلہ کا صدور ہوا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں فوراً سزا دے دی۔ باوجودیکہ بعد کو مسلمان ہوئے لیکن غیرت حق نے انہیں معاف نہ فرمایا۔ لیکن آج کل ہمارے دور کے معتزلہ اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کو بڑا بھائی یا اپنے جیسا انسان کہہ کر برابری و ہمسری کر رہے ہیں۔ ان کو بھی آج تو یہ سزا ملی کہ دولت ایمان کھو بیٹھے اور مرنے کے بعد ہامان و شداد کے ساتھ ان کا حشر ہوگا۔

چنانچہ ان کی بے ادبی و گستاخی کی سزا سرور عالم نور مجسم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے "لَا يَعُوْدُوْنَ" کی خبر غیبی سے ہمیں مطلع فرمایا۔

چنانچہ تجربہ شاہد ہے کہ جب بھی کوئی اس پارٹی میں شامل ہوتا ہے اور ان کی طرح نبوت ولایت کی گستاخی کرتا ہے تو اس کے ساتھ ہزاروں جتن اور حیلے کرو اور لاکھوں دلائل براہین پیش کرو۔ ہرگز اپنی بے ادبی سے باز نہیں آئیں گے۔ جب اس علامت سے ہمیں یقین ہے کہ نبوت کے در سے دھتکارے ہیں۔ ایسے ہی ہمیں پختہ یقین ہے کہ قیامت میں گستاخان نبوت کے ساتھ "الدرك الاسفل من النار" میں داخل ہوں گے۔

اس کی مزید تفصیل فقیر کی کتاب "وہابی دیوبندی کی نشانی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زبانی" میں پڑھیے۔

marfat.com

ساحراں در عہد فرعون لعین
۱۵۴
چوں مری کردند با موسیٰ زکین

لیک موسیٰ را مقدم داشتند
۱۵۵
ساحراں او را مکرم داشتند

۱۵۴۔ ترجمہ : فرعون لعین کے زمانہ میں جادوگروں نے باوجودیکہ بسبب عناد موسیٰ علیہ السلام سے برابری کی کوشش کی۔

۱۵۵۔ ترجمہ :

لیکن موسیٰ علیہ السلام کو مقدم رکھا۔ اس لیے کہ جادوگر ان کی تعظیم کرتے تھے۔

شرح :

یعنی فرعون کے زمانہ میں گو بہت سے جادوگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں آئے تھے۔ مگر ان کے دلوں میں حضرت کی تعظیم بھی تھی۔ اس لیے انجام کار مؤمن ہو گئے۔ اس تعظیم کا بیان آئندہ ہوتا ہے۔

ف :

مولانا قدس سرہٗ نے فرعون کو لعین فرمایا۔ اسی سے ان جاہلوں کا رد ہے۔ جو کہا کرتے ہیں کہ صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک فرعون مؤمن تھا (معاذ اللہ) اس مسئلہ کی تحقیق فقیر کی تفسیر "فیوض الرحمٰن" یا "شرح فصوص الحکم" میں پڑھیے۔

marfat.com

۱۵۶— زانکہ گفتندش کہ فرمان آن تست
گر تو میخواہی عصا لفگن نخست

۱۵۶۔ ترجمہ :
اس لیے کہ انہوں نے کہا تھا کہ آپ کے حکم کا انتظار ہے۔ اگر آپ چاہیں تو پہلے آپ ہی اپنا عصا چھوڑیئے۔

شرح :
یہ اس آیت کی طرف اشارہ ہے :

قَالُوْا یٰمُوْسٰی اِمَّآ اَنْ تُلْقِیَ وَاِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَلْقٰی

یعنی جس وقت جادوگر حضرت موسیٰ کے مقابلہ میں جمع ہو گئے تو سب نے یہ کہا کہ اے موسیٰ کیا آپ پہلے اپنا عصا ڈالتے ہیں یا ہمیں اپنے عصے ڈالنے کا حکم دیتے ہیں۔ آپ نے جواب دیا کہ پہلے تمہیں ڈالو۔

ف : جادوگروں کا حضرت موسیٰ کو اپنے سے مقدم رکھنا گویا ایک قسم کی تعظیم تھی جو بالآخر ان کو ایمان کی طرف کھینچ لائی۔

مسئلہ : معلوم ہوا کہ انبیاء و اولیاء علیٰ نبینا وعلیہم السلام کی لاشعوری میں تعظیم و تکریم بھی فائدہ دیتی ہے۔ جیسے ابولہب نے حضور علیہ السلام کی ولادت پر ثوبیہ لونڈی کو آزاد کیا تو مرنے کے بعد اسے فائدہ پہنچا۔ (بخاری شریف میں حدیث کی تفصیل موجود ہے)

marfat.com

گفت نے اوّل شما اے ساحران

۱۵۷ـــــــ

افگنید آں مکر ہا را درمیان

ایں قدر تعظیم دیں شاں را خرید

۱۵۸ـــــــ

وزمری آں دست و پا ہا شان برید

۱۵۷۔ ترجمہ : موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا پہلے تم اپنے مکروں کو کام میں لاؤ۔

۱۵۸۔ ترجمہ : اتنی سی تعظیم سے انہوں نے دین کو خرید لیا یعنی اپنا دین بچا لیا اور برابری کی ساتھ اپنے ہاتھ پاؤں کٹوا دیئے۔

پہلے شعر میں آیت : یا موسیٰ ان تلقی واما ان نکون نحن الملقین کی طرف اشارہ ہے۔موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا " تم ڈالو" ۔ فرمان آں نسست کا مطلب یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے حکم کے منتظر رہے۔ اس سے ان کے دل میں موسیٰ علیہ السلام کی تعظیم کا جوہر ظاہر ہوا ۔ جس کی برکت سے وہ دولت ایمان سے نوازے گئے لیکن فرعون کی سزا سے نہ بچ سکے ۔

تفصیل فقیر کی تفسیر " فیوض الرحمٰن " میں دیکھئے ۔

marfat.com

ساحراں چوں قدر او نشناختند

۱۵۹ — دست و پا در جرم آں در باختند

لقمہ و نکتہ است کامل را حلال

۱۶۰ — تو نہٗ کامل مخور می باش لال

۱۵۹۔ ترجمہ: جادوگروں نے جب ان کی قدر نہ پہچانی تو اس جرم میں اپنے ہاتھ پاؤں کھو بیٹھے۔
شرح: یعنی جادوگروں کا حضرت موسیٰ کو عصا ڈالنے میں مقدم رکھنا۔ تھوڑی سی تعظیم تھی۔ اسی کی برکت سے ان سب کو ایمان نصیب ہوگیا۔ لیکن بایں ہمہ چونکہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابل ہوگئے تھے۔ اسی لیے انسان کامل کے مقابلے کی سزا یہ ملی کہ فرعون نے سب کے ہاتھ پاؤں کٹوا کر سولی دلوادی۔ نتیجہ حکایت جادوگران یہ ہے کہ انبیاء و اولیاء اور عارفان کامل سے مقابلہ کرنا یا ان کی ہمسری نہایت نازیبا اور ہلاکت کا باعث ہے۔

۱۶۰۔ ترجمہ: کامل کے لیے نکتہ اور لقمہ حلال ہے۔ تو کامل نہیں ہے شراب نہ پی اور گونگا بنا رہ۔

شرح: لقمہ اور نکتہ کے معنی لذائذ اور حظ نفسانی کے ہیں۔ اس لیے مطلب یہ ہے کہ اے سالک راہِ طریقت تو مرشد کامل کی ہمسری نہ کر کیونکہ کامل کو لذائذ دنیا اور حظِ نفسانی حلال ہیں تجھے حلال نہیں اور جو نکتہ کے معنی باریکی کے لیں تو یہ مطلب ہے کہ تیرے واسطے اظہار اسرار جائز نہیں۔ چنانچہ انا الحق یا سبحانی ما اعظم شانی کہہ اٹھنا کاملین ہی کا حصہ ہے۔ تجھ کو یہ کہنا ہی مناسب نہیں۔

دوسرے مصرعہ کا یہ مطلب ہے کہ تو بادۂ اسرار الٰہی پی کر اس کے ہضم کرنے کی طاقت

(باقی برصفحہ ...)

marfat.com

نہیں رکھتا ساس لیے اسے موتہہ نہ لگا ورنہ بہک کر کلمات کفر بکنے لگے گا۔ چند روز گونگا بن کر مرشد کی باتیں سنا کر۔

چنانچہ سنا ہے کہ حضرت حافظ جمال اللہ ملتانی قدس سرہ جب اپنے شیخ حضرت مہاروی قدس سرہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو اپنے آپ کو لاعلم بنائے رکھا۔ یہاں تک کہ کمال کو پہنچے اور اسرار ربانی سے واقفیت پا کر بچا جانا کاملین کا کام ہے اسی لیے منصور رحمۃ اللہ تعالیٰ پر ان کی ہمشیرہ خفا ہوئیں۔

تفصیل ہم نے "کرامات اولیاء" نامی کتاب میں لکھدی ہے۔

marfat.com

توچو گوشے او زباں نے جنس تو ۱۶۱
گوشہا را حق بفرمود اَنْصِتُوْا

کودک اندر چوں بر آید شیر نوش ۱۶۲
مدتے خاموش بود او جملہ گوش

۱۶۱۔ ترجمہ: جب تو کان ہے اور وہ زبان۔ کانوں کو اللہ کا حکم ہے:
"اَنْصِتُوْا" خاموش ہو جاؤ۔

شرح: یعنی اے سالک تو اسرار کا سننے والا ہے اور مرشد کامل کہنے والا۔ اور چونکہ کان زبان کی جنس نہیں ہیں۔ اس لیے مرشد کامل تیری جنس نہیں ہو سکتا۔ وہ بمنزلہ زبان کے ہے اور تو بمنزلہ کان کے۔ پس تجھ کو زبان بند کر کے اس کی باتیں سننا چاہئیں نہ کہ اپنی زبان سے کچھ کہنا۔

دوسرا مصرعہ اس آیت کی طرف اشارہ ہے:

وَ اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا	یعنی جس وقت قرآن پڑھا جائے تو
لَهٗ وَ اَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ	اسے سنو اور چپ رہو تاکہ تم پر
تُرْحَمُوْنَ۔	رحمت ہو۔

یعنی اس کے اسرار تمہارے دلوں تک پہنچ جاویں اور تم مستوجب رحمت ہو چونکہ اسرار سننے کے سبب دل میں اترتے ہیں اس لیے فہم اسرار کے لیے خاموشی لازم ہے۔

۱۶۲۔ ترجمہ: بچہ جب اوّل پیدا ہوتا ہے تو دودھ پیتا ہے۔ ایک مدت تک چپ رہتا ہے اور تمام باتیں سنتا ہے۔

marfat.com

مدتے میباید ش لب دوختن
۱۶۳ —— از سخن گویاں سخن آموختن۔

تا نیاموزد نگوید از صد یکے
۱۶۴ —— ور بگوید حشو گوید بے شکے

صفحہ گذشتہ سے ؛ شرح : لفظ شیر نوش بچہ کی صفت یا ضمیر بزاید سے حال ہے یعنی چھوٹا بچہ جب دودھ پینے والا ہوتا ہے تو وہ اول اوروں کی باتیں سنتا ہے اور خود کچھ نہیں کہتا۔ اس خاموشی کے یہ معنی ہیں کہ وہ بولنے والوں کی باتیں سن کر سیکھتا ہے تاکہ آئندہ خود بھی اسی طرح سے بولنے لگے۔

۱۶۳۔ ترجمہ: بچے کو ایک مدت تک لب سیئے چاہئیں اور اسے بولنے والوں سے ایک مدت تک بولنا سیکھنا چاہیئے

۱۶۴۔ ترجمہ: جب تک سو باتیں نہیں سیکھ لیتا وہ کچھ نہیں کہتا۔ اگر کچھ بولتا ہے تو بے معنی باتیں کہتا ہے

شرح : یعنی بچہ جب تک دوسروں کی باتیں سن کر خود بولنا سیکھ لے گا۔ سو میں سے ایک بات بھی پوری طرح نہیں کر سکتا اور جو کرتا ہے وہ بھی بیکار اور مہمل ہوتی ہے کہ کوئی بھی اس کی بات نہیں سمجھ سکتا۔

ف : حشو بمعنی بکواس اور بے معنی کلام یعنی وہ بات جو فائدہ سے خالی ہو۔

ف : بعض نسخوں میں پہلے مصرعہ میں "نگوید" کے بعد لفظ "بیشکے" ہے۔ بیش بمعنی زیادہ اور کاف تصغیر کا ہے اور یائے تنکیر کی ہے۔ (حاشیہ امداد)

marfat.com

ورنہ باشد گوش تے تے می کند

۱۶۵ خویشتن را گنگ گیتی می کند

کر اصلی کش نبود آغاز گوش

۱۶۶ لال باشد کے کند در نطق جوش

۱۶۵۔ترجمہ: اور جو بمنزلہ کان کے نہیں تو تے تے کرتا ہے۔ اپنے آپ کو دنیا کا گونگا بناتا ہے۔

شرح: تے تے۔ بفتح تائے فوقانی ایک ایسا لفظ ہے جس کو گانے والے آواز درست کرنے یا تال سُر کا امتحان لینے کے لیے گاتے وقت استعمال کیا کرتے ہیں۔ جس کو ہندی میں ناتا تھئی کہتے ہیں ان الفاظ کے کچھ معنی نہیں ہوتے اور تی تی وہ آواز ہے جس سے پرند جانوروں کے بچوں کو بلاتے ہیں اور یہ لفظ بھی کچھ معنی نہیں رکھتا۔

مطلب شعر یہ ہے کہ اگر لڑکا بہرا ہوگا تو گونگا بھی ضرور ہوگا کیونکہ بچہ میں بولنے کی طاقت سُننے سے آتی ہے۔ بہرے پن میں بچہ سوائے تی تی (کلام بے معنی و مہمل و ناقابل فہم) کے اور کچھ نہیں کہہ سکتا۔ کیونکہ اُسنے کانوں سے سنا ہی نہیں جو زبان سے ادا کر سکے۔

حاجی امداد اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ تی تی بکسر تا مکرر مقصد ظاہر ہے کہ جو شخص ابتدا سے بہرہ ہے وہ لازماً گونگا ہوگا اور تا زیست بولے گا ہی نہیں۔ اگر کچھ بولے گا تو مہمل اور لایعنی کلام کرے گا۔

۱۶۶۔ترجمہ: وہ پیدائشی بہرہ جسے ابتداءً ہی سُننا نصیب نہ ہوا تو وہ گونگا ہی ہے تو پھر اس کے بولنے میں کب جوش آسکتا ہے۔

شرح: گنگ گیتی زمانہ کا گونگا، مادرزاد گنگ اور کر اصلی مادرزاد بہرہ۔ یعنی جو بچہ مادرزاد

marfat.com

زانکہ اوّل سمع باید نطق را

۱۶۷ ———

سُوئے منطق از رہِ سمع اندر آ

صفحہ گزشتہ سے ، بہرہ ہوگا دن گونگا ضرور ہوگا۔ کیونکہ بولنے کے لیے سننا ضروری بات ہے۔

حاصل مطلب پہلے مولانا قدس سرہٗ طالب کو خاموش رہ کر مرشد کامل کے اسرار سننے اور سمجھنے کی ہدایت فرما چکے ہیں۔ اسی مضمون کو یہاں بطور تفہیم ایک مثال میں بیان کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ بچہ پیدا ہونے کے بعد سے ایک عرصہ تک اسی لیے خاموش رہتا ہے کہ ماں باپ کی باتیں سن کر آئندہ بولنے کے لیے سیکھتا رہے۔ یہی سبب ہے کہ مادر زاد بہرا لڑکا ہمیشہ گونگا رہتا ہے یہی حال طالب کا ہے کہ جب تک کلام مرشد کو خاموشی کے ساتھ ایک عرصہ تک نہ سنے گا اور اس سے ہمسری کا دعویٰ نہ چھوڑے گا خود کلام کرنے اور اسرار کہنے کی لیاقت ہرگز پیدا نہ ہوگی اور جو طالب مادر زاد بہرا ہے یعنی اس میں اسرار سن کر اسے قبول کرنے کا فطرتی مادہ نہیں ایسے سے بھید نہ کہنا چاہیئے کیونکہ اس کی فطرتی بے نصیبی اسرار سننے کی لیاقت نہیں رکھتی اور نہ وہ آئندہ اسرار کہنے پر قادر ہوسکے گا۔

حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ جس کی استعداد ہی فاسد ہے تو اس کا اول سمع قبول سے محروم ہے۔ پھر ایسا آدمی اسرار و رموز کی باتیں نہ بنا سکے گا۔ اگر کچھ کہے گا تو لایعنی اور جو اس کی لایعنی باتوں پر عمل کرے گا تو خائب و خاسر ہوگا۔ یہ پہلے مضمون کی تاکید ہے۔

۱۶۷۔ ترجمہ: اس لیے کہ بولنے سے پہلے سن لینا ضروری ہے۔ سماعت کی راہ سے خانۂ نطق میں آ۔

حل لغات: خانۂ نطق میں آ یعنی گویا ہو اور منطق بمعنی گویائی۔

(باقی آئندہ صفحہ پر)

marfat.com

ادخلوا الابیات من ابوابہا

۱۶۸

واطلبوا الرزاق من اسبابہا

صفحہ گذشتہ سے ، شرح : یعنی بولنے کے لیے پہلے سُن لینا ضروری ہے ۔ اس لیے خانۂ نطق میں پہلے سماعت کی راہ سے اندر آنا پڑے گا ۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ کوئی شخص بغیر سُنے ہوئے بول لے ۔ کیونکہ سُننے والے ہی بولنے والے ہوتے ہیں اور جو سنتے نہیں وہ بولتے بھی نہیں ۔ اگلا شعر اسی کی مثال میں ہے :

۱۶۸ ۔ ترجمہ : گھروں میں ان کے دروازوں سے داخل ہوؤ اور رزق کو اسباب سے ڈھونڈو ۔

شرح : یعنی جو شخص دروازہ کی راہ سے گھر میں داخل نہ ہو بلکہ دروازہ چھوڑ کر دیوار کود کر آئے ۔ اس کو کیا کہیں گے یا جو کوئی رزق کو سبب سے نہ تلاش کرے بلکہ یہ چاہے کہ مجھ کو بلا کسی سبب کے رزق ملے ۔ اس کی نسبت کیا خیال کریں گے ۔ چونکہ نطق کا دروازہ سماعت ہے اس لیے بلا سُنے ہوئے بولنے لگے ۔ وہ کون سمجھا جائے گا یا جو بلا شاگرد ہو اور استادی کا دعویٰ کرے ۔ وہ لوگوں کی نظروں میں کیسا معلوم ہوگا ۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ

خلاصہ کلام یہ ہے کہ ہر شئے کو درجہ بدرجہ حاصل کرنا چاہیئے ۔ یعنی پہلے دروازہ میں داخل ہو پھر گھر میں ۔ پہلے رزق کا سبب مہیا کرو پھر روزی حاصل کرو ۔ پہلے کلام مرشد کو سنو پھر بولنا سیکھو پہلے خدمت کرو پھر مخدوم بنو ۔ یہی وجہ ہے کہ دورِ سابق میں مرشد کی تلاش میں زندگیاں گذار دی جاتی تھیں اور استادی کی مسند پر جان کی بازی لگا دی جاتی تھی ۔ خلاصہ یہ کہ ہر شئے کو درجہ بدرجہ حاصل کرنا چاہیئے ۔ پہلے دروازہ میں داخل ہو پھر گھر میں ۔ پہلے سبب روزی حاصل کر پھر روزی ۔ پہلے کلام مرشد کو سُننا چاہیئے پھر بولنا ۔ پہلے باب مجاہدہ و ریاضت ہے پھر رزق مشاہدہ و معرفت ۔ پہلے خدمت ہے پھر عظمت ۔ یہ شعر اسی مضمون کی دوسری مثال ہے ۔

marfat.com

نطق کان موقوف راہ سمع نیست
۱۶۹ ———
جز کہ نطق خالق بے طمع نیست

مبدع ست و تابع اُستادنہ
۱۷۰ ———
مسند جملہ و را اُسنادنہ

۱۶۹۔ ترجمہ : ایسا نطق جو راہ سماع پر منحصر نہ ہو۔ سوائے نطق خدائے بے طمع کے نہیں ہے۔

شرح : بے طمع بے احتیاج سمع۔ یہ پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ آدمی کا بولنا سننے پر موقوف ہے۔ مگر یہاں مولانا رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ ایک ایسا بولنا بھی ہے جو سننے پر موقوف نہیں ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کا نطق ہے جو خالق اور بے احتیاج ہے یعنی اس کے بولنے کو اس کی حاجت نہیں ہے کہ وہ کسی سے سن کر سیکھے

۱۷۰۔ ترجمہ :

وہ مبدع اشیاء ہے اور کسی اُستاد کا تابع نہیں۔ سب کا سہارا ہے اور کسی کا سہارا نہیں ڈھونڈتا۔

شرح :

مبدع یعنی بلا نمونہ سابق اشیاء کا ایجاد کرنے والا مسند تکیہ گاہ از جمع اسناد سہارا ڈھونڈنا۔ یعنی اللہ تعالیٰ یا اس کا نطق جس سے کلمہ کن مراد ہے ایسا موجد اشیاء ہے کہ جس کو نہ کسی استاد کی ضرورت ہے نہ کسی معلم کی۔ کیونکہ تمام موجودات کا تکیہ گاہ اور خود کسی چیز کا سہارا نہیں ڈھونڈتا۔

marfat.com

باقیاں ہم در حرف ہم در مقال
۱۷۱ تابع استاذ و محتاج مثال

زیں سخن گر نیستی بیگانۂ
۱۷۲ دلق واشکے گیر در ویرانۂ

۱۷۱۔ ترجمہ: باقی سب کام ہیں اور کلام میں بھی۔ استاد کے تابع اور مثال کے محتاج ہیں۔

حل لغات: باقیاں اس سے غیر حق مراد ہے۔ حرف بکسر حاء مہلہ و فتح راء مہلہ جمع حرف بمعنی پیشہ۔

شرح: اللہ تعالیٰ کے سوا گفتگو ہو یا کوئی پیشہ سب استاد کے تابع اور مثال کے محتاج ہیں۔ کوئی کام بلا تعلیم اور کوئی بات بلا مثال سمجھ میں نہیں آسکتی۔ وہ محتاج مثال اس لیے کہ اس کا سمجھنا سمجھانا مثال کے ذریعے آسان ہوتا ہے۔

۱۷۲۔ ترجمہ: اس سخن سے اگر تم بیگانہ ہو تو گودڑی اور آنسو لے کر ویرانہ میں چلے جاؤ۔

شرح: اس سے پہلے سالک کو مرشد سے ہمسری کرنے کی بابت تنبیہہ کی گئی تھی۔ اب مولانا علیہ الرحمۃ وہ بات بیان فرماتے ہیں جو ابتدائے سلوک میں سالک کو کرنی چاہئیے اور جس کا عملدرآمد اس پر فرض ہے۔ مطلب شعر یہ ہے کہ اے طالب اگر گفتگوئے اسرار سے تجھ کو لگاؤ ہے تو ادھر آ ہم ایک بھید کی بات بتاتے ہیں کہ تو لباس فکر اور اشک کو ساتھ لے کر ویرانہ میں چلا جا یعنی دنیا کو چھوڑ اور خلوت میں بیٹھ کر گریہ و زاری کر اور اپنے افعال سے باز آ۔ اور اشکوں سے غسل کر کے پاک صاف ہو۔ اس وقت دربار حضور کے قابل ہو جائے گا۔

marfat.com

زانکہ آدم زاں عتاب از اشک رست
۱۷۳ ———— اشک تر باشد دم توبہ پرست

بہر گریہ آدم آمد بر زمین
۱۷۴ ———— تابود گریاں و نالاں و حزیں

۱۷۳۔ ترجمہ : اس لیے کہ آدم علیہ السلام نے اس عتاب محبوبانہ اور آنسو بہائے ۔ چھٹکارا پایا ویسے توبہ کرنے والے کو آنسو کی بات یہی اشک تر ہے۔

شرح : یعنی حضرت آدم علیہ السلام کی خطا رونے ہی کے سبب معافی ہوئی تھی۔ کیونکہ گنہگار کے آنسو باعث رحمتِ الٰہی ہیں اور یہی آنسو توبہ کرنے والے کی زبان بن جاتے ہیں۔ وہ اسی باتاثیر زبان (اشک) سے توبہ کیا کرتا ہے

۱۷۴۔ ترجمہ : گریہ کے لیے آدم علیہ السلام زمین پر تشریف لائے تاکہ گریہ کناں اور نالاں و غمگین رہیں۔

شرح : یعنی آدم علیہ السلام کے زمین پر تشریف لانے کی غرض و نمایت صرف ان سے گریہ و زاری دیکھنا ہے ورنہ عبادت کے لیے ملکوت کچھ کم نہیں۔ کسی نے کیا خوب فرمایا : ؎

دردِ دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو ورنہ طاعت کے لیے کچھ کم نہ تھے کروبیاں

اللہ تعالیٰ نے بایزید بسطامی قدس سرہٗ کو فرمایا کہ میرے نزدیک گریہ و زاری سے اور کوئی شے محبوب تر نہیں۔ اس پر بایزید قدس سرہٗ نے عرض کی ۔ ؎

چار چیز آوردہ ام شاہا کہ در گنج تو نیست
ہیکسی و ناکسی عجز و گناہ آوردہ ام

marfat.com

آدم از فردوس و از بالائے ہفت

۱۷۵—————

پائے ماچان از برائے عذر رفت

گر ز پشت آدمی و ز صلب او

۱۷۶—————

در طلب میباش ہم در ثُلب او

۱۷۵۔ ترجمہ : آدم علیہ السلام جنت الفردوس اور ساتوں آسمانوں سے زمین پر تشریف لائے، عذر تقصیر کے طور معذرت کے لیے بارگاہ حق حاضر ہوئے۔

شرح : پائے ماچان : درویشوں کی ایک رسم ہے کہ خطا کار درویش کو جوتیوں کی صف میں اس کے ہاتھ سے اس کا ایک کان پکڑوا کر ایک ٹانگ سے کھڑا کر دیتے ہیں۔ یہاں پائے ماچان بمعنی عذر تقصیر ہے اور ہفت سے مراد سات آسمان ہیں یعنی حضرت آدم بہشت سے صرف عذر کرنے کے لیے زمین پر آگئے تھے۔ اے اولاد آدم تیری حالت پر افسوس کہ توبہ سے اس قدر غافل ہے۔

۱۷۶۔ ترجمہ : اگر تو آدمی کے نطفہ اور اس کی پشت سے ہے۔ خدا کی طلب میں اور آدم کے گروہ میں رہ۔

حل لغات : ثُلب بالضم بمعنی طائفہ و گروہ۔ یعنی تو اگر نطفۂ آدم ہے تو خدا کی طلب اور اس کے گروہ میں رہا کر۔

marfat.com

زِ آتشِ دل و آبِ دیدہ نقل ساز

۱۷۷ــــــــــ

بوستان از ابر و خورشید ست تاز

تو چہ دانی ذوقِ آب اے شیشہ دل

۱۷۸ــــــــــ

زانکہ ہمچوں خرشدی تو پا بگل

۱۷۷۔ ترجمہ : دل کی آگ اور چشم تر سے نقل بنا۔ کیونکہ باغ سورج اور مینہہ سے تازہ رہتا ہے۔

شرح : نقل اس ترش یا نمکین چیز کو کہتے ہیں جو خراب پینے کے بعد کھائی جائے۔ یعنی اے طالب نور باطن! دل اور اشک دیدہ کو اپنا نقل بنا لے۔ اس سے تیرے دل کو فرحت ہوگی۔ کیونکہ جس طرح دھوپ اور ابر سے باغ تر و تازہ رہتا ہے۔ اسی طرح دل و دماغ سوزِ دروں اور اشک دیدہ سے شاداب بن جاتا ہے۔ تاز تازہ کا مخفف ہے۔ بعض نسخوں میں تاز کی جگہ باز دیکھا گیا بمعنی کشادہ۔ یعنی باغ کا دروازہ ابر و خورشید کے ہی سبب کھلتا ہے ورنہ بند رہتا ہے۔ اس لیے کہ خزاں میں کوئی سیر کے لیے نہیں آتا۔

۱۷۸۔ ترجمہ : اے نازک مزاج انسان تجھے پانی کے ذائقہ کا کیا پتہ جبکہ تو گدھے کی طرح کیچڑ میں لت پت ہے۔

شرح : حاجی امداد اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ شیشہ دل سے نازک مزاج مراد ہے۔ وہ نازک مزاج جو ریاضت و مجاہدہ کی تاب نہیں لا سکتا۔ اس اعتبار سے اسے نازک مزاج کہنا طنزاً ہوگا۔ اور پا بگل سے دنیوی تعلقات مراد ہیں۔ یعنی جب تم ریاضت و مجاہدۂ نفس سے گھبراتے ہو اور دنیوی تعلقات میں پھنسے ہو تو پھر تمہیں معرفت الٰہی کی چاشنی کیسے حاصل ہو۔

marfat.com

تو چہ دانی ذوقِ آبِ دیدگان

۱۷۹ ——— عاشقِ نانے تو چوں نادیدگان

گر تو ایں انبان ز نان خالی کنی

۱۸۰ ——— پُر ز گوہر ہائے اجلالی کنی

۱۷۹۔ ترجمہ: آنسو بہانے والوں کے حال کا تمہیں کیا علم۔ تم تو بھوکوں مفلسوں کی طرح روٹی کے عاشق ہو۔

شرح: حاجی امداد اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ نادیدگان سے وہ مفلس مراد ہیں، جنہوں نے کھانا نہ دیکھا ہو۔ یعنی تم کھانے پینے میں مست ہو تمہیں عاشقانِ الٰہی کے دردِ عشق کا کیا پتہ۔

۱۸۰۔ ترجمہ: اگر تم اس پیٹ کے مشکیزے کو طعام سے خالی رکھو گے تو پھر اسے انوارِ ربانی سے پُر پاؤ گے۔

حل لغات: انبان پکا ہوا چمڑہ۔ فقیروں کا زنبیل جو چمڑے کا ہوتا ہے۔ مشکیزہ سے یہاں پیٹ مراد ہے۔ اجلالی یعنی روشن۔ ان گوہر ہائے جلالی سے حقائق معرفتِ الٰہی مراد ہے۔

شرح: انوارِ ربانی بلکہ خود ذاتِ صمدانی کا مرکز قلبِ انسانی ہے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے لیکن یہ مرکز طعام زیادہ کھانے سے تاریک ہو جاتا ہے جس میں انوارِ حق کا پہنچنا ناممکن ہے۔ اسی لیے بزرگانِ دین نے پیٹ کو طعام سے خالی رکھنے پر بہت زیادہ زور دیا ہے۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

marfat.com

اندروں از طعام خالی دارد
تا درو نور معرفت بینی

حاجی امداد اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے حدیقۃ الحقیقۃ سے مندرجہ ذیل اشعار لکھے ہیں :-

اولیں سدرہ آدم
بود نائے گلو و طبل شکم
آب چنداں مخور کہ ریگ نہ
تا گلو بر مخور کہ دیگ نہ
گر خوری بیش پیل باشی تو
کم خوری جبریل باشی تو

کسی نے اردو میں اسے یوں ادا کیا :-

پیٹ اگر خالی نور امین ہے
جو بھرا ہے خانۂ کچرگیں ہے

ف :

حاجی صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ انبان در اصل بکری کے بچے کی کھال کو کہتے ہیں جسے خشک کر کے قلندر حضرات کمر میں باندھتے ہیں۔ اس میں اپنے کھانے کی مختلف چیزیں ڈالتے رہتے ہیں اسے کشکول کہا جاتا ہے۔ یہاں پر پیٹ مراد ہے۔

(شرح ولی محمد مرحوم و بحر العلوم)

marfat.com

۱۸۱ طفل جاں از شیر شیطاں باز کن
بعد ازانش با ملک انباز کن

۱۸۲ تا تو تاریک و ملول و تیرہٗ
داں کہ با دیو لعین ہمشیرہٗ

۱۸۱۔ ترجمہ : طفل جان کو شیطان کے دودھ سے بچا پھر اسے ملائکہ کے ہم پلہ دیکھ۔

شرح : طفل جان کو شیر شیطان سے باز رکھنے کا یہ مطلب ہے کہ اپنے کو لہو ولعب کی باتوں سے بچا جو شیطانی ہیں۔ اگر تو اپنی جان شیطان کے کاموں سے محفوظ کرلے گا تو تیری جان ان فرشتوں کے ہم پلہ ہو جائے گی جو مقرب خدا ہیں اور آسمانوں پر سیر کرتے رہتے ہیں چنانچہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا شب معراج کو حضور علیہ السلام کا بہشت میں دیکھنا ہمارے اس دعویٰ کی بہترین دلیل ہے اور سیدنا امام غزالی اور سیدنا اویس قرنی اور حضرت غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا شب معراج حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہونا اسی کے مطابق تھا۔ اگرچہ وہ عالم مثال کے اعتبار سے تھا لیکن پھر پرواز کو تو دیکھئے۔

ف : حاجی امداد اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ شیر شیطان سے لذات نفسانی یا افعال شیطانی مراد ہیں یا وہ مباحات جن کے ارتکاب سے نفس کو حظ حاصل ہوتا ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ جان در اصل ملک ہے اگر وہ شیر شیطان کو ترک کردے تو وہ اپنے اصل کی طرف رجوع کرے گی۔

۱۸۲۔ ترجمہ : جب تک کہ تیرا دل ملول اور تاریک ہے اس کو شیطان لعین کی ہمشیرہ سمجھ۔

(باقی آئندہ صفحہ پر)

marfat.com

لقمہ کو نور را افزود و کمال

۱۸۳ ————

آں بود آوردہ از کسب حلال

صفحہ گذشتہ سے : شرح : حاجی امداد اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سے بظاہر ایسے معلوم ہوتا ہے کہ شیطان کا وجود خارج میں نہیں بلکہ یہی انسان کبھی ابلیس ہوتا ہے اور کبھی فرشتہ وغیرہ لیکن یہ توہم ہے۔ ہمارا یہ عقیدہ نہیں بلکہ ہمارا عقیدہ ظاہر ہے کہ ہم ابلیس اور ملائکہ کا وجود خارج میں مانتے ہیں۔ باقی رہے شیطان اور ابلیس کہ وہ کیا شے ہیں۔ اس کے متعلق یہی یہی فرمایا کہ شیطان ایک حقیقت ہے وہ گمراہ کرنے کے لیے پیدا کیا گیا ہے اور عالم مجردات سے ہے اور وہ اس عالم میں موجود ہے۔ وہ عالم مثال میں مختلف شکلوں میں متشکل ہو سکتا ہے اور اس کا اسے اختیار کامل ہے اور وہ ہر ایک سے گفتگو کر سکتا ہے جس طرح چاہتا ہے۔ چونکہ انسان حقیقت جامعہ ہے اور حقیقت شیطانیہ بھی اس میں موجود ہے۔ پھر جب اس قوت کا قلب پر اثر پڑتا ہے تو وہ وسوسۂ شیطانی قبول کر لیتی ہے۔ مولانا کی مراد بھی یہی ہے کہ اے انسان تم شیطان کی ہر بات قبول کر لیتے ہو۔

۱۸۳۔ ترجمہ : وہ لقمہ جس سے نور و کمال انسانی میں اضافہ ہوتا ہے۔ وہ حلال لقمہ ہے جو کسب حلال سے حاصل ہو۔

شرح : اس سے پہلے سبق دیا کہ گریہ و زاری بکثرت کرو۔ اب کسب و لقمہ حلال کی تلقین فرماتے ہیں اور واقعی لقمہ حلال تمام اعمال سے مقدم ہے۔ کیونکہ یہ بمنزلہ بیج کے ہے اور بیج صحیح ہو تو ثمر بہتر حاصل ہوتا ہے ورنہ ثمر بیکار اور محنت ضایع۔

marfat.com

روغنے کاید چراغ ما کشد ——— ۱۸۴
آب خوانش چوں چراغے را کشد

علم و حکمت زاید از لقمہ حلال ——— ۱۸۵
عشق و رقت زاید از لقمہ حلال

چوں ز لقمہ تو حسد و بینی ودام ——— ۱۸۶
جہل و غفلت زاید آں را دان حرام

۱۸۴۔ ترجمہ : جس تیل سے کہ ہمارا چراغ گل ہو جاوے اس کو پانی کہنا چاہیئے کیونکہ چراغ کو جلنے نہیں دیتا۔

شرح : یعنی جو تیل کہ چراغ بجھاوے وہ تیل نہیں بلکہ پانی ہے۔ اسی طرح وہ لقمہ جس سے قلب روشن نہ ہو اگرچہ ظاہر میں کتنا ہی لذیذ اور مرغن ہے تاہم باطن میں اچھا نہیں۔ کیونکہ اس کے کھانے سے دل کا نور کافور ہو جائے گا۔ اگر وہ حلال کی کمائی کا نہیں ہے نہ اس سے کوئی روحانی فائدہ حاصل ہوگا۔

۱۸۵۔ ترجمہ : علم و حکمت حلال لقمہ سے پیدا ہوتا ہے۔ عشق اور رقت قلبی لقمہ حلال سے پیدا ہوتا ہے۔

۱۸۶۔ ترجمہ : جب تم لقمہ سے ہمیشہ حسد و فریب دیکھو اور ایسے لقمہ سے جہل و غفلت پیدا ہوتی ہے تو یقین جانو کہ وہ لقمہ حرام ہے۔

شرح : یہاں پر دام بمعنی فریب ہے یعنی جس لقمہ سے حسد و فریب اور جہل و غفلت پیدا ہو لقمہ حرام سمجھو۔ اگرچہ وہ ظاہر حلال اور طیب ہو۔

marfat.com

ہیچ گندم کارے و جَو بر دہد
۱۸۷ــــــــ
دیدۂ اسپے کہ کرہ خر دہد

۱۸۷۔ ترجمہ : یہ نہیں ہو سکتا کہ تو گیہوں بوئے اور جو نکلیں ۔ تو نے کوئی گھوڑی دیکھی ہے کہ جس سے گدھے کا بچہ پیدا ہوا ہو ۔

شرح :

یہ شعر مضمون سابق کی مثال ہے۔ یعنی یہ نہیں ہو سکتا کہ کوئی شخص گیہوں بوئے اور زمین سے جو اگیں یا دنیا میں کوئی گھوڑی ایسی نہیں ہے کہ جس کے پیٹ سے گدھے کا بچہ پیدا ہوا ہو ۔ اچھے تخم کا اچھا پھل اور برے تخم کا برا پھل ہوتا ہے۔

اسی طرح لقمۂ حلال کا بھی نتیجہ ہر حالت میں اچھا ہوگا اور لقمہ حرام کا نتیجہ ہر طور پہ خراب ہی نکلے گا ۔ حرام لقمہ کھانے والے کو نیک کام کی رغبت نہیں ہوتی کیونکہ اس کی حرام ہی سے نشوو نما ہو رہی ہے اور حلال کی کمائی کا لقمہ کھانے والے بدی سے الگ رہتے ہیں کیونکہ ان کی نشوو نما حلال سے ہوتی ہے ۔

ف :

چونکہ روٹی جزو بدن بنتی ہے اس لیے اکل حرام کھانے والے سے برائیاں سرزد ہوں گی اور اکل حلال کھانے والے سے نیکیاں عمل میں آئیں گی ۔ یہی وجہ ہے کہ اولیاء کرام کسب کر کے کھاتے تھے ۔

marfat.com

لقمہ تخم است و برش اندیشہ ہا
۱۸۸
لقمہ بحر و گوہرش اندیشہ ہا

زاید از لقمہ حلال اندر دہان
۱۸۹
میل خدمت عزم رفتن آں جہاں

۱۸۸۔ ترجمہ : لقمہ تخم ہے اور اندیشہ اس کا پھل ہے۔ لقمہ بحر ہے اور اسکے موتی فکر۔

شرح : اندیشہ سے فکر اور اندیشہ ہا سے اس کی جمع افکار مراد ہے۔ یعنی لقمہ کی مثال ایسی ہے جیسے کسی چیز کا تخم اور اس تخم کا پھل افکار ہیں۔ پس اگر آدمی نے حلال کا لقمہ کھایا ہے تو وہ نیکیوں کی فکر میں رہے گا اور اگر حرام کا مال کھایا ہے تو بدیوں کی فکر میں رہے گا۔ باعتبار اس کے ہر شخص کے حلال و حرام لقمہ کا حال اس کے تفکرات سے معلوم ہو سکتا ہے۔ کیونکہ اگر کوئی شخص برائیوں کی طرف راغب ہو تو سمجھ لینا چاہیئے کہ یہ اکل حلال نہیں کھاتا اور نیکیوں کی جانب مائل ہو یا اس سے اچھے کام سرزد ہوں تو جان لو کہ اس کی روزی اکل حلال کی ہے۔ پہلے مصرعہ میں تخم کے لیے بر آیا ہے اور دوسرے میں بحر کے لیے گوہر۔ مطلب دونوں کا ایک ہے اور یہ مضمون سابق کی دوسری مثال ہے۔

۱۸۹۔ ترجمہ ۔

حلال کے لقمہ سے شکم میں پیدا ہوتی ہے : خواہش اور قصد اس جہان کیطرف جانے کی۔

marfat.com

زاید از لقمۂ حلال اے مہ حضور

۱۹۰—

در دل پاک تو و در دیدہ نور

این سخن بایان ندارد اے کیا

۱۹۱—

بحث بازرگان و طوطی کن بیا

---

۱۹۰ - ترجمہ :

اے ماہ لقمہ حلال سے پیدا ہوتے ہیں۔ تیرے دل پاک میں حضور قلب اور آنکھوں میں نور۔

شرح :

یعنی حلال کے لقمہ سے میل خدمت (رغبت عبادت) اور عزم سفر آخرت یا معراج معنوی نصیب ہوتی ہے۔ اور اسی سے حضور قلب اور دل و دیدہ کو نور حاصل ہوتا ہے۔ اے مہ سے مخاطب مراد ہے جس کو چاند کہا گیا ہے اور یہ پیار کا کلمہ ہے۔ جیسے کسی دوست اور پیارے کو گفتگو کے وقت کہا جاتا ہے۔

۱۹۱ - ترجمہ :

حضرت یہ سخن تو انتہا رکھتا۔ آئیے سوداگر اور طوطی کا قصہ بیان فرمائیے۔

شرح :

کیا بمعنی پاکیزہ اور شخص بزرگ ہے۔ یعنی اے مخاطب بزرگ ہم اب پھر طوطی و سوداگر کی داستان کی طرف آتے ہیں۔

marfat.com

باز گفتن بازرگان با طوطی آنچہ در ہندوستان دیدہ بود

۱۹۲— کرد بازرگان تجارت را تمام
باز آمد سوئے منزل شاد کام

۱۹۳— ہر غلامے را بیاورد ارمغان
ہر کنیزک را بخشید او نشان

۱۹۴— گفت طوطی ارمغان بندہ کو
آنچہ دیدی آنچہ گفتی باز گو

ترجمہ : سوداگر کا طوطی کا وہ منظر بیان کرنا جو اس نے ہندوستان میں دیکھا۔

۱۹۲۔ ترجمہ : سوداگر نے جب تجارت کا کام مکمل کر لیا اپنے گھر کو شادکام واپس لوٹا۔

۱۹۳۔ ترجمہ : ہر ایک غلام کا تحفہ لایا۔ ہر لونڈی کو اس کا نشان بخشا۔

۱۹۴۔ ترجمہ : طوطی نے کہا میرا تحفہ۔ بندہ کا تحفہ کہاں ہے۔ جو کچھ آپ نے دیکھا اور فرمایا مجھے بتائیے۔

شرح : نشان بالکسر بر وزن نہاں اور نشان علم فرج و فرمان مگر یہاں بمعنی عطا و یادگار ہے جس کو نشانی کہتے ہیں یعنی سوغات و تحفہ۔

marfat.com

گفت نے من خود پشیمانم ازاں
۱۹۵ دست خود خایان انگشتان گزاں

من چرا پیغام خامی از گزاف
۱۹۶ بردم از بیدانشی وا از نشاف

---

۱۹۵ ۔ ترجمہ : سوداگر نے کہا میں خود اس حال سے پریشان ہوں (اس سے) اپنے ہاتھ چباتا اور انگلیاں کاٹتا ہوں ۔

شرح : کیونکہ اس نے وہ حال جو دیکھا تھا اس کے پیغام سنانے سے ہوا اور سمجھا یہ کہ اس طوطی کی موت کا سبب میں بنا ہوں ۔ اگر میں اسے یہ پیغام نہ پہنچاتا تو وہ طوطی نہ مرتا ۔

۱۹۶ ۔ ترجمہ : کہ میں کس لیے خام اور بیہودہ پیام بے عقلی و دیوانگی سے لے گیا تھا ۔

شرح : جب سوداگر ہندوستانی تحائف ہر مانگنے والے کو دے چکا تو طوطی نے اپنے تحفہ کی بابت سوال کیا تھا کہ لائیے صاحب میرا تحفہ کہاں ہے ۔ یعنی کیا تم نے میرا پیغام ہند کی طوطیوں کو پہنچا دیا ۔ اگر پہنچا دیا تو انہوں نے کیا جواب دیا ۔ سوداگر نے کہا کہ اے طوطی تو اپنے پیام و سلام کی بابت کچھ نہ پوچھ ۔ میں تیرا پیام لے جا کر سخت پشیمان اور اس کو اپنی دیوانگی خیال کر کے اپنے دانتوں سے اپنے ہاتھ کاٹتا ہوں کہ ایسا پیغام میں نے کیوں کہا ۔ جس سے سخت ندامت اٹھانا پڑی ۔

ف : نشاف بالفتح و تخفیف و جنون و نادانی و خبط ۔

marfat.com

گفت اے خواجہ پشیمانی ز چیست
۱۹۷ —— چیست آں کین خشم و غم را مقتضی است

گفت گفتم آں شکایتہائے تو
۱۹۸ —— با گروہ طوطیاں ہمتائے تو

۱۹۹ —— آں یکے طوطی ز دردت بوئے برد
زہرہ اش بدرید و لرزید و بمرد

۱۹۷۔ ترجمہ: کہا اے آقا پشیمانی کس لیے ہے۔ وہ کیا بات تھی جو اس غم و غصہ کی مقتضی ہوئی۔
شرح: طوطی نے کہا کہ اے میرے آقا پشیمانی کی کونسی وجہ ہے اور وہ کیا بات ہے کہ جس سے تم کو اس قدر غم و غصہ ہے کہ اپنے ہاتھ کاٹتے اور لب چباتے ہو۔
۱۹۸۔ حل لغات: ہمتائے تو یعنی ہمچنیں۔
ترجمہ: جواب دیا کہ میں نے تیری وہ شکایتیں تیری مانند طوطیوں کے گروہ سے کہی تھیں۔
۱۹۹۔ ترجمہ: ان میں کا ایک طوطی تیرے درد کو پا گیا۔ اس کا پتہ پھٹا کانپا اور مر گیا۔
شرح: سوداگر نے کہا کہ اے طوطی میں تیرے پیام کو اس لیے دیوانگی اور اپنا جنون خیال کرتا ہوں کہ اس سے ایک بے گناہ کی جان گئی۔ کیونکہ میں نے تیری وہ شکایتیں ہند کے طوطیوں کے ایک گروہ سے بیان کی تھیں۔ جن میں کا ایک طوطی تیرے درد مصیبت کو پا گیا۔ اور وہ اس سے ایسا متاثر ہوا کہ پیام کے سنتے ہی اس کا پتہ پھٹ گیا اور وہ مر گیا۔

marfat.com

۲۰۰ — من پشیمان گشتم ایں گفتن چہ بود
لیک چوں گفتم پشیمانی چہ سود

۲۰۱ — نکتہ کان جست ناگہ از زبان
ہمچو تیرے دان کہ جست او از کمان

۲۰۲ — وانگردد از رہ آن تیر اے پسر
بند باید کرد سیلے را ز سر

۲۰۰۔ ترجمہ: میں پشیمان ہوا کہ یہ کہنا کیا کہنا تھا لیکن جب کہہ چکا تو پشیمانی بے فائدہ ہے۔
شرح: یعنی میں اس لیے پشیمان ہوں کہ یہ بات بھی کچھ بات تھی مگر جب کہہ چکا تو اب پشیمانی بے فائدہ ہے۔ خلاصہ یہ کہ ایسی بات کہنے کے لائق نہ تھی۔
۲۰۱۔ ترجمہ: وہ نکتہ جو زبان سے اچانک نکل گیا۔ اس تیر کی طرح سمجھیے جو کمان سے نکل جائے۔
شرح: یہ شعر تاجر اور مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا مقولہ ہو سکتا ہے یعنی سوداگر کہتا ہے کہ میں اپنے کہے سے پشیمان ہوں لیکن جب کہہ چکا تو پھر پشیمانی فضول۔ اس لیے کہ منہ سے نکلی ہوئی بات ایسے ہے جیسے تیر کمان سے نکل جائے۔
۲۰۲۔ ترجمہ: اے عزیز گیا ہوا تیر واپس نہیں آسکتا۔ سیلاب کو پہلے سے ہی بند کرنا چاہیے۔
شرح: زسر بمعنی از ابتدا اور سیل پانی کی رَو کو کہتے ہیں یعنی زبان سے نکلی ہوئی بات سیل کی مانند ہے۔ جب ابتدائی حالت سے گذر گئی تو سارے جہان کو ہلاک کر دیگی علیٰ ہذا القیاس زبان کو اوّل ہی روکنا چاہیے ورنہ بعض بات انجام کار ہلاکت اور فساد عظیم کا باعث

چوں گذشت از جہانے را گرفت

۲۰۳ گر جہاں ویراں کند نبود شگفت

فعل را در غیب اثر ہا زادنے ست

۲۰۴ واں موالیدش بحکم خلق نیست

۲۰۳۔ ترجمہ: جب سر سے گزر گیا تو پھر سارے جہان کو ڈبو دے گا۔ اگر وہ اس پر سارے جہان کو ویران کر دے تو تعجب مت کرو۔

۲۰۴۔ ترجمہ: فعل کے غائبانہ اثرات پیدا ہوتے ہیں اور اس کے یہ اثرات مخلوق کی وجہ سے نہیں۔

شرح: یہاں سے مولانا قدس سرہٗ نے اک بڑے نکتہ کی تمہید شروع کی ہے۔ یعنی تاجر نے طوطی کے مرجانے کو اپنا فعل کہا ہے حالانکہ یہ خدا کا فعل تھا۔ علیٰ ہٰذا القیاس دیگر تمام افعال کا حال ہے یہاں یہ شبہ پڑتا ہے کہ کفر اور قتل اور زنا و دیگر محرمات کے سبب بندہ قابل عذاب کیوں ہوتا ہے۔ ان اشعار میں اس شبہ کا جواب دیا گیا ہے اور مطلب شعر یہ ہے کہ جو فعل آدمی سے صادر ہوتا ہے۔ عالم غیب میں اس کا اثر یعنی نتیجہ ضرور مرتب ہوتا ہے۔ اگر فعل نیک ہے تو نتیجہ بھی نیک ہوگا اور اگر بد ہے تو نتیجہ بھی بد ہوگا بلکہ یہ سمجھیے کہ وہی فعل اچھی یا بری صورت میں مصور ہو جاتا ہے مثلاً طاعات و عبادات جنت اور حور و قصور کی صورت میں اور معاصی و فسق و کفر دوزخ اور نار و مار کی صورت میں ہر مکلف اپنے افعال سے ثواب حاصل کرے گا یا معذب ہوگا۔ کیونکہ الدنیا مزرعۃ الآخرۃ (دنیا آخرت کی کھیتی ہے) اور حدیث شریف میں ہے:

حفت الجنۃ بالمکارہ و یعنی جنت مشقت کی چیزوں سے

(بقیہ بر صفحہ آئندہ)

marfat.com

۲۰۵ — بے شریکے جملہ مخلوق خدا است
آں موالیدار چہ نسبت شان بماست

۲۰۶ — زید پرانید تیرے سوئے عمرو
عمرو را بگرفت تیرش ہمچو نمر

صفحہ گزشتہ سے:
حفت النار بالشہوات۔ اور دوزخ خواہشوں سے ڈھانکی گئی ہے۔

پس تو ہر فعل کا نتیجہ کرنے والے کو ضرور ملے گا ورنہ عدالت خداوندی کے معنی صادق نہیں آتے۔

دوسرے مصرعہ میں موالید جمع مولود یعنی فرزندان ہے جس سے بندوں کے افعال اور ان کے نتیجے مراد ہیں۔ مطلب یہ کہ گو ہمارے افعال کے نتیجے عالم غیب میں ضرور پیدا ہوتے ہیں۔ لیکن افعال بھی اور ان کے نتیجے بھی محکوم خلق نہیں ہیں بلکہ خدا کے حکم سے پیدا ہوتے ہیں۔ کیونکہ بندہ خالق افعال نہیں ہے۔ لفظ موالیدش میں ضمیر شین فعل کی طرف راجع ہے۔

۲۰۵۔ ترجمہ: یہ سب بے شریک خدا مخلوق ہیں۔ وہ موالید بھی اگرچہ ان کی نسبت ہماری طرف ہے۔

شرح: یعنی یہ موالید (افعال اور ان کا نتیجہ) گو ہماری طرف منسوب ہیں لیکن فی الواقع ان کا خالق اللہ وحدہٗ لاشریک ہے مگر چونکہ ہر شخص اپنے افعال کا نتیجہ خرب جانتا ہے۔ اسی لیے افعال کی طرح نتیجے بھی اسی کی طرف منسوب ہیں۔

۲۰۶۔ ترجمہ: زید نے عمرو کی طرف تیر پھینکا۔ اس کے تیر نے چیتے کی طرح عمرو کو زخمی کر دیا۔

marfat.com

مدت سالے ہمے زائید درد
۲۰۷ ———
درد ہا را آفریدہ حق نہ مرد

۲۰۷۔ ترجمہ؛

گو ایک مدت تک یا ایک سال تک درد رہا۔ اس درد کو حق نے پیدا کیا تھا۔ کسی اور نے نہیں۔

شرح :

حاجی امداد اللہ رحمۃ اللہ تعالی علیہ کے حاشیہ میں شرح ولی محمد سے نقل کرکے فرمایا کہ مدت میں یا نہ ہو تو مدت مضاف اور سالے مضاف الیہ ہے اور اس میں اشباع حرکت بوجہ ضرورت ہے اور فرمایا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ لفظ مدت میں یا تنکیر ہو جیسے بعض نسخوں میں واقع ہے۔ اس وقت سالے مدت سے بدل یا عطف بیان ہوگا یعنی زید و عمر فرضی نام ہیں اور یہ مضمون سابق کی مثال بطور تفہیم ہے کہ مثلاً زید نے عمرو کو تیر مارا اور اس تیر نے عمرو کو چیتے کی طرح زخمی کر دیا۔ اس بیچارہ کو ایک مدت یا ایک سال تک درد کی تکلیف رہی تو اس درد کا پیدا کرنے والا خدا ہے زید نہیں۔ اس اعتبار سے کہ زید و درد دونوں خدا کے پیدا کیے ہوئے ہیں لیکن چونکہ تیر کا مارنے والا زید تھا اس لیے اس تیر کا نتیجہ یعنی چوٹ یا عمر کا مر جانا اسی کی طرف منسوب ہوگا اور زید کو اس کا فاعل کہیں گے۔

marfat.com

۲۰۸— عمر دائم ماند در درد و وجل
دردہا می زاید آنجا تا اجل

۲۰۸- ترجمہ : عمر ہمیشہ درد و تکلیف میں رہا - درد بڑھتا گیا جب تک کہ موت نہ آئی -
شرح : یعنی نتیجہ یہ ہوا کہ گو عمر درد و مصیبت میں پھنس کر مر گیا - تاہم درد کا خالق خدا ہے زید نہیں - بعض نسخوں میں پہلا مصرعہ اس طرح ہے - ع
زید را می آمدم از مرد از وجل
یعنی زید نے جس وقت تیر چھوڑا وہ خوف سے مر گیا - اس صورت میں شعر کا یہ مطلب ہے کہ اگر زید جس نے تیر مارا تھا ہلاکت عمر کے خوف سے مر گیا تو عمر کو تا دم مرگ دو طرح کا رنج رہ گیا ایک اپنے زخم کا دوسرے زید کے مرنے کا - گو اس حالت میں زید کے مرنے کا فعل عمر کا مخلوق نہیں ہے تاہم چونکہ اس کی موت کے خوف سے واقع ہوا ہے - اس لیے عمر ہی کی طرف منسوب ہوگا -

ف : مگر ہم اس نسخہ والے مطلب سے متفق نہیں ہیں کہ کوئی شخص عقلاً یا نقلاً بلا ارتکاب قتل کسی کا قاتل مانا جائے - اگر زید سے عمر کہتا ہے کہ تو مجھے مار اور اپنے دل میں خیال کر تاکہ یہ میرے مارنے سے خود ہی مر جائے گا تو البتہ کسی قدر الزام اس پر آسکتا تھا - اس وقت تو اس نے کچھ بھی زید سے نہ کہا تھا اور نہ اس کے ارادہ پر آگاہی تھی - پھر عمر زید کے قتل کا مرتکب کیوں ہوا - باوجودیکہ وہ خود درد رسیدہ ہے - علاوہ اس کے یہ بھی قرین قیاس نہیں ہے کہ کوئی شخص کسی کے چوٹ مارنے یا مار ڈالنے سے خود بھی مر جاتا ہو - یہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ یہ بات بطور تمثیل ہے لیکن مثال بھی یا تو واقعات سے دی جاتی ہے یا توقعات سے - پس نہ جب یہ واقعات میں شامل ہے نہ توقعات میں تو مثال بجائے

(بقیہ بر صفحہ آئندہ)

marfat.com

۲۰۹ — زاں موالید وجع چوں مُرد او
زید از اوّل مسبّب قتال گو

صفحہ گذشتہ سے ؛ خود مہمل ہے ۔ اول تو ایسا ہو نہیں سکتا کہ مارنے والا پلٹنے والے کی موت کے خوف سے مرجائے اور اگر ہو بھی سکتا ہو تو پلٹنے والا مارنے والے کا قاتل نہیں سمجھا جائیگا

در اصل یہ شعر سوال مقدر کا جواب ہے ۔ سوال یہ ہے کہ تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ درد کا خالق اللہ تعالیٰ ہے زید و عمرو نہیں ۔ کیونکہ بظاہر تو ایسے معلوم ہوتا ہے کہ زید نے جو تیر مارا ہے درد بھی اسی سے ہے ؟ اس کے جواب میں یہی فرمایا جو اوپر مذکور ہوا ۔

۲۰۹ ۔ ترجمہ : جبکہ وہ (عمرو) درد کے اثر سے مرا ہے تو زید کو پہلے سبب کی وجہ سے زید کو قاتل کہنا چاہیے

شرح : تیر پھینکنے سے جو درد اٹھا اگر اسے غور سے دیکھا جائے تو اس کا اول سبب زید ہے لیکن مجازاً کیونکہ اس کا حقیقی سبب بھی اللہ تعالیٰ ہے اور یہ بھی اس کی مصنوعات میں سے ہے کیونکہ ہر شے کا حقیقی فاعل اللہ تعالیٰ ہے ۔ چونکہ بظاہر اس کے طعینات مثلاً زید وغیرہ ہیں ۔ اسی لیے مجازاً انہیں کی طرف افعال کی نسبت کی جاتی ہے اور ان تعینات یعنی زید و عمر کی طرف افعال کی نسبت مجاز اسی لیے ہے تاکہ امور شرعیہ و احکام کا تعطل نہ ہو اس لیے کہ شریعت ظاہری تعینات کو متعین کرتی ہے اور حقیقت میں وہ نسبت بھی الی اللہ ہوتی ہے اور یہ نہ سمجھنا کہ امور شرعیہ محض انتظام کے لیے ہیں بلکہ یہ بھی عین معرفت و حقیقت ہیں لیکن اسے وہ سمجھتے ہیں جنہیں انبیاء و اولیاء کی پیروی نصیب ہے جو اس سے دُور ہیں وہ کیا سمجھیں گے ۔ (خاک) اب شعر کا مطلب یہ ہوا کہ گو عمرو درد کی وجہ سے مرا ہے ۔ لیکن چونکہ تیر مارنے کا سبب زید بنا ہے اسی لیے اسے قاتل کہیں گے اور اسی سے ہی قصاص لیا جائے گا ۔ اگرچہ حقیقی فعل اللہ تعالیٰ کا ہے لیکن اس کا سبب زید بنا ہے ۔

marfat.com

آں وجع ہا را بدو منسوب دار
۲۱۰ گرچہ ہست آں جملہ صنع کردگار

ہمچنیں کسب و دم و دام و جماع
۲۱۱ آں موالید است حق را مستطاع

۲۱۰۔ ترجمہ : ان دردوں کو اس کی طرف منسوب کیجیے۔ اگرچہ تمام اللہ تعالیٰ کی صنعت ہے۔
شرح : وجع بفتحتیں بمعنی درد یعنی چونکہ تیر چونکہ زید کی طرف منسوب تھا اور اوّل اوّل درد پہنچانے کا باعث وہی ہوا ہے سو اسی لیے درد کا نتیجہ یعنی عمر کا مرجانا بھی اسی کی طرف منسوب ہوگا۔ کیونکہ تمام افعال اور ان کے نتائج کا خالق اللہ تعالیٰ ہے مگر بندوں کو جزا و سزا اسی لیے دی جاتی ہے کہ وہ اپنے اختیار سے مرتکب نیک و بد ہوتے ہیں۔

نتیجہ یہ کہ آدمی کو چاہیے ایسی بات ہرگز نہ کرے جو تیر کی طرح دوسروں کے جا لگے۔ اس سے اس کو ضرر پہنچے گا اور یہ ضرر اگرچہ مخلوق الٰہی ہے لیکن کہنے والے ہی کے جانب منسوب ہوگا یہی سبب تھا کہ سوداگر نے مرگ طوطی کو اپنا فعل کہا ہے اور اس سے پشیمان ہوا ہے کیونکہ گنہگار ضرور پشیمان ہوا کرتا ہے۔

۲۱۱۔ حل لغات : دم بفتح اوّل سانس۔ حیلہ و فریب وغیرہ۔ مستطاع بمعنی فرمانبردار و مطیع۔ بعض نسخوں میں کسب و دم کی جگہ کشت و دم ہے۔ کشت بمعنی کھیتی کرنا اور دم غلہ وغیرہ کا اڑانا ہے

ترجمہ : اسی طرح کسب اور دم و دام اور جماع۔ یہ تمام اشیاء اللہ تعالیٰ کی فرمانبردار ہیں۔
شرح : یعنی جس طرح زید کے تیر مارنے کی ایک مثال ہم بیان کر آئے ہیں۔ اسی

(بقیہ برصفحہ آئندہ)

marfat.com

بستہ در ہائے موالید از سبب
۲۱۲ ——————
چوں پشیمان شد ولی از دست رب

صفحہ گذشتہ سے: ہر اور افعال کو خیال کرلینا چاہئیے مثلاً کسب کھانا یا کمانا یا دم سانس لینا یا دام کسی چیز کے حاصل کرنے کے لیے جال بچھانا یا جماع غرضیکہ تمام افعال خدا کی مخلوق اور اس کے فرمانبردار ہیں مگر چونکہ بندے کا سب ہیں اسی لیے جزا و سزا دی جاتی ہے۔ افعال کو خدا سے بھی تعلق ہے اور بندوں سے بھی ۔اس کی مخلوق ہیں اس کے کمائے ہوئے ہیں۔

۲۱۲۔ ترجمہ: در ہائے موالید کو سبب سے بند کر دیتا ہے جبکہ ولی خدا تعالیٰ کے ہاتھ سے پشیمان ہوتا ہے۔

حل لغات: 'دست رب' لبستہ کا فاعل ہے از آں بھی لبستہ کے متعلق ہے۔

شرح: یعنی جس وقت ولی اس بات سے پشیمان ہوتا ہے کہ سبب سے مسبب یعنی نتیجہ پیدا نہ ہو۔ یعنی اعمال سئیہ کی جزاء سیئہ نہ ہو یا اعمال حسنہ غیر مقبولہ کا نتیجہ برا نہ ہو تو اسباب کو نتائج پیدا کرنے سے روک دیتا ہے اور یہ قدرت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے "یُبَدِّلُ اللّٰهُ سَیِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ" کے یہی معنی ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ ان کی سیئات کو (جو سبب ہے) جزا اور نتیجہ سیئات سے (جو مسبب ہے) روک دیتا ہے اور حسنات سے بدل دیتا ہے۔ بعض نے پشیمان شد کے معنی بلا حضور کے لیے ہیں۔ یعنی جب ولی بلا حضور ہو جاتا ہے جو صوفیہ کے نزدیک گناہ ہے تو اس عدم حضور کی نتیجہ یعنی جزائے سیئہ کو اپنے نفس پر مرتب نہیں ہونے دیتا۔ اور یہ معنی بھی ہو سکتا ہے کہ مثلاً کوئی ولی اللہ کسی شخص کے لیے بد دعا کرے اور پھر اس کے دل میں رحم آجائے یا اس سے پشیمان ہو کہ میں نے فلاں شخص کو بد دعا کیوں دی تو اللہ تعالیٰ اس کے پشیماں

marfat.com

ہونے کے آثار میں اس دعاءِ بد کے نتیجہ کو لبستہ کر دیتا ہے تاکہ اس کی اس شخص کے حق میں خرابی کے آثار عائد نہ ہوں اور اسے ہلاک نہ کر دیں اور اس کا مقبول بندہ یعنی ولی اللہ پشیمان نہ ہو۔ اسی کو ہم تقدیر کے بدلنے سے تعبیر کرتے ہیں۔ جیسا کہ علامہ اقبال کا یہ شعر مشہور ہے ؎

نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں
اگر ہو ذوقِ یقیں پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں

چونکہ ناعاقبت اندیش شانِ ولایت میں گستاخ واقع ہوئے ہیں اور ان کے طعن و تشنیع کا تیر سیدھا نبوت یا پھر ولایت پر جاتا ہے اسی لیے وہ ہر تقدیر کے ٹلنے کے علی الاطلاق منکر ہو جاتے ہیں اور ادھر شانِ نبوت و ولایت کے بعض مشتاق لیکن بے خبر علی الاطلاق تقدیر ٹلنے کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ حالانکہ دونوں مطلقاً حق پر نہیں۔ اسی لیے کہ تقدیر کئی قسم سے ہے جیسا کہ ہم نے تقدیر کی بحث میں لکھا ہے۔ یہاں پر مناسب ہے کہ ولایت کے متعلق مختصر سی تحقیق لکھ دیں کیونکہ ہمارے عوام کو ولایت کا مفہوم غلط سمجھایا جا رہا ہے اور جاہل قسم کے پیر اور بعض گمراہ پیری مریدی کا دھندا کرنے والے ایسا کرتے ہیں فلہٰذا یاد رکھیے کہ:

۱۔ ولایت ایک قربِ خاص ہے کہ مولیٰ عزّ وجلّ اپنے برگزیدہ بندوں کو محض اپنے فضل و کرم سے عطا فرماتا ہے۔ نہ ہر درگاہ کا سجادہ نشین ولی ہوتا ہے اور نہ ہر مدعی طریقت۔

۲۔ ولایت وہبی شے ہے نہ یہ کہ اعمال شاقہ سے آدمی خود حاصل کرے البتہ غالباً اعمالِ حسنہ اس عطیہ الٰہی کے لیے ذریعہ ہوتے ہیں اور بعضوں کو ابتداءً مل جاتی ہے احکامِ شریعت کے خلاف عمل کرنے والا بھی ولی نہیں ہوتا خواہ وہ کتنا ہی بلند قدر ہو۔

۳۔ ولایت بے علم کو نہیں ملتی خواہ علم بطور ظاہر حاصل کیا ہو یا اس مرتبہ پر پہنچنے سے پیشتر اللہ عزّ وجلّ نے اس پر علوم منکشف کر دیے ہوں۔ جیسا کہ بہت سے

marfat.com

ان پڑھ کامل اولیاء گذرے ہیں۔

۴۔ تمام اولیائے اولین و آخرین سے اولیائے محمدین یعنی اس امت کے اولیاء افضل ہیں اور تمام محمدین میں سے سب سے زیادہ معرفت و قرب الٰہی میں خلفائے اربعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہیں اور ان میں سے ترتیب وہی ترتیب افضلیت ہے۔

سب سے زیادہ معرفت و قرب صدیق اکبر کو ہے پھر فاروق اعظم پھر ذوالنورین پھر مولیٰ مرتضیٰ کو (رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین) ہاں مرتبہ تکمیل پر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے جانب کمالات نبوت حضرات شیخین کو قائم فرمایا اور جانب کمالات ولایت حضرت مولا مشکل کشا کو، تو جملہ اولیائے مابعد نے مولیٰ علی ہی کے گھر سے نعمت پائی اور پاتے رہیں گے۔

۵۔ طریقت منافی شریعت نہیں وہ شریعت ہی کا باطنی حصہ ہے جو شریعت کو طریقت سے علیحدہ مانتا ہے وہ گمراہ ہے۔ آج کل کے جاہل پیر عموماً کہہ دیتے ہیں کہ شریعت اور ہے اور طریقت شے دیگر۔ وہ غلط کہتے ہیں۔

۶۔ اولیاء کرام کو اللہ عزّ و جلّ نے بہت بڑی طاقت دی ہے۔ ان میں جو اصحاب خدمت ہیں ان کو تصرف کا اختیار دیا جاتا ہے۔ سیاہ سفید کے مختار بنا دیے جاتے ہیں۔ یہ حضرات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کے سچے نائب ہیں اور ان کو اختیارات و تصرفات حضور کی نیابت سے ملتے ہیں۔ علوم غیبیہ ان پر منکشف ہوتے ہیں۔ ان میں بہت کو ما کان و ما یکون اور تمام لوح محفوظ پر اطلاع دیتے ہیں۔ مگر یہ سب کچھ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلّم کے واسطہ سے بے وساطت رسول کوئی غیر نبی کسی غیب پر مطلع نہیں ہو سکتا اور اولیاء کرام کے علوم کے انکشافات کی بحث ہم اسی حصہ کے شروع میں لکھ آئے ہیں۔

۷۔ ان سے استمداد و استعانت محبوب ہے۔ یہ مدد مانگنے والے کی مدد فرماتے ہیں چاہے

(بقیہ بر صفحہ آئندہ)

marfat.com

اولیاء را ہست قدرت از الہ
۲۱۳ ———
تیر جستہ باز گرداند ز راہ

صفحہ گذشتہ سے : وہ کسی جائز لفظ کے ساتھ ہو جو اس مدد کو شرک کہتے ہیں وہ اولیاء کے دشمن اور گمراہ بے دین ہیں ۔

۸۔ ان کے مزارات پر حاضری موجب سعادت و صد بابرکت ہے۔ وسیلہ سمجھ کر دور د نزدیک زندہ اور بعد وصال ان کو پکارنا مثلاً مدد کن یا معین الدین چشتی جائز اور سلف صالحین کا طریقہ ہے۔

۹۔ اولیاء کرام وصال کے بعد اپنے مزارات میں حیات ابدی کے ساتھ زندہ ہیں ۔ ان کے علم وادراک وسمع وبصر بہ نسبت پہلے کے بہت زیادہ اور قوی تر ہوتی ہے

۱۰۔ کرامات اولیاء حق اور ان کا منکر گمراہ ہے ۔

---

۲۱۳ ۔ ترجمہ : اولیاء کو خدا کی طرف سے یہ طاقت ہے کہ وہ چھوٹے ہوئے تیر کو پھر راہ سے پھیر لیں ۔

شرح : یعنی بات کا منہ سے نکل کر واپس آنا ایسا ہی مشکل ہے جیسا کمان سے چھوٹے ہوئے تیر کا لوٹ آنا مگر اولیاء اللہ میں یہ قدرت ہے کہ بات کے اثر کو روک لیتے ہیں جو بمنزلہ چھوٹے ہوئے تیر کو روک لینے کے ہے یعنی سبب کو مسبب تک نہیں پہنچنے دیتے اور اقوال وافعال سے تاثیر کو چھین لیتے ہیں ۔ یہ بھی ممکن ہے کہ وہ کسی کے تیر ماریں مگر جس کے لگے وہ ہرگز زخمی نہ ہو اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ولی کی دعا سے مطلقاً اشیاء کا اثر زائل ہو جائے ۔ یا یہ اولیاء کی کرامت ہے ۔

marfat.com

۲۱۴ ـــــــــ گفتہ ناگفتہ کند از فتح باب
تا ازان نے سیخ سوزد نے کباب

۲۱۴۔ ترجمہ:
کہے کو فتح باب سے اَن کہا کر دیں تاکہ اس سے سیخ جلے نہ کباب۔

شرح:

یعنی اللہ تعالیٰ نے اولیاء کو اتنی قدرت دی ہے کہ وہ کہے کو اَن کہا اور کردہ کو نا کردہ کر سکتے ہیں کیونکہ ولیوں پر غیب کا دروازہ کھلا ہوا ہوتا ہے اور وہ واقف اسرار ہیں ان سے سیخ یا کباب یعنی جلنے والے یا جلانے والے کو جس سے برا یا بھلا مقصود ہے کوئی تکلیف نہیں پہنچتی۔

اس شعر کا مطلب دو طرح ہو سکتا ہے۔

۱۔ اگر ولی کی زبان سے کسی شخص کی نسبت کوئی کلمہ برا نکل جاتا ہے تو وہ از راہِ کسر نفسی فوراً معافی مانگ لیتا ہے۔ اس لیے گفتہ ناگفتہ کی مانند ہو جاتا ہے۔

۲۔ ولی اپنے خداداد تصرف سے کلمہ بد کے اثر کو دل تک نہیں پہنچنے دیتا یا اس کلمہ کو سرے سے سامع کے دل ہی سے بھلا دیتا ہے۔ اسی لیے وہ کلمہ گفتہ ناگفتہ ہو کر رہ جاتا ہے اور اس صورت میں سیخ بھی اپنی جگہ پر رہتی ہے اور کباب بھی نہیں جلتا یعنی آیت مذکورہ کے معنی بھی قائم رہتے ہیں اور قائل پر بھی عذاب مرتب نہیں ہوتا۔

فائدہ: چونکہ یہ دونوں شعر ولایت کی شان میں ہیں۔ بالخصوص پہلا شعر تو ہر چھوٹے بڑے کو حفظ ہے۔ اسی لیے ضروری ہے کہ ہم یہاں پر

marfat.com

از ہمہ دلہا کہ نکتہ شنید
۲۱۵
آں سخن را کرد محو و ناپدید

گرت برہان باید و حجت مہا
۲۱۶
از پئی خواں آیہ اَوْ نُنْسِہَا

۲۱۵۔ ترجمہ: تمام دل کہ جن سے اس نے نکتہ سنا اس کو محو اور معدوم کر دیا۔

شرح: یعنی ولی جب مخلوق کے سے افعال اور اسرار سے واقف ہوتا ہے تو وہ مخلوق کے اقوال وافعال مٹانے پر بھی قادر ہے یعنی جس سے چاہے نیک باتوں کی توفیق زائل کر دے اور جس کی ہمت کو چاہے گناہ کی طرف لگاوے۔

خلاصہ یہ کہ اس میں یہ قدرت ہے کہ ایمان والوں کے گناہوں کو نیکیوں سے بدل دے اور منکرین کی نیکیوں کو بالکل معدوم کر دے۔ یا یہ معنی ہیں کہ ولی اپنی زبان سے نکلے ہوئے کلمہ کے اثر کو زائل کر سکتا ہے کیونکہ اس کو اللہ نے اتنی قدرت دی ہے۔

۲۱۶۔ ترجمہ: اے عزیز اگر تجھ کو دلیل اور حجت کی ضرورت ہے تو قرآن سے آیت: اَوْ نُنْسِہَا پڑھ۔

شرح: پئی بمعنی قرآن جس کی بحث پہلے گذر چکی ہے۔ بعض نسخوں میں دوسرا مصرعہ یوں ہے: ؎

باز خوان آیت او ننسہا

بہر حال مولانا علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ اے شخص اگر تجھے اس میں شک ہے کہ ولی کلمات نیک و بد کے اثر کو مخلوق کے دلوں سے محو نہیں کر سکتا تو ہم قرآن شریف کی اس

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

marfat.com

۲۱۷ـــــــ آیۂ الٰنسو کہم ذکری بخواں
قوت نسیان نہادن شان بداں

صفحہ گزشتہ سے: آیت سے اپنا مدعا ثابت کیے دیتے ہیں کہ:

ما ننسخ من آیۃ او ننسھا نات خیر منھا او مثلھا

یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم بعض آیتوں کو منسوخ کر دیتے ہیں۔ اس طرح کہ لفظ باقی رہتے ہیں اور حکم منسوخ ہو جاتا ہے یا یہ کہ بالکل بھلا دیتے ہیں یعنی تلاوت اور لفظ کو بھی منسوخ کر دیتے ہیں تو اس کی جگہ اس سے بہتر یا اس کی مانند اور آیت نازل کر دیتے ہیں۔ نسخ بمعنی نسخ حکم ہے اور انساء بمعنی نسخ تلاوت۔

یہ آیت شعر کے مضمون پر اس طرح دلیل ہو سکتی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ آیتوں اور احکام کے منسوخ اور تبدیل کرنے پر قادر ہے تو اس بات پر بھی قادر ہے کہ ولیوں اور نبیوں کے ہاتھوں سے جس طرح چاہیے مخلوق میں تصرف فرمائے۔ کیونکہ یہ لوگ متخلق باخلاق اللہ ہیں اور خدا ان سے اپنے کام لیا کرتا ہے۔ اس لیے کہ اولیاء میں اللہ تعالیٰ نے اپنی صفات پیدا کر دی ہیں۔ کیونکہ وہ زمین پر اللہ تعالیٰ کے نائب ہیں اور نائب کا یہی مقصد ہوتا ہے جو کام اصل سے ہو سکتا ہے وہی اس کا نائب کر سکے۔ یہی وہ مسئلہ ہے جسے آج تک مخالفین نے نہ سمجھا اور شرک شرک پکارتے رہے۔

۲۱۷۔ ترجمہ: آیت الٰنسو کہم ذکری کو پڑھ تاکہ ان کے بھلا دینے کی طاقت معلوم ہو جائے۔

شرح: پچھلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے آیات وکلمات بھلانے کی صفت کو اپنی طرف منسوب فرمایا۔ اس سے شبہ پیدا ہوتا تھا کہ شاید انبیاء و اولیاء اللہ بھی اس سے محروم ہیں تو اس کے ازالہ میں صراحۃً فرمایا کہ اولیاء اللہ و انبیاء عظام کو بھی یہ صفت عطا کی گئی

marfat.com

ہے۔ کما قال :

اِنَّہٗ کَانَ فَرِیْقٌ مِّنْ عِبَادِیْ	یعنی میرے خاص بندوں کا ایک گروہ
یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اٰمَنَّا	یوں کہا کرتا تھا کہ اے رب ہم ایمان
فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ	لائے تو ہمیں بخش اور ہم پر رحم کر پس
خَیْرُ الرّٰحِمِیْنَ فَاتَّخَذْ	اے جہنمیو تم نے انہیں ہنسی
تُمُوْہُمْ سِخْرِیًّا حَتّٰی	میں اڑایا ۔یہاں تک کہ انہوں نے
اَنْسَوْکُمْ ذِکْرِیْ وَکُنْتُمْ	تمہارے دل سے میری یاد کو
مِّنْہُمْ تَضْحَکُوْنَ ۔	بھلا دیا ۔

اس آیت میں وجہ استدلال یہ ہے کہ کافر اور منکر جو خدا کے خاص اور کامل بندوں سے تمسخر کرتے تھے اور اپنے طریقے کا ذکر حق بھی کیا کرتے تھے اس ذکر کو اولیاء اللہ نے ان کے دل سے بھلا دیا اور گفتہ کو ناگفتہ کر دیا یعنی ذکر الٰہی کا اثر سلب کر دیا اور وہ جہنمی کے جہنمی رہے ۔ دیکھ لیجئے اس آیت میں بھلا دینے کے فعل کو اولیاء کی طرف منسوب کیا گیا ہے اور اس سے صریح ثابت ہوتا ہے کہ اولیاء اللہ میں مخلوقات پر تصرف کرنے کی بہت بڑی طاقت ہے اور اس کا منکر منکر اسرار قرآن ہے ۔

اسی لیے ہم کہتے ہیں کہ انبیاء عظام و اولیاء کرام علیٰ نبینا و علیہم السلام جب اللہ تعالیٰ کے نائبین ہیں تو پھر ان کو صفات ایزدی بہ عطیۂ الٰہی موصوف ماننا کیونکر ناجائز ہے جب وہ متخلق باخلاق اللہ ہیں تو وہ موصوف صفات الٰہیہ بھی لازماً ہیں جو نہیں مانتا تو اسے ابلیس کی تقلید نصیب ہے جیسا کہ اس نے ابتداءً خلافت آدم علیہ السلام سے انکار کر کے طوق لعنت پہنا ۔

marfat.com

چوں بہ تذکیر و بہ نسیان قادر اند
۲۱۸ ـــــــ
بر ہمہ دلہائے خلقاں قاہر اند

چوں بہ نسیان بست او راہ نظر
۲۱۹ ـــــــ
کار نتواں کرد ور باشد ہنر

۲۱۸۔ ترجمہ: جب وہ (اولیاء) یاد دلانے اور بھلانے ہر دونوں پر قادر ہیں اور وہ تمام مخلوق کے دلوں پر غالب ہیں۔

شرح: یعنی کچھ بھی بات نہیں کہ اولیاء اللہ عرف کلات کا اثر زائل کرنے، ان کو دل سے بھلا دینے، توفیق طاعت یا کرامت وغیرہ چھین لینے پر قادر ہیں بلکہ وہ ایمان اور خدا کے یاد دلانے اور قوت کرامت عطا کرنے اور نیک رستوں پر لگانے کی بھی قدرت رکھتے ہیں۔ کیونکہ ان کا تصرف تمام صفتوں میں عام ہے۔ تذکیر (بھولی ہوئی باتوں کا یاد دلا دینا اور نسیان یاد کی ہوئی باتوں کا بھلا دینا) دونوں باتیں اولیاء اللہ کے قبضہ میں ہیں۔

۲۱۹۔ ترجمہ: جب اس نے نسیان سے بالکل راہ باندھ دی ہے تو پھر کیسا ہی ہنر ہوگا اگر نہیں ہو سکے گا۔

شرح: یعنی جب ولی نے کسی کی نظر یا فکر کو اپنے نسیان (یعنی اس قوت سے جو اعمال کے مٹانے والی ہے) متعلق کر دیا تو وہ شخص کوئی نیک کام نہیں کر سکتا یا یہ کہ جب ولی نے اپنی قوت مذکورہ کے باعث کسی کی نظر کا رستہ بند کر دیا تو اس کو اعمال نیک ہرگز نہ سوجھیں گے۔ اور وہ کار نیک ہرگز نہ کر سکے گا۔ چنانچہ پچھلی آیت سے معلوم ہو گیا ہے کہ عباد اللہ یعنی اولیاء اللہ نے استہزا کے سبب کفار کے اعمال نیک کو مٹا دیا ہے۔ بعض نسخوں میں نسیان کی جگہ عصیاں

(بقیہ بر صفحہ آئندہ)

marfat.com

بھی ہے۔ یعنی ولی نے جب کسی کی نظر کو از راہِ عتاب معاصی سے متعلق کر دیا تو نیک کام نہ ہو سکیں گے کیونکہ اللہ نے ان کو قدرت دی ہے کہ مخلوق میں جس طرح چاہیں تصرف کریں جس کو چاہیں ہدایت دیں اور جس کو چاہیں گمراہ کریں۔ لیکن ہم پھر کہہ دیتے ہیں کہ یہ صرف اولیاء کی کرامت ہے خدائی نہیں ہے۔ جیسے وہابیہ کو غلط فہمی ہوئی ہے جو اس قسم کی کرامات و معجزات سن کر پڑھ کر فوراً کفر و شرک کا فتویٰ جڑ دیتے ہیں۔ حالانکہ صحاح کی روایات انبیاء علیہم السلام کے لیے اور مستند کرامات اولیاء کرام بکثرت مشاہدہ میں آئے ہیں۔ ان کی تفصیل ہم نے کتاب "کراماتِ اولیاء" میں لکھی ہے۔

marfat.com

خذ تمواسخرینہ اہل السمو

۲۲۰

از بنی خوانید تا انسوکمو

۲۲۰۔ حل لغات: خذ تموا، اتخذ تموا کا مخفف ہے۔ سمو بضمتین بلندی و بلند ہونا۔ اہل السموا منادی ہے۔ اس کا حرف نداء محذوف ہے۔

ترجمہ: اے اہل غرور تم نے ان کو مسخرہ بنایا۔ قرآن میں آیت انسوکم کو تو پڑھ۔

شرح: اہل السمو بمعنی اہل تعلی یا دنیاوی جاہ وحشم پر مغرور جس کا ترجمہ ہم نے اہل غرور کیا ہے یعنی قیامت کے دن کافروں کو خدا اہل السمو سے مخاطب کر کے فرمائے گا کہ اے دنیا کی دولت و حشمت پہ ناز کرنے والو تم نے دنیا میں غریب مومنوں کو مسخرہ بنایا تھا۔ اس لیے انہوں نے خدا کی دی ہوئی قوت سے تمہارے نیک اعمال کو تم سے نسیاً منسیاً کر دیا اور یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ تم آج دوزخ میں جل رہے ہو۔

اس شعر میں اس حدیث قدسی کی طرف اشارہ ہے جس میں فرمایا گیا ہے:

"من عادلی ولیا فقد اذنتہ بالحرب" یعنی جو میرے کسی ولی سے دشمنی کرتا ہے اس کے ساتھ میرا اعلان جنگ ہے۔

گویا مولانا قدس سرہٗ نے فرمایا کہ کل قیامت میں کفار کا جہنم میں جانا اللہ تعالیٰ کے محبوبوں کے ساتھ عداوت و بغض کی وجہ سے ہے۔ جیسا ہم کہتے ہیں کہ اللہ والوں کے ساتھ دشمنی سب سے بڑا جرم ہے۔ حضرت شیخ عطار قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

حب درویشاں کلید جنت است

دشمن ایشاں لایق لعنت است

marfat.com

صاحب دہ بادشہ جسمہا ست
۲۲۱
صاحب دل شاہ دلہا شما ست

فرع دید آمد عمل بے ہیچ شک
۲۲۲
پس نباشد مردم الامر دمک

۲۲۱۔ترجمہ : صاحب ملک جسموں کا بادشاہ ہے۔ مگر صاحبدل تمہارے دلوں پر فرمانروائی کرتا ہے۔

رابط : یہ شعر " جو ہمہ دلہائے خلقان قاہر اند " کی تاکید ہے اور اس کا پہلا مصرعہ برائے تمثیل ہے۔

حل لغات : (دہ) بالکسر بمعنی دیہات گاؤں۔

شرح : دنیوی بادشاہ صرف تمہارے جسموں کے بادشاہ ہوتے ہیں۔ بالفرض اگر تم کوئی جرم کرو گے تو تم کو سزا دی جائے گی مگر صاحبدل یعنی اولیاء کامل تمہارے دلوں کے حاکم ہیں کہ وہ دلوں کو مسخر کر سکتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ ولی اللہ کے اختیار میں ہے کہ وہ کسی دل سے نیک و بد اوصاف کو زائل کر دے۔ جیسا کہ بارہا اولیاء کرام کے واقعات میں ہم نے پڑھا۔

۲۲۲۔ ترجمہ : بے شک دید کی شاخ عمل ہے پس اگر دید نہیں تو وہ آدمی نہیں۔

شرح : دید سے عرفان اور عمل سے تصرف در مخلوقات یا اعمال شرعیہ مراد ہیں یعنی اعمال شرعیہ جن سے قرب الٰہی حاصل ہو یا تصرف در مخلوق۔ یہ دونوں عرفان کی شاخ ہیں اگر عرفان نہیں تو اعمال شرعیہ کا نتیجہ اچھا نہیں ہوتا اور نہ مخلوق پر تصرف کیا جا سکتا ہے۔ اسی لیے بعض عارفین نے حدیث: " اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَاتِ " میں نیات سے عرفان مراد

marfat.com

لیا ہے۔ اس سے واضح ہوا کہ جو صاحب عرفان ہے وہ آنکھ کی پتلی کی طرح ہے ۔ اس لیے کہ اسے دید حق نصیب ہے۔ اب معنی یہ ہوا: جو صاحب دید ہیں ان کے عمل بے شک و شبہ خالص ہوتے ہیں۔ ان کی مثال ایسی ہے جیسے آنکھ کی پتلی۔ جس طرح جسم انسان میں آنکھ اور آنکھ کی پتلی کو شرف حاصل ہے اسی طرح انسانوں میں انسان کامل کو فضیلت ہے۔ اگر دید بمعنی عرفان نہیں تو آدمی کوئی چیز نہیں ہو سکتا۔ اسی لیے عالم لطون کا مشاہدہ کرنے والے جب عالم دنیا کی معنوی کیفیت سے دیکھتے ہیں تو منظر سامنے آجاتا ہے اولیاء کرام کے ہزاروں واقعات اس کے شواہد موجود ہیں۔

marfat.com

مردمش چوں مردمک دیدند خورد
۲۲۳
در بزرگی مردمک کس رہ نبرد

---

۲۲۳ - ترجمہ :

گو آدمی پتلی کو چھوٹا دیکھتے ہیں لیکن اس سے بزرگی میں کوئی شرف نہیں لے جا سکتا۔

شرح : یعنی آنکھ کی پتلی ظاہر میں چھوٹی سی چیز نظر آتی ہے مگر باعتبار صفت بہت بڑی چیز ہے - علی ہذالقیاس اولیاء اللہ کو لوگ گو بظاہر حقیر سمجھیں تاہم باطن میں ان کی برابری کوئی نہیں کر سکتا۔

سوال : بعینہ یہی شعر خرگوش کے قصہ میں گذرا - پھر یہاں لایا گیا - تکرار تو معیوب ہے اور ایسا عیب مثنوی اور صاحب مثنوی میں کیوں ؟

جواب : آیات قرآنی کو دیکھئے ایک بار نہیں بلکہ مختلف مضامین میں بار بار وارد ہیں۔ اگر قرآن اور صاحب قرآن پر اعتراض نہیں تو اس کے محبوب بندے پر کیوں - جیسے ہم وہاں منکر قرآن کو جواب دیں گے کہ موضوع کے اختلاف پر آیت یا الفاظ کا دہرانا معیوب نہیں ایسے ہی منکر مثنوی کو کہیں گے کہ یہاں موضوع کے بدلنے پر وہی شعر لایا گیا ہے۔ وہاں خرگوش کے چھوٹے پن پر کہا گیا یہاں اولیاء اللہ کو حقیر سمجھنے والوں کو مثال دے کر سمجھایا گیا ہے۔

marfat.com

من تمام ایں را نیارم گفت ازاں
۲۲۴ منع می آید ز صاحب مرکزاں

چوں فراموشی خلق و یادشان
۲۲۵ باوے ست و میرسد فریاد شان

۲۲۴۔ ترجمہ : میں اس کی تمام کیفیت اس لیے بیان کر سکتا ہوں کہ مجھے صاحب مرکز منع کرتے ہیں۔

شرح : حاجی امداد اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ شرح ولی محمد سے نقل کر کے لکھتے ہیں کہ صاحب مرکزاں سے وہ کاملین اولیاء مراد ہیں جو بیان اسرار الٰہیہ میں شریعت محمدیہ کو مدنظر رکھتے ہیں۔ یعنی اولیاء اللہ بطور الہام باطنی احوال ولی کے بیان کرنے سے مجھے منع فرماتے ہیں اس لیے یہ قاعدہ ہے کہ :

"لو ظہرت الحقائق لبطلت الشرائع"

یعنی اگر اسرار الٰہیہ ظاہر کر دیئے جائیں تو شرعی امور باطل ہو جائیں گے یعنی عوام ان پہ عمل کرنا چھوڑ دیں گے اسی لیے ہمیں اولیاء کے اسرار کی پوری حقیقت بیان نہیں کرنی چاہیے۔

۲۲۵۔ ترجمہ :

جب فراموشی اور یاد مخلوق کی اس ولی اللہ سے وابستہ اور وہ ان کا فریاد رس ہیں۔

حل لغات :

چوں فراموشی الخ شرط ہے باوے ست بسبب صاحب دل۔

marfat.com

صد ہزاراں نیک و بد را آں بہی

۲۲۶ـــــــ

می کند ہر دم ز دلہاشاں تہی

۲۲۶۔ ترجمہ : صد ہزاراں یہاں حرف عطف مقدر ہے۔ اس کا عطف بیت سابق سے ہے۔ بہی بفتح وتشدید یا بمعنی زیبا و خوب وتاباں ماخوذ از بہا بفتح زیبائی وخوبی و روشنی نیز بکسرتین بمعنی نیکوئی از قبیل زید عدل ہے لیکن پہلا معنی اولیٰ ہے بہر تقدیر اس سے مراد انسان کامل اور قطب الاقطاب ہے۔

شرح : یہ دونوں شعر بطور قطعہ بند ہیں اور پہلے شعر میں ضمیر وے اگر اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہے تو یہاں سے قدرت خداوندی کا بیان شروع ہوا ہے اور اگر ولی کی طرف راجع ہے تو مضمون سابق کا تتمہ ہے یعنی جبکہ خلقت کی فراموشی یعنی ان کے اعمال کا سلب اور یاد یعنی تبدیل سئیات بالحسنات اللہ تعالیٰ یا اس کے خلیفہ برحق (ولی کامل) کے ساتھ متعلق ہے اور وہ ان کی فریاد کو پہنچتا ہے (کیونکہ تبدیل سئیات مومنین وسلب اعمال منکرین گویا مخلوق کی فریاد رسی ہے۔ تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ولی بافروغ یا اللہ تعالیٰ بہت سے نیکیوں کو اور بدیوں کو مومنوں کے دلوں سے خالی کر دیتا ہے اور مومنوں کے دلوں کو نیکیوں اور کافروں کے دلوں کو بدیوں سے بھر دیتا ہے۔ ہاں اتنا فرق ہے کہ ان کو سچے موتیوں سے بھرتا ہے اور ان کو جھوٹے سے۔

ف :

لفظ بہی کی اوپر تحقیق ہو چکی باین معنی کہ وہ عربی لفظ ہو اور اگر یہ بکسر با فارسی لفظ ہے تو بمعنی نیکوکاری و بہتری وصحت وترقی دولت ہے۔ اس لفظ سے اللہ تعالیٰ اور ولی دونوں

۱۰ م

روز دلہا را ازاں پُر می کند
۲۲۷ــــــــــ
آں صدف ہا را پُر از دُر می کند

آں ہمہ اندیشۂ پیشانہا
۲۲۸ــــــــــ
می شناسد از ہدایت جانہا

۲۲۷۔ ترجمہ: روزانہ دلوں کو نیکیوں سے بھرتا ہے اور ان سیپیوں کو موتیوں سے پُر کر دیتا ہے۔

شرح: یعنی اللہ تعالیٰ یا دلی روز مومنوں کے دلوں کو نیکیوں اور کافروں کے دلوں کو بدیوں سے بھر دیتا ہے ایک سیپی سچے موتیوں سے بھری جاتی ہے۔ ایک کھوٹے سے۔ یہ شعر مضمون سابق کا تتمہ ہے۔ بطور مثال کے کذا قال الحاج امداد اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ صدف ہا سے سیپ مراد لیتے ہیں۔

۲۲۸۔ ترجمہ: پیش آئے باتوں کے تمام اندیشے۔ جانیں ہدایت کے سبب پہچانتی ہیں۔

شرح:

پچھلے اشعار میں یہ بیان ہو چکا ہے کہ افعال کے اچھے بُرے نتیجے یا خود اعمال عذاب و ثواب کی صورت میں ہر شخص کے سامنے آجائیں گے۔ لہٰذا ان اشعار میں اسی مضمون کی توضیح ہے یعنی افکار و خیالات سابقہ اور اعمال متقدمہ جو آدمی نے دنیا میں کیے تھے۔ روح ان تمام کو اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے بموجب دن قیامت کے پہچان لے گی اور اس کی مثال ذیل میں دی جاتی ہے۔ پیشانہا بمعنی پیش آئی ہوئی باتیں۔

marfat.com

پیشہ و فرہنگ تو آید بتو
۲۲۹ــــــــــ
تا در اسباب بکشاید بتو

پیشۂ زرگر باآہنگر نہ شد
۲۳۰ــــــــــ
خوئے این خوشخو بداں منکر نہ شد

۲۲۹- ترجمہ : تیرا پیشہ اور عقل تیرے سامنے آتے ہیں تاکہ تجھ پر دروازہ روزی کا کھلے۔

شرح : فرہنگ یعنی عقل مگر اس موقع پر ہنر مراد ہے یا ایسی عقل جس سے اپنے پیشہ میں مدد ملتی ہو۔ یعنی جو شخص جو پیشہ کرتا ہے وہ اس کی نظر کے سامنے سے علیحدہ نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح نیکی اور بدی بھی ایک پیشہ ہے جو قیامت کے دن پیش نظر ہوگا۔ کما قال اللہ تعالیٰ:

"فمن یعمل مثقال ذرۃ خیراً یرہ و من یعمل مثقال ذرۃ شراً یرہ"

۲۳۰- ترجمہ : سنار کا پیشہ لوہار سے نہیں ہو سکتا۔ اس خوش خو کی خو اس منکر جیسی نہیں ہو سکتی۔

شرح : یعنی جس طرح سنار کا پیشہ لوہار سے نہیں ہو سکتا اسی طرح خوش عادت شخص بد خو کی عادت نہیں لے سکتا۔ پس خوشخو کی خصلت خوشخو کے ساتھ اور بد کی عادت بد کے ساتھ ہوتی ہے۔ خلاصہ یہ کہ جو شخص جیسا ہوتا ہے وہ ویسا ہی کام کرتا ہے۔ اگر نیک بخت ہے اچھے کام کرے گا اور اگر بد بخت ہے تو اس سے برائیاں سرزد ہوں گی۔ یہ شعر بھی منجملہ ابیات سابقہ کے مضمون سے ہے کہ جب ولی اللہ کسی کو ہدایت دے تو پھر اس کا برائی ارتکاب ناممکن ہے اور نہ ہی نیک کے اعمال برے کو اور برے کے اعمال نیک کو۔ کما قال :

"ولا تزر وازرۃ وزر اخری"

marfat.com

۲۳۱ — پیشہ ہا و خلقہا ہمچوں جہیز
سوئے خصم آیند روز استخیز

۲۳۲ — صورتے کاں بر نہادت غالب است
ہم براں تصویر حشرت واجبست

۲۳۱۔ ترجمہ: پیشے اور عادتیں جہیز کی طرح قیامت کے دن مالک کی طرف آئیں گے۔
حل لغات: پیشہا، پیشہ کی جمع خلقہا خلق (بالضم)، کی جمع بمعنی عادت نیک یا بد جہیز بکسر تین جہاز کا امالہ ہے بمعنی کشتی کلاں و بمعنی پالان اور وہ سامان جو دلہن کو عروسی کے وقت دیا جائے۔ یہاں پر یہی مراد ہے بعض مقامات پر بالفتح بھی آیا ہے۔ خصم بمعنی صاحب و مالک استخیز بمعنی قیامت۔
شرح: جہیز بمعنی سامان و اسباب جس سے یہاں اعمال مراد ہیں۔ یعنی تیرے اعمال اور عادتیں تیرے سامان کی مانند قیامت کے دن تیری ہی طرف آئیں گے اور تجھ کو اپنی نیکی و بدی کا بدلہ ضرور ملے گا۔ بعض نسخوں میں پیشہا خلقہا ہے۔ جس کے یہ معنی ہیں کہ جو اعمال تو نے آگے بھیجے ہیں وہ قیامت کو سب تیرے ہی سامنے آئیں گے۔
۲۳۲۔ ترجمہ: جو صورت کہ تیرے نہاد پر غالب ہے اسی تصویر پر تیرا حشر ہوگا۔
حل لغات: نہاد بالکسر بمعنی بنیاد و خلقت۔
شرح: یہ حدیث شریف "کما تعیشون تموتون کما تموتون تحشرون" (یعنی جیسے زندگی بسر کروگے ویسے ہی مروگے اور جیسے مروگے ویسے ہی حشر ہو)۔
اس سے ہر ایک اپنی حالت پر غور کرے گا کہ وہ کس طرح کی زندگی گذار رہا ہے۔ اسے یقین ہونا چاہئیے کہ اس کی موت و حشر ویسے ہی ہوگا جیسے وہ زندگی بسر کر رہا ہے۔ اگر نیکی پر زندگی کے اوقات بسر ہوتے ہیں تو انجام نیک ہوگا ورنہ برعکس۔

marfat.com

پیشہ ہا و خلقہا از بعد خواب
۲۳۳ــــــــــ
واپس آید ہم بخصم خود شتاب

پیشہ و اندیشہا در وقت صبح
۲۳۴ــــــــــ
بداں جا شد کہ بود آں حسن و قبح

۲۳۳۔ ترجمہ : یہ پیشے اور عادتیں خواب کے بعد اپنے مالک کی طرف فوراً لوٹتی ہیں ۔

۲۳۴۔ ترجمہ : پیشے اور اندیشے صبح ہوتے ہی وہیں پہنچتے ہیں جہاں ان کے حسن و قبح کے ٹھکانے ہیں ۔

شرح : یہ پہلے گزر چکا ہے کہ انسان کے اپنے کیے ہوئے اعمال قیامت کے دن سامنے آجائیں گے ۔ ان شعروں میں اسی مضمون کو بطور تمثیل بیان کیا گیا ہے یعنی جس طرح دنیا میں صبح کو اٹھتے ہی اچھے برے پیشہ یا نیک و بد خیالات اپنے مالکوں یا مرتکبوں کی طرف رجوع کر جاتے ہیں اور یہ ہرگز نہیں ہوتا کہ سنار کا پیشہ لوہار میں یا نیک خیالات بدوں میں چلے جائیں ۔ اسی طرح صبح محشر میں تمام نیک و بد اعمال ان کرنے والوں کی طرف رجوع کر جائیں گے ۔ ایک کے عمل دوسرے کو نہ ملیں گے ۔ قرآن شریف میں موجود ہے :

اَلْیَوْمَ تُجْزٰی کُلُّ نَفْسٍ بِمَا کَسَبَتْ لَا ظُلْمَ اَلْیَوْمَ ۔ یعنی آج کے دن ہر نفس کو اس کے اعمال کے مطابق بدلہ دیا جائے گا اور کسی پر ظلم نہ ہوگا ۔

معنوی طور پر بعد خواب سے بعد موت اور صبح سے صبح محشر مراد ہے ۔

marfat.com

۲۳۵ — چوں کبوتر ہائے پیک از شہر ہا
سو شہرے خویش آرد بہر ہا

۲۳۶ — ہر چہ بینی سوئے اصل خود رود
جزو سوئے کل خود راجع شود

۲۳۵۔ ترجمہ : جیسے پیامی کبوتر کہ اور شہروں سے اپنے شہر کو حصے یعنی پیغامات پہنچاتا ہے۔
شرح : اسی مضمون کی دوسری مثال ہے یعنی نیک و بد اعمال قاصد کبوتر کے مانند ہیں جس طرح کبوتر سب طرف سے پھر پھرا کر اپنے گھر آجاتا ہے اسی طرح تیرے اعمال دوزخ یا جنت کی صورت بن کر تیرے سامنے آجائیں گے۔
ف : بہر ہا بمعنی حصے۔ شارح عربی نے لکھا ہے کہ پہلے دور میں ڈاک کا سلسلہ کبوتروں کے ذریعے چلتا تھا۔ اس کا طریقہ یوں تھا کہ کبوتر کے پاؤں میں خط باندھ کر چھوڑ دیتے تھے۔ مولانا قدس سرہٗ اسی کو تمثیل میں بیان فرمایا کہ جیسے کبوتر گھوم پھر کر اپنے وطن کو لوٹتا ہے ایسے ہی اعمال کا حال ہے۔
۲۳۶۔ ترجمہ : جس چیز کو تم دیکھتے ہو کہ تمام اپنی اصل کی طرف جاتی ہے اور ہر جزو اپنے کل کی طرف رجوع کرتا ہے۔
شرح : یعنی نیک و بد اعمال اپنی اصل (کرنے والے) کی طرف رجوع کرتے ہیں کیونکہ ہر فعل اپنے فاعل کا ایک جزو ہے اور جزو ہمیشہ کل کی طرف رجوع کیا کرتا ہے۔
چنانچہ سوداگر کی طوطی نے اپنی اصل اور تعلیم دہندہ مکر (طوطی ہندوستان) کے فعل کی طرف رجوع کیا۔ یعنی جس طرح از راہِ مکر وہ مرگیا تھا اسی طرح یہ بھی مرگیا اور سوداگر کے قفس سے رہائی پائی۔
چنانچہ آئندہ یہی بیان شروع ہوتا ہے۔

marfat.com

شنیدن آں طوطی حرکت آں طوطی را و مردن و نوحہ خواجہ برو

چوں شنید آں مرغ کاں طوطی چہ کرد
۲۳۷ ———
ہم بلرزید و فتاد و گشت سرد

ترجمہ :

سوداگر کی طوطی کا ہندوستان کی طوطی کی حرکت کو سُننا اور مرجانا اور سوداگر کا اس پر نوحہ کرنا۔

۲۳۷۔ ترجمہ :

طوطی تاجر نے جب قصہ سُنا کپکپایا گر کے ٹھنڈا ہو گیا۔

شرح :

یعنی سوداگر کے طوطی نے جب سوداگر ہی کی زبان سے ہندوستان کی طوطی کے مرجانے کا قصہ سُنا تو لرزہ کر زمین پر گر پڑا اور بے دم ہو گیا۔ تاجر نے اس کے مرنے کا یقین کر لیا۔

نکتہ :

فی الواقع نہ تو ہندوستان کا طوطی مرا تھا اور نہ یہ تاجر کا طوطی مرا ہے بلکہ یہ اس طوطی کے لیے طوطیٔ ہندوستان کی تعلیم تھی اور اس طرف اشارہ تھا کہ مرنے سے پہلے مرجانا نجات کا باعث ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ اس طوطی کو مردہ سمجھ کر سوداگر نے پنجرے سے باہر نکال دیا۔ پھر وہ طوطی اپنے مالک کو چند نصیحتیں کر کے اُڑ گیا۔ اس کی تفصیل آگے آتی ہے۔

marfat.com

خواجہ چوں دیدش فتادہ ایں چنیں
۲۳۸ــــــــ
بر جہید و زد کلہ بر زمین

چوں بدیں رنگ و بدیں حالت بدید
۲۳۹ــــــــ
خواجہ بر جست و گریباں را درید

۲۳۸۔ **حل لغات:** کلہ مخفف کلاہ بضم اول و سکون ہا معروف۔ وہ شے جو از قسم پوست و چمڑا و زربفت وغیرہ تیار کر کے سر پر رکھی جائے اور شاہی تاج کو بھی کہا جاتا ہے۔

ترجمہ: جب خواجہ نے اس کو اس طرح گرتے دیکھا تو بیقرار ہو کر ٹوپی زمین پر پھینک دی۔ چونکہ سوداگر اپنی پلی ہوئی طوطی سے بہت محبت رکھتا تھا اس نے اسے مردہ سمجھ کر فرط غم سے ٹوپی زمین پر دے ماری۔

ف: ٹوپی یا پگڑی زمین پر پھینک دینا گریبان چاک کرنا یہ سب غایت درجہ کی علامات ہیں لیکن شرع مطہرہ نے اسے منع کیا ہے۔ اس مسئلہ کی تفصیل کے لیے رسالہ "ماتم حسین" لکھا جا چکا ہے۔

۲۳۹۔ **ترجمہ:** جب سوداگر نے یہ رنگ اور یہ حال دیکھا۔ خواجہ تاجر نے بیقراری سے گریباں پھاڑ ڈالا۔

شرح: مولانا کے اس بیان سے معلوم ہوا کہ مصیبت کے وقت کپڑے پھاڑنا اور بال نوچنا وغیرہ جائز ہے اور امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت سے زیادہ اور کونسی مصیبت ہو سکتی ہے۔ فلہٰذا اگر تاجر کے لیے جائز ہے تو ہمارے لیے بھی جائز۔

جواب: یہ ایک واقعہ ہے جس سے استدلال شرعی کیسا جبکہ ماتم حسین شیعہ مذہب میں ایک شرعی مسئلہ ہے اور وہ بھی اپنا من گھڑت ورنہ ائمہ کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور خود ائمہ اور

(بقیہ بر صفحہ آئندہ)

marfat.com

صفحہ گذشتہ سے : شیعہ کے مجتہدین خود ایسے ماتم کے روادار نہیں۔ تفصیل ہم نے "ماتم حسین" میں عرض کر دی ہے چند حوالہ جات ہدیہ ناظرین ہیں ملاحظہ ہوں :

۱۔ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت نوحہ کے متعلق۔ قرآن کریم سے۔

فروع کافی جلد ۲۲۹

تفسیر قمی ۳۴۵

۲۔ نوح کی ممانعت۔ قرآن کریم کی تفسیر شیعہ احادیث سے۔

تفسیر مجمع البیان ۲۷۴

۳۔ ماتم کے متعلق حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ کی تفسیر قرآنی۔ فروع کافی

فروع کافی جلد ۲ ۲۲۸

۴۔ قرآن کریم کی آیت ممانعت ماتم کا ترجمہ۔ امیر المومنین علیہ السلام حضرت امام باقر کی زبانی۔ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت اپنی صاحبزادی حضرت فاطمۃ الزہرا کو کہ مجھ پر ماتم نہ کرنا۔ کتاب العلل والشرائع جلد ۲ ۱۱۰

جلاء العیون ۵۸

۵۔ جو شخص ماتم کرتا ہے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف دیتا ہے۔

حلیۃ المتقین ۱۹۴ و ۸۸۶۷

کتاب الامالی الصدوقا ۲۵۴

اصول کافی ۴۲۰

قرب الاسناد ۱۲۳

من لا یحضرہ الفقیہہ جلد ۲ ۳۵۷

۶۔ عورتوں کو ماتم میں بھیجنے کے متعلق مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا فتویٰ

خصال الابن بابویہ ۹۲

marfat.com

گفت اے طوطی خوب خوش حنین

۲۴۰ ———

اے چہ بودت ایں چرا گشتی چنیں

اے دریغا مرغ خوش آواز من

۲۴۱ ———

اے دریغا ہمدم و ہمراز من

۲۴۰۔ ترجمہ: سوداگر کہتا تھا اے خوبصورت اور خوش آواز طوطی افسوس کہ تجھے کیا ہوا کہ تو ایسی ہوگئی۔

حل لغات: حنین بمعنی آرزو، نالہ۔ اقرب الموارد میں ہے کہ حنین بمعنی شوق و شدۃ البکاء والضرب۔ بعض نے کہا حزن و فرح کی خوش آواز کو حنین کہتے ہیں۔ (امداد)

شرح: بعض نے خوب و خوش کے معنی خوبصورت اور حنین کے لکھے ہیں۔ یعنی اے خوبصورت اور ایسا اچھا بولنے والی طوطی تجھے کیا ہوگیا اور تو کیوں ایسا ہوگیا۔ یعنی مر گیا۔

۲۴۱۔ ترجمہ:

اے میرے مرغ خوش آواز افسوس! اے میرے ہمدم و ہمراز صد حیف۔

marfat.com

اے دریغا مرغ خوش الحان من

۲۴۲ ———

راح وروح و روضۂ رضوان من

۲۴۲۔ ترجمہ: ہائے افسوس میری خوش الحان پرند۔ روح کو فرحت دینے والے اور بہشتی باغ کی چڑیا۔

حل لغات: دریغ بکسر اول وثانی بتحتانی مجہول کشیدہ وبغین نقطہ دار ان دس کلمات سے ہے جنہیں تاسف وحسرت کے وقت بولا جاتا ہے اور بمعنی افسوس واندوہ ودشوار اور تقصیرات پر گزشتہ غمگین ہونا۔ بضم اول بھی مستعمل ہوا ہے۔ (برہان اللغات) الحان لحن کی جمع ہے بمعنی آواز۔ روح بالفتح بوئے خوش ورحمت وبخشش و باد خنک و خوش آئندہ۔ و رموز خوش وآسانی و بالضم بمعنی روح۔ رضوان بالکسر والضم خوشنود ہونا و پسند کرنا اور خازن بہشت (امداد وغیرہ)

شرح:

چونکہ سوداگر طوطی سے مانوس تھا اس لیے اس نے اس کے مرنے کا ان الفاظ میں ماتم کیا ہے لیکن باعتبار معنوی طوطی سے روح اور سوداگر سے قالب عنصری مراد ہے۔ مرغ خوش الحان اور راح روح روضۂ رضوان یہ دونوں صفتیں روح پر اچھی طرح صادق آتی ہیں۔ چونکہ بولنے کا تعلق روح سے ہے اور جب روح نکل جاتی ہے تو قالب نہیں بولتا اس لیے عوام الناس روح کو نطق کے نام سے نامزد کرتے ہیں۔ پس روح کی جدائی میں قالب فریاد کر رہا ہے اور روح کو اپنی آسایش کا سبب بتلا رہا ہے۔ جو فی الواقع ٹھیک بھی ہے۔

marfat.com

۲۴۳ــــــ گر سلیمان را چنیں مرغے بدے
کے دگر مشغول آں مرغان شدے

۲۴۳۔ ترجمہ:

اگر سلیمان کے پاس ایسا اچھا جانور ہوتا تو وہ دوسرے جانوروں کی طرف ہرگز توجہ نہ فرماتے۔

شرح:

چونکہ حضرت سلیمان علیہ السلام وحوش وطیور جن و انسان کے بادشاہ تھے۔اس رعایت سے یہ مضمون لائے ہیں۔سوداگر کہتا ہے کہ اگر حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس ایسا اچھا طوطی ہوتا جیسا کہ یہ تھا تو وہ شاید اور پرندوں کی طرف اس کے مقابلہ میں متوجہ نہ ہوتے بعض شارحین نے سوداگر کے اس مقولہ سے اپنی طوطی کو حضرت سلیمان علیہ السلام کے پرندوں پر ترجیح کا مطلب نکالا ہے اور اس سوءادبی کا رفع ! یوں کیا ہے کہ چونکہ سوداگر اپنی طوطی کا عاشق تھا اور عاشق خاص کر اپنے معشوق کی جدائی کا صدمہ پہنچنے پر معذور ہوتا ہے اور ایسے وقت میں اس کو لحاظ وادب نہیں ہوتا۔اس لیے سوداگر اس ترجیح سے سوءادبی کا ذمہ دار نہیں ہے۔مگر ہماری رائے میں شعر ہذا سے سوداگر کا اپنی طوطی کو مرغان سلیمان علیہ السّلام پر ترجیح دینے کا منشا نہیں ہے۔ بلکہ یہ مطلب ہے کہ اگر حضرت سلیمان علیہ السّلام کے پاس ایسا طوطی ہوتا تو وہ اس کی خوش الحانی کی خاص صفات کے باعث اس کی طرف بمقابلہ اور جانوروں کے زیادہ متوجہ ہوتے۔

marfat.com

اے دریغا مرغ کارزاں یافتم
۲۴۴
زود رُو از روئے رو برتافتم

اے زبان تو بس زیانے مرمرا
۲۴۵
چوں توئی گویا چہ گویم مر ترا

۲۴۴۔ ترجمہ: اے دریغ وہ مرغ کہ جس کو میں نے سستا پایا تھا۔ جلد میری طرف سے منہ پھیر گیا۔

شرح: یعنی افسوس ایسا جانور جو ابتدا میں بہت سستا میرے ہاتھ لگ گیا تھا اور انتہا میں اپنی خوش آوازی کے سبب نہایت قیمتی ہوگیا تھا۔ یوں منہ پھیر کر چل بسا اور مجھے روتا ہوا چھوڑ گیا۔

۲۴۵۔ ترجمہ: اے زبان تو میرے لیے نقصان ہے۔ جب تو ایسی ہے تو پھر میں تجھے کیا کہوں۔

شرح: یعنی چونکہ یہ طوطی ہندوستان کی طوطی کا قصہ سنانے کے سبب مرگیا تھا۔ اس لیے تاجر اپنی زبان کی مذمت کرتا ہے یا یوں سمجھئے کہ یہاں سے بزبان سوداگر زبان کے ضرر کے متعلق مولانا کا وعظ شروع ہوا ہے۔

مطلب شعر یہ ہے کہ اے زبان تو میرے لیے بڑے بڑے نقصانوں کا باعث ہے مگر چونکہ تو خود متکلم اور میرے بدن کا جزو ہے۔ اسی لیے تجھے کیا کہوں تیری ملامت کیوں کر کروں۔ تجھے نصیحت کرنا اپنے آپ کو فضیحت کرنا ہے۔

marfat.com

اے زبان ہم آتش و ہم خرمنی

۲۴۶ چند ایں آتش دریں خرمن زنی

در نہاں جان از تو افغان می کند

۲۴۷ گرچہ ہرچہ گوئیش آں می کند

۲۴۶۔ ترجمہ: اے زبان تو آگ بھی ہے اور خرمن بھی ۔ پس یہ آگ کب تک اس خرمن لگ جائے گی۔

شرح: یعنی اے زبان تو آگ بھی ہے کیونکہ کلمات الکفر والفسق تاکل الحسنات یعنی کفر کے کلمے اور گناہوں کے متعلق باتیں کرنا نیکیوں کو زائل کر دیتی ہیں جس طرح آگ خرمن کو جلا ڈالتی ہے اور اے زبان تو ذکر توحید اور کلمات نیک اور تلاوت قرآن حکیم کے سبب نیکیوں کا خرمن بھی ہے لیکن تیرا نقصان فائدے سے زیادہ ہے کیونکہ ایک شخص مثلاً سارے دن قرآن شریف پڑھ کر نیکیوں کا خرمن لگائے اور شام کے وقت کسی بے گناہ کو گالیاں دے یا فحش اور بیہودہ کلمات منہ سے نکالے تو سارے دن کا ثواب تھوڑی دیر میں جاتا رہے گا۔ اسی لیے مولانا دوسرے مصرعہ میں فرماتے ہیں کہ اے زبان تو نیکیوں کے خرمن میں بیہودہ کلمات کہہ کر کب تک آگ لگاتے جائے گی۔ اس سے باز رہ ورنہ میں تیری باتوں کے سبب ہلاک ہو جاؤں گا۔

۲۴۷۔ ترجمہ: جسم میں جان بھی تجھ سے فریادی ہے اگرچہ جو کچھ کہتی ہے ویسا ہی کرتی ہے۔

شرح: دوسرے مصرعہ میں ضمیر شین ہرچہ کی طرف راجع ہے اس صورت میں

(بقیہ برصفحہ آئندہ)

marfat.com

اے زباں ہم گنج بے پایاں توئی

۲۴۸ — اے زبان ہم رنج بے درمان توئی

صفحہ گذشتہ سے :
یہ مطلب ہے کہ اے زبان اگرچہ جو کچھ تو کہتی ہے وہ فی الواقع تو نہیں کہتی بلکہ روح کہتی ہے اور نیز افعل دگویائی ، روح کی طرف منسوب ہوتا ہے کیونکہ زبان میں قوت تکلم روح کے سبب پیدا ہوتی ہے ۔لیکن بایں ہمہ روح درپردہ تجھ سے نالاں ہے کیونکہ تو بعض ایسے اسرار کی غماز ہو جاتی ہے جن سے سوائے روح کے اور کوئی واقف نہیں ۔یہ بھی ممکن ہے کہ ضمیر شین جان کی طرف راجع ہو ۔ اس وقت یہ معنی ہیں کہ اے زبان جان تیرا کہنا کر دیتی ہے یعنی حتی الامکان تجھے اقوال اور وعدوں میں جھوٹا نہیں ہونے دیتی ۔مثل مشہور ہے کہ "قول مرداں جہاں دارد" لیکن پھر بھی جان تیری باتوں سے نالاں رہتی ہے ۔کیوں کہ تجھ سے بیہودہ کلمات بھی نکل جاتے ہیں ۔

۲۴۸۔ ترجمہ : اے زبان بے تعداد خزانہ بھی تو ہی ہے اور اے زبان لا علاج رنج بھی تو ہی ہے ۔

شرح : زبان کا گنج بے پایاں ہونا ظاہر ہے کیونکہ یہ تلاوت قرآن و ذکر الٰہی کے سبب زبان گنج بے پایاں ہے اور کلمات کفر و فحش اور فساد انگیز کے سبب مرض لا علاج بھی ہے جس کا درمان لقمان کے پاس بھی نہیں ۔ حدیث شریف میں وارد ہے کہ بہت سے لوگ زبان کے سبب دوزخ میں ڈالے جائیں گے ۔

marfat.com

ہمصفیر و عذعہ مرغان توئی
۲۴۹ — ہم بلیس و ظلمت کفران توئی

ہم خفیر و رہبر مرغان توئی
۲۵۰ — ہم انیس و حشت ہجران توئی

---

۲۴۹ ۔ترجمہ : ہمصفیر اور پرندوں کی پھانسی والی بھی تو ہی ہے اور فریب بھی تو ہی اور کفران نعمت بھی تو ہی ۔

شرح : مطلب یہ کہ اے زبان کبھی تو جانوروں کی ہم صفیر ہو کر یعنی ان کی آواز بن کر ان کو پھانستی ہے اور کبھی مکرو فریب اور ناشکری کی ظلمت بن جاتی ہے ۔ یعنی جھوٹی باتیں اور ناشکری کرنا تیرا شعار ہے ۔

حل لغات : صفیر آواز و فریاد اور بالخصوص وہ آواز جو جانوروں کی طلب کیلئے ہوتی ہے ۔ عذعہ بالضم بمعنی فریب ۔ (امداد)

۲۵۰ ۔ترجمہ : پاسبان بھی ہے اور پرندوں کی رہبر بھی اور وحشت ہجر ان کی مونس بھی تو ہی ہے ۔

حل لغات : خفیر بفتح خاء معجمہ بمعنی فریاد رسندہ و رہانندہ و قاصد و رہبر و بدرقہ ۔ ۱۲ (امداد از ولی محمد)

شرح : خفیر بمعنی نگہبان و فریاد رس ۔ یعنی اے زبان تجھ سے جس طرح نفع پہنچتا ہے اسی طرح نقصان بھی ہوتا ہے ۔ کبھی تو جانوروں کو صفیر بن کر گرفتار کرا دیتی ہے اور کبھی ان کی نگہبان اور رہبر بھی بن جاتی ہے ۔ خلاصہ یہ کہ وہی صفیر کبھی

(بقیہ بر صفحہ آئندہ)

marfat.com

چند امانم می دہی اے بے امان
۲۵۱ ——
اے تو زہ کردہ بکین من کمان

صفحہ گذشتہ سے :
پھانسنے کا کام دیتی ہے اور کبھی خطرہ سے اطلاع دینے کا ۔
دوسرے مصرعہ کا مطلب یہ ہے کہ اے زبان وحشت ہجر میں تنہائی کی انیس بھی اور جدائی کی غمخوار بھی ۔ جو لوگ اپنے معشوق حقیقی سے جدا ہیں وہ زبان کے ذریعہ سے اس کے ذکر اور یاد میں مشغول رہتے ہیں اور جو مجازی معشوقوں سے دور ہیں وہ اپنے غمزدہ دل کی تسکین کیلئے شوقیہ اشعار کا درد کرتے ہیں ۔

---

۲۵۱ ۔ ترجمہ :
اے بے امان تو مجھے کب امان دے گی ۔ تو نے تو میرے کینہ پر کمان کھینچی ہے ۔
شرح :
یعنی اے زبان تو میرے ہلاک کرنے کے لیے اپنی کینہ کی کمان کھینچے ہوئے ہے ۔ نہیں معلوم کہ تو مجھے اپنی دشمنی سے کب امان دے گی ۔ لفظ بے امان کلمہ بد دعا ہے اور بعض محققین نے امان دینے کو بمعنی موت لکھا ہے ۔ یعنی اے زبان تو مجھے کب ہلاک کرے گی ۔ میں تیرے سبب قابل دوزخ ہوگیا ہوں ۔
اس شعر میں تاجر استفہام کے طور زبان کو کہتا ہے کہ تو مجھے امان دے گی یا نہ ۔ غرضیکہ تاجر طوطی کے غم سے پگھلتا جارہا تھا اور زبان کے شر سے پناہ مانگ رہا تھا ۔

marfat.com

نک بہ پرانیدہ مرغ مرا

۲۵۲ — در چراگاہے ستم کم کن چرا

یا جواب من بگو یا داد دہ

۲۵۳ — یا مرا اسباب شادی یاد دہ

۲۵۲۔ ترجمہ : ایک تو نے میرے پرند کو اڑا دیا۔ اب تو چراگاہ ستم میں چرنا کم کر دے۔

شرح : چرا بمعنی چرانیدن (چرنا) ہے۔ یہ سوداگر کا مقولہ ہے کہ زبان تیری بدولت میرا پلا ہوا طوطی مر گیا۔ اب تو مجھ پر رحم کھا اور ستم کرنا کم کر دے۔ یعنی کسی کو ایسے صدمے پہنچانے والے کلمات نہ سنا جس سے کہ سننے والا آزردہ ہو جائے۔

۲۵۳۔ ترجمہ : یا تو میرے سوال کا جواب دے یا انصاف کر یا مجھ کو کوئی سبب خوشی کا یاد دلا۔

شرح : تاجر کہتا ہے کہ اے زبان میں نے جو تجھ پر ضرر رسانی کے الزام لگائے ہیں یا تو ان کا کوئی شافی جواب دے کہ میں خاموش ہو جاؤں اور اپنے الزام واپس لوں یا از راہ انصاف میرے الزاموں کو تسلیم کر لے اور اپنی خطا کا اقرار کر یا اگر تو ان دونوں باتوں میں سے کوئی نہ کر سکے تو خوشی کے کچھ ایسے اسباب مہیا کر جن میں مشغول ہو کر میں تیری ساری شکایتیں بھول جاؤں۔ خوشی کے اسباب مہیا کر دینے سے یہ مطلب ہے کہ جس طرح تجھ سے رنجیدہ الفاظ سرزد ہوئے ہیں اسی طرح تو اب اس کا نعم البدل بھی کر دے یعنی کوئی ایسی بات بیان کر جس سے میں خوش ہو جاؤں۔ کیونکہ تجھ میں رنج دینے یا خوشی پہنچانے کی دونوں صفتیں موجود ہیں اگر کچھ نہیں کر سکتی تو پھر بیہودہ بکواس نہ کیجئے۔

marfat.com

اے دریغا نور ظلمت سوز من
۲۵۴ ——
اے دریغا صبح روز افروز من

۲۵۴۔ ترجمہ:

اے میرے سیاہی سوز نور افسوس۔ حیف اے میرے روز کو بڑھانے والی صبح۔

شرح:

یہاں سے سوداگر طوطی کو خطاب کر کے اس کے مرنے کا ماتم کرتا ہے اور افسوس سے کہتا ہے کہ اے میرے گھر کی ظلمت کو جلا دینے والا نور کہاں ہے اور اے میرے خوشی کے دن کو زیادہ کرنے والی صبح تو کس جگہ ہے۔؟ اور اپنی خوش الحانیوں سے مجھ کو خوش رکھ جیسا کہ تیرا دستور تھا۔

گھر کی ظلمت کو جلانے والی یعنی روشن کرنے والی اور خوشی کے دن کو زیادہ کرنے والی یعنی زیادہ خوشی دینے والی۔ یہ ایسے کلمات ہیں جو غلبۂ شوق اور جوش ماتم میں ماتمیوں کی زبان سے نکلا کرتے ہیں۔ موت کے گھر والے اکثر مرنے والے کی صفتیں یاد کر کے اسے رویا کرتے ہیں۔ چونکہ طوطی اپنی خوشنوائی کے باعث تاجر کے دل سے گھٹاؤں اور کدورت کے اندھیروں کو زائل کرتا رہتا تھا اسی لیے اسے نور ظلمت سوز اور صبح روز افروز کہا گیا یا اس کا باعث نہایت درجہ کی محبت ہے جیسا کہ ماں اپنے مرنے والے بچے کی نسبت کہا کرتی ہے کہ حیف میری آنکھوں کی روشنی غائب ہوگئی میرا چاند زمین کے پردہ میں جا چھپا۔

marfat.com

اے دریغا مرغ خوش پرواز من
۲۵۵——
ز انتہا پریدہ تا آغاز من

۲۵۵- ترجمہ : ہائے افسوس اے میرے خوش پرواز پرندے کہ انتہا سے میرے آغاز تک تو اڑا -

شرح : اس کے دو معنی ہیں - اوّل یہ کہ شعر کو تاجر کا مقولہ کہا جائے - اس صورت میں یہ معنی ہیں کہ افسوس میرا طوطی خوش پرواز انتہا سے لے کر ابتدا تک میری فرحت و مسرت کے تمام سامانوں کو اپنے ساتھ لے اڑا، میری ساری عمر کی کمائی جاتی رہی ہے - میں لٹ گیا فقیر ہو گیا - دوم یہ کہ شعر کو مولانا قدس سرہ کا مقولہ قرار دیا جائے - اس صورت میں مرغ خوش پرواز سے روح مراد ہے اور مولانا کا یہ مقولہ تمام خاص و عام کی تنبیہہ پر مبنی ہے اور باطنی طور پر شعر مذکور نہایت باریک معنی رکھتا ہے جس پر صوفیوں کو زیادہ توجہ ہونی چاہیئے -

حاجی امداد اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ نے لکھا ہے کہ آغاز سے عالم ارواح اور انتہا سے عالم ناسوت مراد ہے یعنی عالم تقید و تنزل سے پرواز کر کے عالم اخلاق و تجرد تک پہنچا - اس میں تاجر طوطی کے سامنے تضرع و زاری سے کہتا ہے کہ صرف تو نے ہی قفس تن سے پرواز نہیں کیا بلکہ تو نے میرے آغاز و انجام کو بھی برباد کر ڈالا کہ اب نہ مجھے ابتدا کی خبر ہے نہ انتہا کی - شیخ محمد افضل مرحوم نے لکھا کہ انتہا سے قوس عالم شہادت اور آغاز سے مقام احدیت و تعین اول ہے - اب معنی یہ ہوا کہ اے طوطی تو نے عالم شہادت سے پرواز کر کے مقام احدیت تک پہنچا -

یاد رہے کہ سالک کی سیر عکسی ہے اس لیئے عالم شہادت سے مثال تک پھر عالم مثال سے ارواح تک پھر عالم ارواح سے اسماء و اعیان تک پھر اسماء و اعیان سے مرتبۂ واحدیت تک اس کے بعد مرتبہ احدیت میں گم ہوتا ہے - اسی کو فنائیت کہتے ہیں جیسے حضرت

marfat.com

۲۵۶—— عاشق رنجست نادان تا ابد
نیزالاقسم بخوان تا فی کبد

صفحہ گذشتہ سے :

خواجہ غلام فرید قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

توڑیں غوثی قطبی رتبہ پالیو
تاوی کیا تھی پیا ہے گم تھیون مطلب

یعنی غوثیت و قطبیت کا مرتبہ ملا تو کیا ہوا۔ اصل مقصد تو فنا فی اللہ ہونا ہے۔

۲۵۶ - ترجمہ :

وہ نادان ہمیشہ رنج کا عاشق ہے۔ اور سورۂ لا اقسم کو ما فی کبد تک پڑھ۔

شرح :

یہ اور اس سے اگلا شعر خاص مولانا کا مقولہ ہے یعنی جو شخص نادان ہے وہ رنج دنیوی کا عاشق ہے جیسا کہ یہ تاجر کہ اس کو طوطی کے مرنے کا رنج دنیوی دل لگی کے جاتے رہنے سے تھا۔ چنانچہ قرآن مجید میں موجود ہے :

لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ فِي كَبَدٍ ۔ یعنی ہم نے انسان کو رنج و مشقت میں پیدا کیا ہے۔

علمائے ظاہر اس کو رنج اور مشقت ظاہری پر محمول کیا کرتے ہیں اور صوفیہ غفلت پر۔ یعنی جو شخص خدا سے غافل اور طالب دنیا ہے وہ ہمیشہ رنج محرومی مشاہدۂ الٰہی میں رہتا ہے۔ خدا کی طرف سے کبھی اس کو اطمینان نہیں ہوتا۔ تا ابد سے از ولادت تا موت مراد ہے۔

marfat.com

۲۵۷— از کبد فارغ شدم با روئے تو
وز زبد صافی بدم در جوئے تو

۲۵۸— اے دریغا با خیال دید نست
وز وجود نقد خود ببریدن است

۲۵۷۔ حل لغات: زَبَدَ بفتحتین دریا کی جھاگ ایسے ہی دودھ کی جھاگ کو بھی زبد کہتے ہیں۔

ترجمہ: تیرے چہرے کی زیارت کی وجہ سے میں ہمیشہ کے دُکھ درد سے فارغ تھا اور تیرے دریائے کرم میں تھا تو ہر طرح کی جھاگ سے صاف تھا۔

شرح: مولانا کا مقولہ ہے اور روؔ سے مشاہدۂ زَبَدؔ بمعنی جھگ سے ماسوی اللہ جُوؔ سے نہر محبت الٰہی مراد ہے۔ گویا مولانا اپنی زبان سے عارفان کامل کا حال بیان کرتے ہیں کہ ایسے لوگ بسبب مشاہدۂ حق رنج دنیا سے فارغ ہیں اور نہر محبت الٰہی میں غوطہ کھانے سے ان کے دل محبت ماسوی اللہ سے پاک صاف ہو گئے ہیں۔

۲۵۸۔ ترجمہ: اے مجھ کو خیال بد سے افسوس ہے اور وجود نقد اپنے سے علیحدگی کا بھی۔

یہاں مولانا رحمۃ اللہ علیہ تاجر کے دریغ سے اپنے دریغ کی طرف رجوع کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ میرا دریغ ایسا نہیں جیسا کہ تاجر کا طوطی کے فراق سے تھا بلکہ خیال مشاہدۂ باری تعالیٰ کے سبب سے ہے یعنی یہ فکر ہے کہ کہیں حصائد زبان کے باعث مشاہدۂ محبوب حقیقی مجھ سے منقطع نہ ہو جائے اور کہیں بہ وجود نقد یعنی مرتبہ اتباً باللہ جو مجھ کو

(بقیہ صفحہ آئندہ)

marfat.com

۲۵۹ــــــــــ غیرت حق بود با حق چارہ نیست
کو دلے کز حاکم حق صد پارہ نیست

صفحہ گذشتہ سے:
فنا فی اللہ کے بعد حاصل ہوا ہے میرے ہاتھ سے نہ جاتا رہے۔ دوسری صورت میں یہ شعر تاجر کا مقولہ بھی ہو سکتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ میرا افسوس خیال دیر کے سبب سے ہے۔ یعنی بار بار یہ خیال آتا ہے کہ اب طوطی کا نظارہ میسّر نہ ہوگا اور یہ دریغ اس لیے ہے کہ میرا تعلق زندگی نقد یعنی طوطی کی زندگی سے منقطع ہو گیا ہے۔

۲۵۹۔ ترجمہ: غیرت حق کی ہے اور حق سے چارہ نہیں۔ کونسا دل ہے جو اس کے حکم سے سو ٹکڑے نہیں ہوتا۔

شرح: اگر مولانا کا مقولہ ہے تو یہ معنی ہیں کہ کاملین کا اپنے وجود کو وجود حق میں کرنا عین غیرت حق ہے کیونکہ غیرت حق اس بات کی مقتضی ہے کہ بجز ذات حق پھر باقی ہی نہ رہے اسی لیے کاملین اپنے وجود کے فنا کرنے کی کوشش کیا کرتے ہیں کہ جہاں تک شرک خفی معدوم ہو اچھا ہے کیونکہ کاملین کو مقتضائے غیرت حق سے چارہ نہیں ان کا دل حکم حق سے پارہ پارہ ہوتا ہے۔ اسی لیے وجود عارضی کو وجود باقی میں فنا کر دیتے ہیں اور اگر تاجر کا مقولہ ہے تو یہ معنی ہیں کہ طوطی کا مر جانا مقتضائے غیرت الٰہی تھا جو یہ چاہتی ہے کہ اس کی ہستی کے سامنے ہر شے نیست و نابود ہو جائے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوتا ہے حکم حق ٹل نہیں سکتا اور کوئی دل ایسا نہیں ہے کہ موت کے صدمے سے ٹکڑے ٹکڑے نہ ہو گیا ہو۔ ان اشعار کے ایسے دو معنی ہیں کہ ان سے سوداگر اور مولانا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ دونوں کا مقولہ ثابت ہوتا چلا جاتا ہے۔

marfat.com

غیرت آں باشد کہ او غیر ہمہ است
۲۶۰ ـــــــ
آں کہ افزوں از بیان دمدمہ است

۲۶۰۔ترجمہ : غیرت وہ ہے جو سب سے غیر ہے اور وہ تمام بیان اور دمدمہ سے زیادہ ہے۔

حل لغات: دمدمہ بالفتح بمعنی آوازہ حمد وثنا۔

شرح : یہ شعر بھی مولانا اور تاجر دونوں کا مقولہ ہو سکتا ہے۔یعنی غیرت خداوندی جو اشیاء کو فنا کر دینے والی ہے۔یہ معنی رکھتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اور ہر چیز ہے اور موجودات اور ہر چیز وہ واجب ہے اور یہ ممکن اس کا وجود باقی ہے۔ان کا فانی اس کے وجود کو اسباب سے غیرت آتی ہے کہ میرے ہوتے کوئی اور بھی ہو وہ حد بیان سے باہر ہے اور دمدمہ یعنی آوازہ حمد وثنا سے افزوں اور ہمیشہ باقی رہنے والا ہے یہی باعث ہے کہ جمیع موجودات کا انجام فنا ہے ان کا وجود فانی حباب کی طرح ناقابل اعتبار ہے۔ حاجی امداد اللہ رحمۃ اللہ علیہ شارح ولی محمد سے نقل کر کے فرماتے ہیں کہ او ضمیر راجع بسوئے اللہ یا بسوئے حق۔

تحقیق غیریت وعینیت خلق جملہ موجودات غیر حق بایں معنی ہیں کہ ہر ایک کا ایک مخصوص تعین ہے اسی تعین کی وجہ سے وہ ہر ایک سے جدا اور ممتاز ہے لیکن بحیثیت ذات کے جملہ تعینات میں ہے اسی لیے محققین کہتے ہیں کہ غیریت خلق اعتباری ہے حقیقی نہیں۔غیریت خلق از روئے تعین غیر حق ہے لیکن از روئے خارج واز روئے حقیقت عین حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ ہمہ اوست میں او کا مرجع حق سبحانہٗ تعالیٰ من حیث الذات نہیں بلکہ من حیث الظہور ہے (کما صرح بہ الشیخ الاکبر) اور انہوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ من حیث

marfat.com

الذات غنی عن العالمین و متباین عن الخلق ہے اور من حیث الظاہر و التجلی ن المظاہر ہے۔

اس موضوع پر دو رباعیاں ملاحظہ ہوں۔ ؎

گر طالب شر بود و گر کاسب خیر
گر صاحب خانقہ و گر راہب دیر
از روئے تعین ہمہ غیر اند نہ عین
وز روئے حقیقت ہمہ عین اند نہ غیر

★

اعیان حروف در صور مختلف اند
لیکن ہمہ در ذات الف مؤتلف اند
از روئے تعین ہمہ باہم غیر اند
وز روئے حقیقت ہمہ عین الف اند

اس مسلک کو مسلک توحیدی اور مسئلہ کا نام وحدۃ الوجود ہے جس میں اہل ظواہر کو اختلاف ہے وہ کہتے ہیں کہ مخلوق بہمہ وجود حق کی غیر ہے اور یہ مغایرت حقیقی ہے اعتباری نہیں۔ اس مسئلہ کی تحقیق ہم نے "شرح لوائح جامی" میں لکھی ہے۔

خلاصہ شعر یہ ہے کہ جب جملہ مخلوق اس کی عین ہے تو وہ یہ نہیں چاہتا کہ مخلوق غیر سے وابستہ ہو اسی لیے وہ مخلوق کو اپنی طرف متوجہ فرماتا ہے یہ اس کی غیرت ہے۔ اسی غیرت سے وہ غیر کی طرف متوجہ نہیں ہونے دیتا۔ اسی طرف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ فرمایا:

"میں جملہ مخلوق میں غیور ہوں لیکن میرے سے غیور تر اللہ تعالیٰ ہے"۔

اے دریغا اشک من دریا بدے
۲۶۱
تا نثارِ دلبر زیبا شدے

طوطئ من مرغِ زیرک سارِ من
۲۶۲
ترجمانِ فکرت و اِسرارِ من

۲۶۱۔ ترجمہ : ہائے افسوس کاش میرے آنسو دریا ہوتے تاکہ اس محبوب پر نچھاور ہوتے۔

شرح : یہاں سے پھر تاجر کا نوحہ شروع ہوگیا اور دلبر زیبا سے وہی طوطی مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ کاش میرے اشک دریا کی طرح امڈیں اور میں ان موتیوں کو اپنے طوطی پر نثار کر دوں۔

منہج قوی شرح مثنوی معنوی میں ہے : یہاں دلبر سے معشوق حقیقی مراد ہے اور اس مقولہ کے قائل حضرت مولانا یا سالک ہے۔

۲۶۲۔ ترجمہ : حیف ہے اے مرغ زیرک سار حیف حیف ہے اے واقف اسرار حیف۔

شرح : مرغ زیرک ایک طائر کا نام ہے جو پنجوں کے بل درخت کی شاخوں بس لٹک جاتا ہے اور سار ایک اور خوش آواز جانور ہے جس کا رنگ سیاہ ہوتا ہے اور اس پر سفید خال ہوتے ہیں۔ اس کو سارک اور مینا بھی کہتے ہیں۔ اس صورت میں یہ معنی ہوے کہ طوطی من و مرغ زیرک من و سار من یا لفظ سار بمعنی مانند ہے یعنی طوطی من کہ مانند مرغ زیرک بود۔ اس صورت میں مرغ سے روح مراد ہے یعنی میرا طوطی میرے مرغ روح کی مانند تھا جو روح کی طرح میرے فکر اور اسرار محبت بیان کر دیتا تھا۔ ان الفاظ سے محبت کی وجہ سے سوداگر نے اس کی تعریف میں مبالغہ کیا ہے۔

marfat.com

۲۶۳ — ہر چہ روزے داد و نا داد آمدم
روزِ اوّل گفت تا یاد آمدم

۲۶۳۔ ترجمہ: جو کچھ مجھے فقر و غنا میرے ہاں آیا پہلے سے ہی اس نے کہہ دیا تاکہ مجھے یاد آجائے۔
شرح: اس شعر کا دوسرے نسخوں سے اختلاف ہے جسے میں قدرے تفصیل سے عرض کر دینا چاہتا ہوں۔

بعض نسخوں میں "روزے داد" بیائے تنکیر ہے اور بعض میں بیائے معروف یعنی روزی بمعنی رزق اور بعض میں فقط "روز داد" باضافت و بلایائے معروف و مجہول ہے۔ پچھلی دونوں حالتوں میں شعر کے یہ معنی ہیں کہ سوداگر یوں کہتا ہے کہ جب روز داد و ناداد یعنی یوم فقر و غنا نے مجھے منہ دکھایا یا جب کسی دن فقر و غنا میرے پاس آیا تو طوطی زیرک کا ایسا حافظہ تھا کہ میں تو اپنے ایام کی حالت کو بھول جاتا تھا مگر وہ اوّل سے ساری حقیقت یاد دلوا دیتا تھا اور کہہ دیا کرتا تھا کہ بیشک فلاں روز تمہیں تجارت میں اس قدر نقصان ہوا تھا اور فلاں روز اس قدر نفع اور یائے معروف کی صورت میں یہ معنی ہوں گے کہ جو کچھ روزی اللہ تعالیٰ نے مجھ کو دی اور اس کو میں نے ناداده گمان کیا یعنی شکر نہ کیا تو طوطی نے مجھے روزِ اوّل یعنی روزِ میثاق یاد دلوا دیا اور مجھ کو اپنا اقرار یاد آگیا کہ میں نے بلیٰ کہا ہے جس کے تحت میں اقرار شکر و صبر بھی ہے اور بعض نسخوں میں "گرچہ روزی داد و ناداد آمدم" ہے۔ یعنی اگرچہ میں اسے کھانا دیتا تھا یا نہ دیتا تھا مگر وہ ضرور میرے پاس معاملہ اول یعنی خدا کی یاد دلاتا تھا یعنی اس کی باتوں سے قدرت خدا ظاہر ہوتی تھی۔

ف: حاجی صاحبؒ نے فرمایا کہ یہ شعر (جو متن میں مندرج ہے) صحیح ہے اس لیے کہ اس سے طوطی کے فہم و ادراک کی تعریف سے یہی مناسب ہے۔

marfat.com

طوطیے کاید ز وحی آواز او
۲۶۴ — پیش از آغاز وجود آغاز او

اندروں تست آں طوطی نہاں
۲۶۵ — عکس او را دیدہ تو بر این و آں

۲۶۴۔ ترجمہ: وہ طوطی جس کی آواز وحی سی ہو۔ آغاز وجود سے پہلے اس کا آغاز ہو۔

شرح: اس شعر سے حسب دستور قصّہ طوطی سے طوطی جان کی طرف انتقال فرمایا اور شعر میں وجود سے بدن عنصری مراد ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے:

خلق الارواح قبل الاجسام — اللہ تعالیٰ نے ارواح کو اجسام سے
بالفی عام۔ — ۲ ہزار سال پہلے پیدا فرمایا۔

اس شعر کا تعلق آنے والے شعر کے ساتھ ہے لیکن شارح شیخ محمد افضل نے لکھا کہ طوطی سے وجود مطلق مراد ہے۔ اب معنی یہ ہوا کہ وجود مطلق کی آواز وحی کے ذریعہ پہنچتی ہے وہ بالمشافہ حاصل نہیں ہو سکتا۔

کما قال: ما کان لبشر ان یکلمہ اللہ الا وحیا او من وراء حجاب

۲۶۵۔ ترجمہ: وہ طوطی تیرے اندر چھپا ہوا ہے اور اس کا عکس تو نے این و آں پر دیکھا۔

شرح: طوطی سے وجود مطلق اور این و آں سے کائنات اور جان حیوانی وطبعی مراد ہے اور یہ وہی مضمون ہے جسے حضرت شیخ فریدالدین عطار قدس سرہٗ نے منطق الطیر میں بیان فرمایا:

صورت مرغاں عالم سر بسر
سایہ سیمرغ دان اے بے خبر

marfat.com

ایں بداں چوں ایں بدانستی نخست
سوئے آنحضرت نسب کردی درست
چوں بدانستی کہ ظل کیستی
فارغی گر مردی و گر زیستی

شارح ولی محمد نے لکھا کہ اگر طوطی سے انسانی روح مراد ہو تو این داں سے تن و اعضائے بدن مراد ہیں اس لیے کہ تن و بدن روح کا ظل ہیں یا جملہ کائنات مراد ہو۔

خلاصہ یہ کہ اس شعر کی تقریر دو طرح ہو سکتی ہے۔ اوّل یہ کہ طوطی سے مراد بطور تفہیم وجود مطلق یعنی اللہ تعالیٰ ہے اور مطلب یہ کہ اے مخاطب وہ طوطی جس کا کلام وحی ہے اور جس کی ابتدا آغاز وجود عالم سے پہلے یعنی ازلی ہے۔ تجھ میں پنہاں ہے یعنی تیرے دل میں اسی کے الہام سے قوتِ کلام پیدا ہوتی ہے تو گویا تیرا بولنا اس کا بولنا ہے اور این داں یعنی تمام موجودات میں اسی کا پرتو ہے۔ گویا وہ طوطی کائنات کے حجاب میں کلام کرتا ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ — یعنی کسی بشر کی یہ طاقت نہیں کہ خدا اس سے بلا طریقِ یا بلا پردہ کلام کرے۔

اس کا بولنا اس کے بولنے کا عکس ہے۔ یعنی اس کے الہام کی تصویر ہے۔ اگر وہ الہام نہ کرے تو آدمی ہرگز نہیں بول سکتا۔

مطلب یہ کہ اللہ تعالیٰ کی آواز بطریق وحی و الہام ہوتی ہے جو بندوں تک بالمشافہ نہیں پہنچتی۔ البتہ اس کا کلام اس آواز کا عکس ہے۔

دوم یہ کہ طوطی سے مراد روح ہے جس کو حکماء نفس ناطقہ بھی کہتے ہیں یعنی طوطی روح کی آواز وحی اور الہام الٰہی سے ہے اور یہ اجسام سے پہلے پیدا ہوئی ہے جیسا کہ مندرجہ بالا حدیث سے ظاہر ہے۔

marfat.com

۲۶۶ ـــــــ
می برد شادیت را تو شاد ازو
می پذیری ظلم را چوں داد ازو

۲۶۶۔ ترجمہ: وہ تجھ سے خوشی لے جاتا ہے لیکن تو اس سے خوش ہے تو اس کے ظلم کو بھی مثل انصاف کے قبول کر لیتا ہے۔

شرح: می برد عکس کا فاعل ہے یعنی اس کا عکس تجھے محبوب دو جہان سے غافل کر رہا ہے۔ تجھ سے سرور چھین رہا ہے اور تو اس پر خوش ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ طوطی (روح) تیری خوشی کو لے جاتی ہے مگر پھر بھی تو اس سے خوش ہے۔ روح کا خوشی کو لے جانا ظاہر ہے کہ مرنے پر قالب کسی کام کا نہیں رہتا۔ لیکن قالب ہر وقت روح سے خوش ہے اور اس کی معیت چاہتا ہے۔ حالانکہ روح قالب کی معیت نہیں چاہتی۔ اس بارہ میں ایک شعر ملاحظہ فرمائیں: ؎

ہم اس کو چاہیں وہ ہم سے خفا ہو
دلا یہ بھی تو ہے قدرت خدا کی

پس طوطی (روح) کا حال سوداگر کی طوطی کی مانند ہے کہ جس کے غم میں سوداگر روتا تھا اور وہ اس کی خوشی کو لے گئی تھی مگر طوطی اس کے پاس رہنے سے ایسی متنفر تھی کہ پنجرہ میں مردہ کی سی صورت بنائے پڑی ہے اور اس کا موقع دیکھ رہی ہے کہ یہ مجھے اس میں سے پھینک دے تو اڑ جاؤں جیسا کہ آئندہ بیان ہونے والا ہے اور اگر طوطی سے وجود مطلق مراد لیں جیسا کہ اس سے پہلے شعر میں لیا گیا ہے تو یہ معنی ہوں گے کہ اگر اللہ تعالیٰ تیری مسرت اور خوشی مٹاتا ہے تو تجھ کو چاہیئے کہ راضی برضا رہ اور اس کے بھیجے ہوئے امتحان کو جسے تو ظلم سمجھ رہا ہے احسان کی طرح قبول کر تاکہ شاکروں اور صابروں میں سے ہو جائے۔

marfat.com

۲۶۷— ایکہ جان را بہر تن می سوختی
سوختی جاں را و تن افروختی

۲۶۸— سوختہ من سوختہ خواہد کسے
تا ومن آتش زند اندر خسے

۲۶۷۔ ترجمہ: اے کہ تو نے جان کو جسم کے واسطے جلایا اور جان کو جلا کر جسم کو روشن کیا۔

شرح: اس میں سمجھانا چاہتے ہیں کہ دنیوی سوخت مذموم ہے اور عشق الٰہی کی سوخت ممدوح یعنی اے سالک اگر تو نے لذات دنیویہ پر جان دیکر تن کی پرورش کی تو خوب سمجھ لو کہ تو نے اپنی روح کو سوختہ کر کے جو باقی ہے فانی چیز کو آرام پہنچایا جب کہ درحقیقت ایسا کرنا نہایت غلطی ہے اور عارف کامل تو اپنی جان کو جلا کر تن کے لیے آسائش مہیا نہیں کرتے اور نہ جان کے بالمقابل جان کو اچھا سمجھتے ہیں۔

۲۶۸۔ ترجمہ: میں جل گیا ہوں اگر کوئی جلنا چاہے تو میری آگ گھاس پھوس میں آگ لگا دے گی۔

شرح: یہ اور مندرجہ بالا شعر مولانا قدس سرہٗ کی طرف سے نصیحت کے طور پر ہیں یعنی اے سالک میں عشق کی آگ سے جل گیا ہوں۔ اگر کوئی طالب میری طرح اس آگ میں جلنا چاہے تو اس پر لازم ہے کہ وہ میرے قلوب سے ہی عشق الٰہی کی آگ لے جائے کیونکہ میری آگ ہر گھاس پھوس یعنی وجود عارضی کو جلا دے گی۔

marfat.com

۲۶۹— سوختہ چوں قابل آتش بود
سوختہ بستاں کہ آتش کش بود

۲۷۰— اے دریغا اے دریغا اے دریغ
کاں چناں ماہی نہاں شد زیر میغ

۲۶۹۔ ترجمہ : جب سوختہ آگ قبول کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے تو سوختہ کر لے کہ آگ کو قبول کر سکے ۔

شرح : سوختہ بمعنی جلی ہوئی لکڑی یا کوئلہ اور مطلب یہ ہے کہ سوختہ آگ کو پہلے ہی قبول کیے ہوتا ہے ۔ اس لیے تو اے طالب سوختہ کو لے یعنی کسی ایسے مرشد کامل کا مرید ہو جس کا قلب آتش عشق الٰہی سے جل گیا ہو اور جس میں حرارت قلبی موجود ہو کیونکہ سوختہ جس کا اشارہ مرشد کی طرف ہے اپنی طرف آگ کو کھینچنے والا اور آتش عشق سے جلا ہوا ہوتا ہے ۔ جس کی حرارت تیرے دل میں جلد اثر کرے گی ۔

۲۷۰۔ ترجمہ : افسوس ، افسوس ، ہائے افسوس ! کہ ایسا چاند بادل کے نیچے چھپ گیا ۔

شرح : یہ شعر مولاناؒ اور تاجر دونوں کا مقولہ ہو سکتا ہے ۔ اگر مولانا کا مقولہ ہے تو ماہ سے ذات حق اور ابر سے تعینات و موجودات مراد لیے جائیں گے اور مطلب یہ ہوگا کہ افسوس اس کے تعینات میں پوشیدہ ہونے سے مخلوق اس سے نابینا اور غافل ہو گئی ہے ۔ اگر تاجر کا ہے تو یہ معنی ہیں کہ ایسا ماہ جس سے طوطی مراد ہو گی ابر کے نیچے آ گیا یعنی مر گیا ۔ قرائن سے یہ شعر تاجر کا مقولہ معلوم ہوتا ہے ۔

marfat.com

چوں زنم دم کآتش دل تیز شد

۱۷۱۲ — شیر ہجر آشفتہ و خونریز شد

۱۷۱۲۔ ترجمہ: میں کیسے دم ماروں کہ دل کی آگ تیز ہو رہی ہے ہجر کا شیر غضبناک اور خونخوار ہو گیا۔

شرح: یہ شعر بھی مولانا اور تاجر دونوں کا قول بن سکتا ہے۔ اوّل یہ کہ تاجر اپنی طوطی کے غم میں کہہ رہا ہے کہ میں کیسے دم لوں دل کی لگی دم بدم تیز ہوتی چلی جاتی ہے یعنی طوطی کی محبت کا شعلہ بھڑک رہا ہے اور جدائی کا شیر آشفتہ ہو کر پھاڑ کھانے کا قصد کرتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ جدائی ناقابل برداشت ہوتی جاتی ہے۔ دوم یہ کہ مولاناؒ عارف کامل کے حالات اپنی زبان سے بیان فرماتے ہیں۔ یعنی گو عاشق واصل الی اللہ ہے مگر پھر بھی ہجر میں پھنسا رہتا ہے اس لیے کہ تجلی حق کی کوئی انتہا نہیں۔ جب عاشق ایک تجلی کو دیکھ لیتا ہے تو دوسری کا مشتاق ہو جاتا ہے۔ پس مصرعہ ثانیہ سے بیزاری کی تصریح فرماتے ہیں کہ جدائی کا شیر ایسا آشفتہ ہو گیا ہے کہ کھائے جاتا ہے۔ حاصل عبارت یہ کہ ایک تجلی کے بعد دوسری تجلی کا مشتاق ہوں اور اس دوسری تجلی کے فراق کا غم شیر کی مانند میری خونریزی کو مستعد ہے۔ چونکہ مولاناؒ نے پہلے یہ کہا تھا۔ ع نار می آتش زند در ہر نفسے

اس کو سن کر گویا طالب مستعد ہو گیا تھا اور آتش عشق الٰہی کا طالب بن گیا تھا۔ اس کے جواب میں مولانا فرماتے ہیں کہ میں کیونکر کلام کروں میری آتش دل اور غلبۂ شوق زیادہ ہو گیا ہے اور شیر ہجر نہایت غضبناک اور خونریز ہے یعنی ایک تجلی کے بعد دوسری تجلی کا مشتاق ہوں۔ اس دوسری تجلی کے فراق کا غم شیر کی طرح میری خونریزی پر مستعد ہے۔ اس حالت میں کلام کی طاقت مجھ میں باقی نہیں رہی۔

نکتہ: چونکہ آتش دل کلام کے ذریعے دوسرے میں اثر کرتی ہے اسی لیے مولانا نے کلام نہ کرنے کی بابت عذر کیا ہے۔

marfat.com

۲۷۲ — آنکہ او ہشیار خود تندست ومست
چوں بود چوں او قدح گیرد بدست

۲۷۳ — شیر مستی کز صفت بیرون بود
از بسیط مرغزار افزوں بود

۲۷۲۔ ترجمہ: جو خود ہوشیار ہے اور بدمست ہے جب وہ پیالہ میں لے گا تو اور بدمست ہوگا
شرح: یعنی وہ شخص جو عالم ہوشیاری میں تند و تیز اور مست ہے جب وہ قدح ہاتھ میں لے گا یعنی شراب پی لے گا تو کس قدر بدمست ہوگا۔ یہی حال عاشق صادق کا ہے کہ وہ ہوشیاری ہی میں مخلوقات سے نافر اور شاہد حقیقی کا مونس اور اپنی دھن میں آپ مست ہے۔

۲۷۳۔ ترجمہ: شیر کی مستی جو کہ صفت سے باہر ہے وسیع جنگل میں اور زیادہ ہو جاتی ہے۔
شرح: مستی اگر بیائے معروف ہے تو شیر مستی میں اضافت مقلوب ہے اور صفت بمعنی بیان ہے اور اگر بیائے مجہول ہے تو شیر کی صفت ہے اور شعر میں لفظ صَفَتْ بمعنی صف تو ہے یعنی اے مخاطب وہ شیر جو تیری صف (عالم حیوانیت و بشریت) سے خارج ہو یا وہ شیر مست جس کی مستی حد بیان سے زائد ہو۔ فراخی میدان کے سبب اور بھی زیادہ مست ہو جائے گا۔ اسی طرح شیر بیشۂ توحید کا ذوق و شوق وقت نظر بہ توحید اور زیادہ ہو جاتا ہے اور اس کو کلام کی طاقت نہیں رہتی۔

marfat.com

قافیہ اندیشم و دلدار من
۲۷۴
گویدم مندیش جز دیدار من

خوش نشیں اے قافیہ اندیش من
۲۷۵
قافیہ دولت توئی در پیش من

۲۷۴۔ ترجمہ: میں قافیہ سوچتا ہوں اور میرا محبوب کہتا ہے کہ سوائے میرے دیدار کے کچھ نہ سوچ۔
شرح: حاجی صاحب ولی محمد کی شرح سے نقل کر کے فرماتے ہیں کہ ممکن ہے یہاں مستی کے زور سے مولانا کو قافیہ سنجی میں تکلف کرنا پڑا ہو تو پھر محبوب حقیقی سے یہی خطاب ہوا ہو کہ میرے دیدار کے سوا اور کچھ نہ سوچئے بلکہ ہمہ سو ادھر توجہ کیجئے جب تم میری طرف متوجہ ہو گے تو پھر تجھے کوئی فکر یا کسی قافیہ کے ڈھونڈنے کی ضرورت نہ رہے گی تو خود دولت یعنی قافیوں کا خزانہ بن جائے گا۔ ہزاروں طرح کے نئے مضامین اور الفاظ غیب سے تیرے ذہن میں ڈال دیئے جائیں گے۔

۲۷۵۔ ترجمہ: اے میرے قافیہ اندیش خوش رہو۔ میرے سامنے تو قافیہ ہی دولت ہے۔
شرح: یہاں سے لے کر "وان دمے کز وے مسیحا دم نزد" تک محبوب حقیقی کا مقولہ ہے اور قافیہ و دولت میں اگر اضافت مقلوب ہے تو معنی یہ ہوگا کہ تو خود دولت یعنی قافیوں کا خزانہ ہے اور اگر اضافت ہے جیسا کہ ہائے مختفی کے مضاف ہونے کی حالت میں جائز ہے تو قافیہ باعتبار لغت بمعنی پیر ہے یعنی اے فلاں تو خود پیر و دولت و دیدار ہے اس لیے قافیہ کی فکر نہ کیجئے۔

marfat.com

كيف يأتي النظم لي والقافيه

۲۷۶
بعد ما ضاعت اصول العافيه

حرف چه بود تا تو اندیشی ازاں

۲۷۷
حرف چه بود خار دیوار رزاں

۲۷۶۔ ترجمہ : تو میرے لیے نظم وقافیہ کیونکر لائے گا جب کہ تیرے اصول عافیۃ یعنی دل و دماغ پریشان ہیں۔

شرح : اصول عافیۃ سے دل و دماغ مراد ہیں جن کا درست رہنا تندرستی کے اصول میں داخل ہے یعنی جبکہ تیرا دل و دماغ مشاہدۂ تجلیات میں مصروف اور جدید تجلیات کے شوق میں پریشان ہے تو پھر نظم وقافیہ کیونکہ صحیح طریق سے لائے گا۔ باوجود ایں ہمہ مولانا کا کمال ہے کہ مثنوی شریف ایسا فصیح و بلیغ طرز سے پیش کیا کہ جس کی نظیر مشکل ہے بعض نسخوں میں یہ عربی شعر نہیں۔

۲۷۷۔ ترجمہ : حرف کیا شے ہے جس کی تو سوچتا ہے۔ حرف کیا ہے انگوروں کی دیوار پر کانٹے ہیں۔

حل لغات : رزاں رز کی جمع ہے اس کے چار معانی ہیں :

۱۔ انگور ، ۲۔ باغ ، ۳۔ رنگ ، ۴۔ زہر ۔ یہاں پہلے دو معنوں میں سے ایک لینا چاہیے۔

شرح : الفاظ معنی کے بالمقابل لاشے ہیں اور حرف و آواز کی ایسی مثال ہے جیسے انگوروں کے باغ کی دیوار پر کانٹے جو صرف انگوروں کی حفاظت کے لیے ہوتے ہیں لیکن درحقیقت ان سے کوئی مطلب نہیں بلکہ مقصود بالذات انگور ہوتے ہیں اسی طرح مقصود بالذات معنی ہے الفاظ اس کے محافظ وغیرہ۔

marfat.com

۲۷۸ — حرف و صورت و گفت را برہم زنم
تا کہ بے ایں ہر سہ با تو دم زنم

۲۷۹ — آں دمے کز آدمش کردم نہاں
با تو گویم اے تو اسرار جہاں

۲۷۸۔ ترجمہ: حرف و آواز اور صورت کو باہر پھینکتا ہوں تا کہ تیرے ساتھ ان تینوں کے بغیر کلام کروں۔

شرح:

یعنی کلام لفظی کا سلسلہ بند کر کے تا کہ تیرے ساتھ گفتگو کروں۔ حاجی صاحب نے فرمایا اس میں آیت: فاوحی الی عبدہ ما اوحی کی طرف اشارہ ہے معشوق حقیقی نے فرمایا کہ اے طالب اسرار اب میں تجھ سے کلام لفظی ترک کر کے کلام نفسی یعنی قلبی گفتگو کرونگا کیونکہ کلام لفظی سے تجھے اسرار سمجھ نہیں آئیں گے جب کہ باطنی توجہ نہ ہو اس میں اشارہ ہے کہ مرشد مرید صادق کو مراتبہ اور توجہ سے اسرار باطنی سمجھائے کیونکہ وہ گفتگو اور الفاظ سے ایسے اسرار نہیں سمجھ سکے گا یا یہ کہ مولانا کی زبان سے ہر عارف کامل کہہ رہا ہے کہ اے طالب اسرار تیرے ساتھ لفظی کلام ختم اب معنوی طور یعنی نفی کلام سے گفتگو کرتے ہیں۔

۲۷۹۔ ترجمہ: وہ راز جو میں نے آدم علیہ السلام سے پوشیدہ رکھا۔ اے جانِ جہان تجھ سے کہے دیتا ہوں۔

marfat.com

۲۸۰ — آں دمے را کہ نگفتم با خلیل
واں نعمے را کہ نداند جبرئیل

۲۸۰ – ترجمہ : وہ راز جسے میں نے خلیل علیہ السلام سے نہیں کہا وہ راز جسے جبرائیل علیہ السلام نہیں جانتے۔

شرح : یہ دونوں اشعار ایسے ہیں جنہیں ظاہر بین پڑھ کر مولانا قدس سرہٗ کو کافر کہنے پر تل جاتے ہیں اس لیے اگرچہ مولانا کتنے ہی بڑے ولی کامل ہوں لیکن انبیاء و رسل سے ہیچ یہاں پر تین پیغمبروں کی توہین ہوئی۔

۱- آدم علیہ السلام ، ۲- خلیل علیہ السلام ، ۳- جبرائیل علیہ السلام۔

اس کے متعلق مندرجہ ذیل جوابات ملاحظہ ہوں۔

۱- یہ انتقال ہے خطاب سابق سے۔ روح محمدی کے خطاب کی طرف۔ ایسے انتقالات مثنوی میں جا بجا پائے جاتے ہیں۔ گویا اللہ تعالیٰ روح محمدی کو خطاب کر رہا ہے کہ وہ اسرار جو میں نے حضرت آدم، خلیل اور جبرئیل علیہ السلام سے نہیں کہے۔ تجھے کہتا ہوں کیونکہ تو مخزنِ اسرارِ عالم ہے اور یہ بات فی الواقع درست ہے کیونکہ روح محمدی صاحب قاب قوسین ہے اور جس قدر اسرار آپ کو بتائے گئے ہیں وہ کسی پیغمبر کو نہیں بتائے گئے۔ بعض شارحین نے آں دمے یعنی راز سے تجلی ذاتی مراد لی ہے جو مقام قاب قوسین میں رسول مقبول احمدِ مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج میں حاصل ہوئی تھی اور یہ ظاہر ہے کہ ایسا قرب اور ایسی تجلی نہ حضرت آدم علیہ السلام کو حاصل ہوئی ہے نہ حضرت ابراہیم کو نہ حضرت عیسیٰ کو اور حضرت جبرئیل نے تو ایسے مقام پر خود ہی فرما دیا تھا۔ ؎

گر یک سر موئے برتر پرم
فروغ تجلی بسوزد پرم

marfat.com

بیشک تجلی ذات ایسا سربستہ راز تھا جس کی گرہ سوائے خاتم الانبیاء کے کسی کیلئے نہیں کھلی ۔ اسی توجیہہ کو اکثر شارحین نے ترجیح دی ہے لیکن بعض نسخوں میں کردہ اور نگفتہ ہے۔ اس صورت میں خطاب باتو بجانب عام ہے یعنی اے مخاطب میں تجھ سے طریقۂ محمدیہ کے وہ اسرار کھول گا جن کو اللہ تعالیٰ نے آدم اور خلیل وجبرائیل اور عیسیٰ علیہم السلام سے چھپایا ہے۔ مثلاً حروف مقطعات کے معانی اور جہاد کے فوائد وغیرہ۔

لیکن اس صورت میں یہ توہم ہو سکتا ہے کہ ولی نبی سے افضل ہے یعنی معترض یہ کہہ سکتا ہے کہ جو اسرار انبیائے سابقین کو معلوم نہ تھے ۔ وہ مولانا کو (جو ولی یا غوث یا قطب وقت تھے) کیونکر معلوم ہو گئے ۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو حدیث میں ہے علمائے امتی کا نبیاء بنی اسرائیل میری امت کے علماء پیغمبران بنی اسرائیل کے مانند ہیں ۔ دوسرے یہ کہ اس امت کے بعض اولیاء کو بوساطت پیغمبر ایسے معارف اور حقایق معلوم ہوتے ہیں جو انبیائے سابقین کو معلوم نہ تھے ۔ اس صورت میں فضل ولی نبی پر لازم نہیں آتا ۔ کیونکہ ولی کو وہ اسرار بالاستقلال نہیں بلکہ بسبب اتباع رسول معلوم ہوتے ہیں ۔ حاصل معنی یہ ہے کہ وہ اسرار جو انبیائے سابقین سے مخفی ہیں چونکہ پیغمبر کو اصالتاً بتائے گئے تھے میں تجھ سے بسبب اتباع پیغمبر بتاؤں گا ۔ مگر پہلے معنی اچھے ہیں کیونکہ فضل ولی بر نبی کا وہم بالکل نہیں رہتا ۔

خلاصہ یہ کہ آپ کے امتی جو عارف کامل ہیں آپ ہی کے طفیل اس راز سے واقف ہیں اور دوسروں کو بھی واقف کرا سکتے ہیں ۔ تجلی ذات کا راز بغیر فنا کے نہیں کھل سکتا لیکن اس تقریر پر اعتراض واقع ہوتا ہے ۔ وہ یہ کہ انبیاء علیہم السلام کو بھی بوساطت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہی اسرار ورموز حاصل ہوئے ۔ اس اتباع کی حیثیت سے وہ انبیاء علیہم السلام بھی اولیائے امت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلّم کے اولیاء سے اعلیٰ ہیں سو اس معنی پر شعر اولیاء کے لیے نہیں ہو سکتا ۔ اس کا جواب یہ دیا گیا کہ چونکہ بعض

marfat.com

اسرار و رموز کا انکشاف شریعت محمدیہ پر عمل کرنے سے وابستہ تھے اور وہ اسی امت کے اولیاً نے عمل کیے تو وہ اسرار و رموز انہیں حاصل ہوئے اور انبیاء علیہم السلام نے وہ اعمال شریعتِ محمدیہ کی حیثیت سے نہیں کیے اسی لیے ان کو وہ اسرار و رموز حاصل نہ ہوں تو حرج کیا ہے لیکن اشکال رفع نہ ہوا کیونکہ نبوت پر ولایت اولیاء کی افضلیت کسی طریق سے بھی جائز نہیں۔ اگرچہ بعض شارحین نے یہ بھی کہا کہ یہ جزوی فضیلت ہے اور جزوی فضیلت سے کلی فضیلت افضلیت ثابت نہیں ہوتی۔ اس کا جواب بعض شارحین نے یوں دیا ہے کہ یہاں پر انبیاء علیہم السلام کی نفی بحیثیت نبوت کے ہے یعنی یہ اسرار انہیں ہم نے بحیثیت نبی ہونے کے نہیں البتہ بحیثیت ولایت کے دیئے ہیں کیونکہ ان کی نبوت کے لیے وحی و اخبار کا سلسلہ بذریعہ ملائکہ تھا اور یہ راز و نیاز کی باتیں تھیں جو انہیں بحیثیت ولایت کے عطا ہوئیں۔ اگرچہ ہر یہ تقریر درست ہے لیکن پھر بھی موہم بے ادبی ہے۔ بعض شارح نے یہ لکھا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ ہم نے یہ مرتبہ تمہیں فنائیت کے بعد دیا لیکن انبیاء علیہم السلام جب تک فنا سے دور رہے انہیں یہ مرتبہ نہ ملا۔ ہاں فنائیت کے بعد انہیں بھی یہ مرتبہ عطا ہوا۔ یہ جواب بھی مخدوش ہے۔ تقریر اوّل بہتر ہے جیسا کہ ہم نے پہلے بھی عرض کیا۔

چونکہ تجلی ذات باری تعالیٰ یا مشاہدۂ محبوب حقیقی کا راز بلا فنا کے نہیں کھل سکتا۔ اس لیے وہ لوگ جو فانی فی اللہ ہو کر باقی باللہ ہو گئے ہیں وہ ہی اس سے لذت اٹھاتے ہیں ورنہ عوام کے لیے یہ باتیں ایک کہانی سے کم نہیں۔

marfat.com

۲۸۱ـــــــــ آں دمے کز وے مسیحا دم نہ زد
حق ز غیرت نیز بے ما ہم نہ زد

۲۸۱۔ ترجمہ: وہ راز کہ جسیں مسیحا نے دم نہ مارا۔ اس کو حق نے بھی بغیر ہمارے نہیں کھولا۔

شرح: اس شعر کے مصرعہ ثانیہ میں لفظ ما (جس کو ہم نے فارسی کا ما تصور کر کے ہم ترجمہ کیا ہے) کو شارحین نے عربی کا ما سمجھا ہے جو بمعنی نفی بھی آتا ہے اور بمعنی اثبات بھی۔ جب یہ نفی کے واسطے آتا ہے تو اس کو ما نافیہ کہتے ہیں اور اگر ثبوت شے کے لیے آتا ہے تو ما موصولہ بولتے ہیں۔ بعض نسخوں میں بے ما ہے اور بعض میں ما با۔ بے ما کی صورت میں شارحین شعر ہذا کا ترجمہ اس طرح کرتے ہیں کہ وہ راز کہ جس میں مسیحا نے دم مارا اس کو حق نے بھی غیرت سے بغیر ملک کے نہیں کھولا۔ اور اس کا مطلب دو طور پر لکھتے ہیں:

اول یہ کہ وہ اسرار جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بتائے ہی نہیں گئے تھے بلکہ اللہ تعالیٰ نے صرف محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے واقف کیا ہے۔ پس اے مخاطب میں ان کے طفیل تجھے بتاتا ہوں کیونکہ تو بھی امت محمدیہ میں سے ہے۔

دوم یہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو وہ اسرار بتائے گئے تھے۔ مگر انہوں نے لوگوں کو نہیں بتائے کیونکہ انبیاء علیہ السلام تبلیغ رسالت کے لیے بھیجے گئے تھے۔ خداوندی کے راز افشاء کے لیے نہیں بھیجے گئے۔ جو عوام کی سمجھ سے باہر ہیں اور جن سے بجائے ہدایت کے گمراہی کا امکان ہوتا ہے۔

ترجمہ یہ کہ دونوں رُخ وہ تھے جب کہ ما کو عربی کلمہ سمجھ کر ما موصولہ مانا جائے اور اگر ما نافیہ ہے تو یہ مطلب ہوگا کہ میں تجھ سے وہ اسرار رکھتا ہوں جو حضرت آدم و خلیل و عیسیٰ سے قطع نظر خود اللہ تعالیٰ نے بھی غیرت کے سبب بلا نفی سبب و بلا نفی وجود عارضی کسی سے نہیں

marfat.com

کہے یعنی جب تک کوئی شخص بقا بعد الفنا کا مرتبہ حاصل نہ کر لے ان اسرار سے مطلع نہیں ہو سکتا یا ما ہم نزد کے اعتبار سے جبکہ ما کو موصولہ قرار دیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے تو یہ معنی ہوں گے کہ وہ اسرار باوجود ثبوت ذات و وجود کسی کو معلوم نہیں ہو سکتے۔ جب تک فانی ہو کر مرتبہ بقا حاصل نہ ہو جائے۔ یہ مطلب تو اور شارح کا تھا مگر اب ہم وہ معنی بیان کرتے ہیں جو ہماری سمجھ میں آئے ہیں۔ ربط کلام سے معلوم ہوتا جا رہا ہے کہ یہ تمام اشعار مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے محبوب حقیقی یا مشاہدہ تجلّی کا قول ہیں جو مولانا سے کہے جا رہے ہیں۔ یعنی محبوب حقیقی کہہ رہا ہے کہ اے متکلم عاشق میں تجھ سے اس طرح باتیں کروں گا جو حرف وصوت گفت کے احاطوں میں نہ آسکیں اور وہ راز بیان کروں گا جو حرف وصوت گفتگو کے احاطوں میں نہ آسکیں اور وہ راز بیان کروں گا جو حضرت آدمؑ، حضرت خلیلؑ و جبرئیلؑ کو بھی معلوم نہ تھے یا ان سے کہے بھی نہیں گئے تھے۔ ہمارے نزدیک اس شعر سے مولانا علیہ الرحمۃ کا قول شروع ہوا ہے جس کا یہ مطلب ہے کہ اے مخاطب وہ راز جس میں مسیحا بھی خاموش تھے۔ حق تعالیٰ نے غیرت سے بغیر ہمارے نہیں کھولے۔ یہ ہمارے کا لفظ جو ما کا ترجمہ ہے اس سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مراد ہیں چونکہ مولانا رحمۃ اللہ علیہ آپ کی امّت میں سے ہیں۔ اس لیے ما سے حضور کی ذات مراد ہے نہ کہ مولانا رحؒ کی جیسا کہ اس سے پہلے اشعار میں عرض کیا گیا ہے کہ آنحضرت سردار انبیاء صاحب قاب قوسین ہیں۔ پس اس دلیل سے ہمیں یہاں لفظ ما کو عربی کلمہ قرار دینے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ مولاناؒ نے اس لفظ ما میں کئی خوبیاں رکھی ہیں جو ان کے عالم متبحر اور عارف کامل ہونے پر دال ہیں۔ لطف یہ کہ ذیل کے شعر میں جو لفظ ما ہے اس نے پڑھنے والوں کو شبہ ڈال دیا ہے۔ حالانکہ وہاں وہ عربی کلمہ ہے اور یہاں فارسی کلمہ اور جب اس شعر کو مولانا کا قرار دے لیں تو ما ہم سے چاند بھی ترجمہ کر سکتے ہیں جس سے رسول خدا کی طرف اشارہ صاف ہے گویا لفظ ما کی تاویلیں ہیں اور اصل معنی ہمارے کے ہیں جو مولانا اور ذاتِ رسول خدا کے لیے مرادف ہے۔

marfat.com

۲۸۲ —— ماچہ باشد در لغت اثبات و نفی
من نہ اثباتم منم بے ذات و نفی

۲۸۲- ترجمہ :
ما کیا چیز ہے۔ لغت میں اثبات و نفی ہے۔ میں اثبات نہیں ہوں میں تو بے ذات اور نفی ہوں۔

ربط : ما ہم نزد الخ میں جو شبہ پڑ گیا تھا کہ عربی کلمہ ہے وہ اس شعر کے مصرعہ ثانی سے رفع ہوتا ہے کہ جن میں الفاظ منم اور اثباتم صیغہ واحد متکلم یعنی مولانا علیہ الرحمۃ کی ذات کو ظاہر کر رہے ہیں۔ ان شعروں میں لفظ ما جن جن خوبیوں سے پُر ہے اور جو جو نکات معرفت اس سے پیدا ہوتے ہیں اگر وہ سب بیان کیے جائیں تو شرح طویل ہو جائے گی۔ اس سے ہم ما کی باریکیوں کو ناظرین پر چھوڑتے ہیں۔ وہ اس سے سمجھ کے موافق نتیجہ اخذ کریں گے۔

شرح : یعنی لغت میں لفظ ما کے کیا معنی ہیں۔ اس کا مولانا نے جواب دیا ہے کہ یہ لفظ اثبات اور نفی کے معنوں میں مشترک ہے یعنی نافیہ بھی ہوتا ہے موصولہ بھی اور میں اثبات نہیں ہوں بلکہ بے ذات اور سراسر نفی یعنی بالکل معدوم ہوں۔ یہ اس صورت میں ہے کہ لفظ نفی بھی۔ یعنی مجھ کو اثبات اور نفی دونوں سے کچھ علاقہ نہیں ہے بلکہ محو عشق الٰہی ہوں۔ مگر یہ پھر یاد رہے کہ یہاں جن اشعار میں صیغۂ متکلم ہے۔ وہ مولانا کی زبان سے عارف کامل کے مقولے ہیں۔

marfat.com

۲۸۳— من کسے در نا کسے در یافتم
پس کسے در نا کسے در باختم

۲۸۳۔ ترجمہ: میں نے عاجزی سے ہی مراتب حاصل کیے ہیں۔ اسی لیے عروج کو حاصل کرنے کے لیے میں نے عاجزی اختیار کی۔

شرح: یعنی میرا اثبات ونفی کیا ہے۔ میں تو وہ ہوں جس نے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے سامنے ذلیل کرنے سے عزت پائی ہے۔ اسی لیے دنیوی عزت کو اس کے سامنے ذلیل رہنے میں خرچ کر دیا ہے۔ کسی عزت وجاہ اور ناکسی ذلت و بے آبروئی اور یافتم بمعنی صرف کردم ہے۔ خلاصہ یہ کہ میں نے بقا کو فنا میں پایا اور پھر غلبۂ شوق سے اس بقا کو فنا میں خرچ کر دیا اس مرتبہ کا نام فناء الفنا ہے۔ ایک بار حضرت بایزید بسطامی کو الہام ہوا کہ تقرب

تقرب الیّ بما لیس عندی قال ماھی قال تقرب الیّ بالذلۃ والافتقار۔

یعنی اے بایزید تو میرا تقرب اُس چیز کے وسیلے سے ڈھونڈ جو میرے پاس نہیں یعنی ذلت اور خاکساری سے میرا تقرب حاصل کر۔ کذا فی الفتوحات بحر۔

ف: بعض نے کسے سے بقا اور ناکسی سے فنا مراد لی ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ بندوں کی عاجزی سے خوش ہوتا ہے۔ اولیاء کرام اس کی بدولت اعلیٰ مراتب پاتے ہیں۔

چنانچہ سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی شخصیت سے کون ناواقف ہے اور آپ کی ولایت کے مراتب سے دنیا کو علم ہے لیکن عجز و نیاز کا یہ عالم تھا۔ حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے گلستان میں آپ کی انکساری کی تعریف کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

حضرت شیخ عبد القادر گیلانی کو لوگوں نے دیکھا کہ کعبہ کی کنکریوں پر سر رکھے ہوئے نہایت

marfat.com

جملہ شاہان بردہ بردہ خودند

۲۸۴ــــــ

جملہ خلقان مردہ مردہ اند

صفحہ گذشتہ سے : انکساری سے درگاہِ ایزدی میں فریاد کر رہے ہیں کہ اے خدا تعالیٰ مجھے بخش۔ اگر میں سزا کا مستحق ہوں تو مجھے قیامت میں اندھا اُٹھایو تاکہ نیک لوگوں کے سامنے شرمندہ نہ ہوں۔

ف : حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ کو بھی شرفِ زیارت حاصل ہے کیونکہ میرے ایک مہربان نے ذکر کیا ہے کہ میں نے ملتان میں ایک قلمی نسخہ گلستان کا شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھوں سے لکھا ہوا دیکھا کہ جس میں ایک حکایت کے تحت "شیخ عبدالقادر دیدم الخ" لکھا ہوا تھا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ شیخ سعدی حضرت (غوث اعظم) کے ہم عصر تھے۔ اغلب ہے کہ شرف بیعت بھی حاصل کیا ہوگا۔ بنابریں حضرت شیخ الشیوخ (شہاب الدین سہروردی علیہ الرحمۃ) پیر صحبت ٹھہرے۔ مزید تحقیق فقیر اویسی غفرلہٗ کی شرح "بوستان" میں ہے۔

---

۲۸۴ ۔ ترجمہ :

سارے آقا اپنے غلام کے غلام ہیں۔ تمام مخلوق اپنے مرنے والے پر مرتی ہے۔

marfat.com

۲۸۵— جملہ شاہان پست پستِ خویش را
جملہ مستان مست مستِ خویش را

۲۸۵۔ ترجمہ :

تمام بادشاہ پست کے ساتھ ہیں تمام اپنے مست کے مست ہیں۔

شرح :

اس سے پہلے تحریر ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے ذلیل رہنے سے انسان کو عزت حاصل ہوتی ہے۔ ان اشعار میں اس مضمون کی مثالیں ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ جس طرح عاشق معشوق پر عاشق ہوتا ہے اسی طرح معشوق بھی عاشق پر عاشق ہوتا ہے کیونکہ وہ اگر عاشق پر عاشق نہ ہو تو اس کے حسن و کمال کا اظہار نہیں ہو سکتا۔ یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ کا عاشق ہوگا اللہ تعالیٰ ضرور اس کو محبوب رکھے گا اور وہ مرتبہ عاشقی کے مرتبہ معشوقی پر ترقی کر جائے گا۔ اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے :

يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ

اس کی تمثیلیں یہ ہیں کہ تمام بادشاہ اپنے سے پست آدمی کے ساتھ پستی سے پیش آتے ہیں۔ یعنی جو ان کے آگے جھکے اور ان سے محبت رکھے۔ یہ اس کے آگے جھک جاتے ہیں اور اس سے محبت رکھتے ہیں۔ بعض نسخوں میں لیست بیائے موحدہ ہے اسی صورت یہ ترجمہ ہوگا کہ جو شخص بادشاہوں سے وابستہ ہو بادشاہ اس سے وابستہ ہو جاتے ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس لوگ اپنے چاہنے والے چاہنے والوں کے ہو کر تے ہیں جیساکہ دستور عام ہے۔

marfat.com

۲۸۶ — می شود صیاد مرغان را شکار
تا کند ناگاه ایشاں را شکار

۲۸۷ — دلبراں بر بیدلاں فتنہ بجان
جملہ معشوقاں شکار عاشقاں

۲۸۶۔ ترجمہ: جب شکاری خود پرندوں کا شکار بن جاتا ہے تب کہیں جاکر ان کو شکار کرتا ہے۔

شرح: پہلے شکاری خود پرندوں کا شکار ہو جاتا ہے یعنی ہر قسم کی تکالیف پہلے خود برداشت کرتا ہے یہاں تک کہ مرنے جینے سے بھی نہیں ڈرتا تب کہیں جاکر اس کو شکار حاصل ہوتا ہے۔ اسی طرح آدمی پہلے شکار عشق ہو جائے گا تو مطلوب حقیقی حاصل ہو گا حدیث قدسی ہے کہ جو ایک بالشت مجھ قریب ہو گا میں گز بھر اس سے قریب ہو جاوں گا اور جو گز بھر میری طرف آئے گا میں دو گز اس کی طرف آؤں گا۔

۲۸۷۔ ترجمہ: دلبر عاشقوں کے لیے فتنہ جان ہیں۔ تمام معشوق عشاق کے شکار ہیں۔

شرح: چونکہ حسن کی عزت عشاق کے بغیر نہیں ہو سکتی اسی لیے معشوق بھی عشاق کو جان و دل سے چاہتے ہیں۔ اسی لیے گویا معشوق اپنے عشاق کے شکار میں ایسے ہی جو شخص عاشق ذات ہے وہ ادھر سے بھی آثار محبت دیکھتا ہے کیونکہ ؎

دونوں طرف ہے آگ برابر کی لگی ہوئی

یا یہ معنی ہے کہ معشوق اپنے عاشق پر شیدا ہو کر اس کی تلاش کرتا ہے۔ جب وہ مل جاتا ہے تو عاشق کے دل میں اس کی محبت ہونا ظاہر ہے۔ ؎

عشق اول در دل معشوق پیدا می شود

marfat.com

ہر کہ عاشق دیدیش معشوق دان

۲۸۸ ــــــــــ

گو بہ نسبت ہست ہم این و آن

صفحہ گذشتہ سے :

چنانچہ اللہ تعالیٰ خود بخود اپنے ہی اوپر عاشق ہوا۔ جب اپنے حسن کامل کا اظہار چاہا تو انسان کو پیدا فرمایا۔ پھر اس کے دل میں بھی اللہ تعالیٰ کی محبّت پیدا ہوگئی۔ یہی سبب ہے کہ انسان کامل ذات باری تعالیٰ عاشق ہے۔ چونکہ اللہ کا عشق اصل الاصول یا عشق اوّل ہے اور انسان کا عشق اس کی فرع۔ اس لیے اس کا ظہور بعد میں ہوا۔ بندہ کا عشق اللہ کے عشق کا پرتو ہے۔ اگر وہ اوّل مظہر عشق نہ ہوتا تو انسان بھی پیدا نہ کیا جاتا۔ کیونکہ ؏

جب نہ ہوں دیکھنے والے تو تماشہ کیسا

۲۸۸۔ ترجمہ :

جس کسی کو تو عاشق دیکھے اس کو معشوق بھی جان۔ اگرچہ نسبت میں یہ بھی ہے اور وہ بھی ہے۔

شرح :

یعنی عاشق عاشق تو ہوتا ہی ہے مگر عشق معشوق کے سبب خود بھی معشوق بن جاتا ہے اور عاشق میں اگرچہ عاشق و معشوق ہونے کی دونوں صفتیں پیدا ہو جاتی ہیں تاہم صفت معشوقیت غالب رہتی ہے جو ازلی صفت ہے کیونکہ معشوق کو عاشق کے پیدا کرنے کی ضرورت تھی نہ کہ عاشق کو خود بخود بننے کی۔ چنانچہ اسی تمثیل میں ذیل کا شعر دیکھ لیجئے۔

marfat.com

تشنگان گر آب جونید از جہان

۲۸۹ـــــــ

آب ہم جوید بعالم تشنگان

۲۸۹: ترجمہ: اگر پیاسے جہان میں پانی کے متلاشی ہوتے ہیں تو پانی بھی دنیا میں پیاسوں کو ڈھونڈتا ہے۔

شرح:

یعنی جس طرح پیاسے آدمی پانی کی تلاش کرتے ہیں اسی طرح پانی بھی پیاسے آدمیوں کا جویاں رہتا ہے۔ کیونکہ پانی کی قدر پیاسوں سے ہے۔ اگر پیاسے نہ ہوں تو پانی کو کون پوچھے۔ یا یوں کہیئے کہ پانی معشوق ہے اور پیاسے عاشق۔ اگر عاشق نہ ہوں تو معشوقوں کی قدر افزائی کس طرح ہو۔ حاصل یہ کہ جس طرح عاشق کو معشوق کی چاہت ہوتی ہے اسی طرح معشوق کو بھی عاشق کی ضرورت پڑتی ہے اور جب عشق عاشق کے دل میں پورے طور سے سرایت کر جاتا ہے تو اس کا مرتبۂ عاشقی مرتبۂ معشوقی سے بدل جاتا ہے چنانچہ مجنوں نے انا لیلیٰ کہہ دیا تھا اور منصور نے انا الحق۔ یہ وہ حالت تھی کہ صرف عشق ہی عشق باقی رہ گیا تھا اور عاشق و معشوق دونوں ایک ہو گئے تھے۔ ؎

عاشق و معشوق گردند ہر دو یک

ہم تو کی معشوق و عاشق نیست شک

عشق حقیقی کا نتیجہ یہ ہے کہ عاشق معشوق میں مل جاوے اور دو کی باقی نہ رہے۔ اسی لیے اکابر اولیاء جنہوں نے انا الحق کا دعویٰ کیا تھا ہم معذور سمجھ کر ان کے حق میں حسن ظن رکھتے بلکہ نیک عقیدہ رکھتے ہیں کیونکہ وہ اپنے عشق حقیقی کی وجہ سے ایسا کمال حاصل کیا کہ بعد وصال بھی اسی طرح محو عشق رہے۔

marfat.com

چونکہ عاشق اوست تو خاموش باش

۲۹۰ — اوچو گوشت می دہد تو گوش باش

بند کن چوں سیل سیلانی کند

۲۹۱ — ورنہ رسوائی و ویرانی کند

۲۹۰۔ ترجمہ: چونکہ وہ عاشق ہے اس لیے تم خاموش رہو۔ جب اس نے تجھے کان دیئے تو سُنیئے۔

شرح: یعنی جب کہ وہ شاہد ازل تیرا عاشق ہے تو تجھ کو چاہئیے کہ تو خود خاموش رہے اور اپنے تمام کام اسی کے سپرد کردے کیونکہ وہ جس طرح عاشق ہے معشوق بھی تو ہے اور معشوق کی فرمانبری بہر حال لازم ہے اور جس حالت میں کہ وہ تیری سُنتا ہے تو تجھے زبان سے کہنا نہ چاہئیے کیونکہ وہ دلوں کی بات کو معلوم کر لیتا ہے۔ تو سراپا گوش بن کر رہ اور اس کے اوامر و نواہی کو سُن کر قبول کر۔ ایسی حالت میں وہ خود تجھے اپنی طرف کھینچ لے گا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ کلمۂ عاشق اوست میں فک اضافت ہو۔ یعنی جب کہ تو اس کا عاشق ہے تو ہر حال میں رضا و تسلیم اختیار کر۔ لغت میں گوش دادن بمعنی شنیدن ہے۔

۲۹۱۔ ترجمہ: جب سیلاب نکلنا چاہے تو اسے بند کیجئے ورنہ وہ رسوائی اور ویرانی کرے گی۔

شرح: یعنی جب عشق کی رَو طغیانی پر آجائے تو اس کو بند کر لے مطلب یہ کہ جب تو واقف اسرار ہو جائے تو سرِ وحدت ہرگز بیان نہ کر ورنہ یہ سیل رسوائی اور ویرانی کا باعث ہو جائے گی۔ یعنی لوگ تجھ کو ملحد کہیں گے اور عوام جن پر تو اس راز کو کھول دے گا اپنی نافہمی کے سبب گمراہ ہو جائیں گے اور اظہار اسرار وحدت کے باعث ادب شرعیہ ملحوظ نہ رہیگا۔ اسیلئے اہل اللہ اکثر خاموش رہتے ہیں۔

marfat.com

۲۹۲— من چہ غم دارم ویرانی بود
زیر ویرانی گنج سلطانی بود

۲۹۲۔ ترجمہ : مجھے ویرانی کا کوئی غم نہیں کیونکہ ویرانی کے نیچے شاہی کا خزانہ ہے۔

شرح : اس سے پہلے سالک کو اظہار اسرار سے منع کیا گیا تھا۔ اب مولانا عارف کامل کی زبان سے یہ فرماتے ہیں کہ اگر عشق کے سبب ویرانی حاصل ہو تو مجھے اس کا کچھ غم نہیں کیونکہ گنج سلطانی یعنی ذات حق مع اسماء وصفات یا حصول مرتبۂ فنا فی اللہ اجاڑ اور ویرانے یعنی ترک وجود عارضی اور موت قبل از مرگ ہی میں ملتا ہے یا یہ معنی ہیں کہ میں واقف اسرار ہو کر آداب شرعیہ کا لحاظ رکھتا ہوں۔ اس سے معلوم ہوا کہ عارف کامل اگر اظہار اسرار کرے تو کچھ حرج نہیں۔ اس کے کلمات سے لوگ گمراہ نہ ہوں گے بلکہ بعض ایسے کلمات سے جو ظاہر میں خلاف ادب معلوم ہوں گے غور سے سمجھنے والوں کو اسرار کا خزانہ ہاتھ لگے گا۔ اس کی مثال یوں سمجھیے کہ ایک مکان ویران اور پرانا ہو جائے تو اس کی مرمت کر کے اسے نیا بنا دیتے ہیں ایسے ہی عشاق کو خانۂ دل کی ویرانی کی پرواہ نہیں ہوتی۔ اس لیے قاعدہ ہے کہ دل جتنا شکستہ ہوگا اتنا ہی اسرار الٰہی کا عرفان حاصل ہوگا چنانچہ حدیث قدسی میں ہے :

اِنَا عند منکسرۃ القلوب

گویا کامل اپنی شکستگی کو ہی کامیابی سمجھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ریاضت شاقہ میں ایسے منہمک ہوتے ہیں کہ ظاہری جسم نہایت کمزور اور ضعیف پڑ جاتا ہے۔

marfat.com

غرق حق خواہد کہ باشد غرق تر
۲۹۳—— ہمچو موج بحرِ جان زیر و زبر

زیر دریا خوشتر آید یا زبر
۲۹۴—— تیرِ او دلکش تر آید یا سپر

۲۹۳۔ترجمہ: حق کا غرق چاہتا ہے کہ اور زیادہ غرق ہو جائے۔ بحر جان کی موج کی طرح زیر و زبر ہو۔

شرح: مطلب یہ کہ جو شخص محبت الٰہی میں غرق ہے وہ یہی چاہتا ہے کہ اور زیادہ غرق ہو جائے یعنی اس کے ذکر و فکر سے ایک لمحہ غافل نہ رہے مگر وہ اس طرح غرق ہونا چاہتا ہے۔ جیسے بحر جان کی موج یعنی سانس کی آمد و رفت جو نیچے اوپر ہوتی ہے۔ اس تشبیہہ سے یہ مطلب ہے کہ عاشق الٰہی ایسی فنا چاہتا ہے جس کے بعد بقا بھی ہو وہ صرف فنا ہی ہونا نہیں چاہتا کیونکہ فنا بلا بقا نقصان مرتبہ کا باعث ہے۔ زبر سے فنا اور زیر سے بقا مراد ہے۔

۲۹۴۔ترجمہ:

دریا کا زیر اچھا یا زبر۔ اس کو تیر زیادہ پسند ہے یا ڈھال

شرح:

زیر و زبر سے فنا اور بقا بھی مراد ہو سکتے اور دنیاوی نشیب و فراز رنج و خوشی بھی۔ اگر اول معنی مراد لیں تو یہ مطلب ہے کہ عشق الٰہی میں فنا ہونا اچھا ہے یا بقا بعد الفنا اور اس کے عشق کا تیر زیادہ دلکش ہے یا اس سے اپنے آپ کو بچانا اور اگر رنج و خوشی مراد لیں تو یہ معنی ہیں کہ اے مخاطب تیرے نزدیک تو مسرت و شادمانی ہی اچھی ہے۔ حالانکہ عاشقانِ الٰہی رنج و مصیبت کو زیادہ پسند کرتے ہیں۔

marfat.com

پس زبون وسوسہ باشی دلا
۲۹۵ گر طرب را باز دانی از بلا

گر مرادت را مذاق شکر ست
۲۹۶ بے مرادنے مراد دلبر ست

۲۹۵- ترجمہ: پس اے دل تو وسوسہ سے ضرور زبوں ہے۔ اگر خوشی کو رنج سے تمیز کرتا ہے۔

شرح: یعنی اے دل اگر تو رنج کو خوشی سے علیحدہ کرتا ہے یعنی رنج چھوڑ کر خوشی کو لینا چاہتا ہے تو تو وسوسہ سے ضرور زبون و خستہ ہے۔ اے کمبخت مصیبت ہو یا مسرت، رنج ہو یا خوشی سب خدا کی طرف سے تو ہے پھر ایک کو چھوڑ کر دوسرے کو اختیار کرنا کیا معنی۔

۲۹۶- ترجمہ:

اگر مراد میں تیرے لیے شکر کا مزہ ہے تو کیا بے مرادی معشوق کی مراد نہیں ہے۔

شرح:

دلبر سے حق تعالیٰ مراد ہے اور مطلب یہ کہ اگرچہ مراد کا حاصل ہونا تیرے نزدیک مثل شکر کے خوش گوار ہے لیکن نامرادی بھی تو اسی محبوب حقیقی کی مراد ہے جو تمام مخلوق کی مرادوں کو پورا کر لے والا ہے۔ پھر نامرادی سے نا رضامند ہونا کیا معنی۔ دوسرے مصرعہ میں لفظ نے استفہام تقریری ہے یعنی کیا مراد کا نہ دینا مراد خداوندی نہیں ضرور ہے۔

ف: مراد اور نامرادی دونوں صورتوں میں تجھے محبوب کی رضا پہ راضی رہنا۔

marfat.com

ہر ستارہ اش خوں بہائے صد ہلال
۲۹۷ —— خون عالم ریختن او را حلال

ما بہاؤ خوں بہا را یافتیم
۲۹۸ —— جانب جان باختن بشتافتیم

۲۹۷۔ ترجمہ : اس کا ہر ستارہ سو ہلالوں کا خون بہا ہے۔ عالم کا خون بہانا اس کیلئے حلال ہے
شرح : ہر ستارہ سے ادنیٰ تجلی مراد ہے اور لفظ ہر ستارہ اسیات کی طرف اشارہ کر رہا ہے
کہ تجلیاتِ الٰہی بے انتہا ہیں۔ اسی لیے کہا گیا ہے :

تَجَلِّیَاتُ الحَقِّ لَا تَنْتَهِیُ اِلَی النِّہَایَۃ۔ یعنی حق کی تجلیات کی انتہا نہیں ہے۔

ہلال سے ہلال عید مراد ہے جو لوگوں کے لیے نہایت خوشی کا باعث ہوتا ہے۔ مطلب شعر یہ ہے کہ
عاشقان الٰہی کے نزدیک اس کی ادنیٰ تجلی کی خوشی عید کے سو چاندوں سے زیادہ ہوتی ہے اور چونکہ
سلسے جہان کا محبوب ہے اس لیے اسے عالم کا خون بہانا اسی طرح حلال ہے کہ جس طرح
معشوقوں کو عشاق کا خون بہانا حلال ہوتا ہے۔

کار عاشق خون دل بر پائے جاناں ریختن
کار معشوقاں نمک بر زخم پنہاں ریختن

یہاں خون بہانے سے مصیبتوں میں مبتلا کرنا مراد ہے جو شان محبوبی ہے۔

۲۹۸۔ ترجمہ : ہم نے بہا اور خون بہا کو پا لیا۔ جان پر کھیل جانے کی طرف دوڑ گئے۔
شرح : یعنی جب عشاق منزل جان بازی اور فنا کی طرف دوڑے تو انہوں نے محنت

marfat.com

اے حیات عاشقان در مردگی
۲۹۹
دل نیابی جز کہ در دل بردگی

صفحہ گذشتہ سے :

سفر کی قیمت وصول کر لی اور جب محبت محبوب حقیقی میں جان دے دی تو اپنا خون پالیا یعنی واصل بحق ہو گئے اور اللہ تعالیٰ اپنے عاشقوں کو فنا کر کے مرتبہ لقا عنایت کر دیتا ہے اور ان کی خون بہا یعنی قیمت خون بھی ہوتی ہے۔ جس کا ہم نے ذکر کر دیا۔

۲۹۹۔ ترجمہ :

عاشقوں کی زندگی مرنے میں ہے۔ تو دل نہیں پائے گا البتہ دل لے جانے میں۔

شرح :

یعنی عشاق کے لیے دائمی زندگی معشوق حقیقی کی محبت میں فنا ہو جانے سے ہے یا یہ کہ فنا ہو جانا مرجانا عین زندگی ہے۔ پس وہ شخص صاحبدل نہیں ہے جو عاشق نہیں۔ عاشقانِ الٰہی مُوْتُوْا قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا کا مصداق ہوتے ہیں۔ اس اعتبار سے ان کو دائمی زندگی ملتی ہے اور وہ مرنے کے بعد بھی زندہ ہوتے ہیں۔ کما قال اللہ تعالیٰ :

مَنْ عَمِلَ عَمَلاً صَالِحاً فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۔

چنانچہ اس پر متعدد دلائل آپ کے ہاتھوں والی کتاب (صدا لگے توی) کے حصہ اوّل میں لکھے جا چکے ہیں ۔ اور ویسے کتب اسلامی میں لاکھوں اولیاء کرام بلکہ بیشمار اللہ والوں کے واقعات پڑھنے میں آتے ہیں ۔ بلکہ ہر زمانے میں عینی شواہد میسر آتے ہیں ۔

چنانچہ ملاحظہ ہو :

marfat.com

دو جلیل القدر صحابیوں کے مزارات کی منتقلی کا واقعہ صدیاں گزرنے کے بعد بھی ان کے جسم تر و تازہ تھے

۱۹۳۲ء میں شاہِ عراق ملک فیصل اوّل مرحوم کو خواب میں حضرت حذیفہ یمانی رحمۃ اللہ علیہ جلیل القدر صحابی نے فرمایا کہ حضرت جعفر بن عبداللہ کو اور مجھے موجودہ مزارات سے منتقل کر کے دریائے دجلہ سے کچھ فاصلہ پر دفن کر دو کیونکہ میرے مزار میں پانی اور جابر رضی اللہ عنہ کے مزار میں نمی آگئی ہے۔ شاہ فیصل نے یہ خواب مسلسل دو رات دیکھا مگر بوجہ مصروفیات امورِ مملکت کوئی خاص توجہ نہ دی۔ تیسری شب حضرت موصوف نے مفتی اعظم عراق کو ہدایت فرمائی کہ ہم شاہِ عراق سے دو مرتبہ کہہ چکے ہیں کہ ہمارے مزارات یہاں سے منتقل کر دو مگر شاہ نے کوئی توجہ نہ دی۔ تم شاہ کو تاکید کر دو کہ وہ منتقلی مزارات کا انتظام کر دے۔ صبح کو مفتی اعظم نوری السعید وزیر اعظم عراق کے پاس تشریف لے گئے اور خواب بیان کیا۔ وزیر اعظم مرحوم اور مفتی اعظم عراق دونوں شاہ کی خدمت میں باریاب ہوئے اور خواب بیان کر کے منتقلی مزارات کی درخواست کی۔ شاہ نے بھی اس خواب کی تائید کی اور باہمی مشورہ اور غور و فکر کے بعد قرار پایا کہ مفتی صاحب منتقلی مزارات کا فتویٰ دے دیا اور اُن کے ساتھ ہی شاہی فرمان منسلک کر کے اخبارات میں اشاعت کیلئے وزیر اعظم کو دے دیں چنانچہ اس پر فوراً ہی عمل کیا گیا۔ اعلان تھا کہ دس ذوالحجہ کو بعد نماز ظہر دونوں اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مزارات کھول کر دونوں حضرات کو کسی مناسب جگہ دفن کیا جائے گا۔ اس اعلان کی اشاعت کے بعد تمام عالم اسلام میں یہ خبر انتہائی دلچسپی کے ساتھ پڑھی گئی۔ کیونکہ حج کا زمانہ قریب تھا۔ تمام دنیا کے مسلمان حرمین الشریفین میں جمع تھے۔ سب نے بذریعہ تار شاہِ عراق سے درخواست کی کہ مزارات حج کے بعد کسی قریبی تاریخ میں منتقل کیے جائیں تا کہ ہم بھی شرکت کی سعادت حاصل کر سکیں۔ اسی طرح اطراف عالم ہندوستان، ترکی، مصر، افریقہ، ایران، شام، بلغاریہ وغیرہ سے تاروں کی یلغار ہو گئی اور تاریخ میں توسیع کی درخواست کی گئی۔

marfat.com

چنانچہ مسلمانان اسلام کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے دوسرا فرمان شاہی جاری کیا گیا کہ اب یہ مبارک کام حج کے ۱۰ یوم بعد کیا جائے گا۔ بغداد سے تقریباً چالیس میل دور ایک تاریخی مقام مدائن ہے جس کو اب مسلمان پاک کہتے ہیں۔ یہاں اکثر جلیل القدر صحابہ کرام زندگی کے عہدے پر سرفراز رہے ہیں۔ یہیں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ مشہور صحابی کا مزار بھی ہے۔ اطراف عالم سے مسلمان اور غیر مسلم کثیر تعداد میں بغداد پہنچ گئے۔ تمام دنیا کے اخباری نمائندے، فوٹوگرافر، سفیر اور مشہور سیاح و مورخ، شاہ عراق، وزیر اعظم مفتی اعظم، امراء و صلحاء، عمائدین عراق دوشنبہ کو دوپہر کے وقت یہاں جمع ہو چکے تھے۔ پہلے حضرت حذیفہ یمانی رضی اللہ عنہ کے جسد مبارک کو کرین کے ذریعہ زمین سے اس طرح اٹھایا گیا کہ کرین پر لگے ہوئے اسٹریچر پر جسد مبارک خود بخود آ گیا۔ اس کے بعد کرین سے اسٹریچر الگ کر کے شاہ فیصل مفتی اعظم، وزرا ترکی شہزادہ فاروق ولی عہد مصر کاندھوں پر اسٹریچر رکھ کر تابوت تک لائے جو شیشے کا بنا ہوا پہلے سے تیار تھا۔ تابوت میں جسد مبارک رکھ دیا گیا۔ بالکل اسی طرح حضرت جابر بن عبداللہ کے جسد مبارک کو بھی مزار سے نکال کر بصد احترام بلوری تابوت میں رکھ دیا گیا۔

دونوں حضرات کے جسم بالکل تروتازہ تھے۔ آنکھیں کھلی ہوئی تھیں جن سے نوری شعاعیں نکل کر دیکھنے والوں کی نگاہوں کو خیرہ کر رہی تھیں۔ کفن بالکل تازہ تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ حضرات ابھی زندہ ہیں۔ یہ کرشمہ قدرت دیکھ کر بڑے بڑے ڈاکٹر اور سائنس دان انگشت بدنداں تھے۔ بین الاقوامی شہرت کا مالک ایک جرمن ماہر چشم اس تمام کارروائی میں بڑی دلچسپی لے رہا تھا۔ وہ اس قدر متاثر ہوا کہ فوراً مفتی اعظم عراق کے پاس گیا اور کہا کہ اسلام کی حقانیت کا اس سے بڑھ کر کیا ثبوت ہو سکتا ہے۔

اسی طرح حال ہی میں ایک خبر شائع ہوئی جسے ہم روزنامہ "نوائے وقت" کے شمارہ ۲۱ جنوری ۱۹۷۹ء کے صفحہ اول سے لفظ بلفظ نقل کرتے ہیں:

marfat.com

چودہ سو برس بعد حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب کا

کا جسد مبارک قبر سے صحیح حالت میں برآمد ہوا

سات صحابہ کرامؓ کے جسد مبارک بھی اصل حالت میں تھے

کراچی، ۲۰ جنوری (ج ک) یہاں پہنچنے والی ایک اطلاع کے مطابق مدینہ میں مسجد نبوی کی توسیع کے سلسلہ میں کی جانے والی کھدائی کے دوران آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والد حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب کا جسد مبارک جس کو دفن کیے چودہ سو سال سے زیادہ عرصہ گزر چکا ہے بالکل صحیح و سالم حالت میں برآمد ہوا۔ علاوہ ازیں صحابیِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت مالک بن سونائی کے علاوہ دیگر چھ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اجساد مبارک بھی اصل حالت میں پائے گئے۔ جنہیں جنت البقیع میں نہایت عزت اور احترام کے ساتھ دفنا دیا گیا۔ جن لوگوں نے یہ منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا ان کا کہنا ہے کہ مذکورہ صحابہ کے جسم نہایت نرم و تازہ اصلی حالت میں تھے۔

ایسے ہی ہر دور میں ہوتا رہا چنانچہ صاحب دلائل الخیرات رحمۃ اللہ تعالیٰ کا واقعہ پڑھیے۔

زندہ لاش کا واقعہ

مراکش کے ایک بزرگ حضرت ابو عبداللہ بن محمد بن سلیمان بن ابوبکر الجزولی صاحب دلائل الخیرات کے متعلق مشہور ہے کہ ان کی وفات کے بعد ان کی لاش ۲۰ برس تک ان کے مرید لیے پھرتے رہے۔ دشمنوں سے معرکے ہوتے تو لاش میدان جنگ میں رکھی جاتی

marfat.com

ان کے مرید اکثر و بیشتر معرکوں میں فتح یاب ہوتے ۔ یہ بات بھی مشہور ہو گئی تھی کہ دشمنوں کے مقابلے میں ان کی فتح یابی کا سبب یہ مقدس لاش ہے ۔ اس لیے اس کی حفاظت کا خاص اہتمام کیا جاتا ۔ بیس برس تک یہ سلسلہ جاری رہا ۔ یہ مرید جو ان کی لاش کو لیے پھرتے رہے ابن اسیاف کے نام سے موسوم ہوئے ۔ اس کا اصل نام عمر بن سلیمان تھا ۔ اس نے اپنے مرشد سے متاثر ہو کر نبوت کا دعویٰ بھی کیا اور ایک طویل عرصہ تک ان کی لاش کو دفن نہ ہونے دیا ۔ لاش کو اپنے ساتھ لے کر قتل و غارت برپا کیے ہوئے تھا ۔ بالآخر ۸۹۰ھ میں اسیاف قتل ہوا اسیاف کے قتل ہونے کے بعد ان کی لاش ادھر اُدھر لے جانے کا سلسلہ بھی ختم ہوا ۔ اب بیس برس کے بعد اس بزرگ کی لاش تدفین عمل میں آئی ۔ حانہ کے علاقہ میں لاش کو دفنایا گیا جو آفو غال کہلاتا ہے ۔ ۷۷ سال کے بعد سلطان ابوالعباس نے ان کی اور اپنے باپ کی لاش کو بھی نکالا جو اس کے پہلے میں دفن تھی ۔ سلطان کے حکم سے دونوں لاشوں کو مراکش لے جایا گیا اور انہیں پہلو بہ پہلو دفن کیا گیا یہ مقام ریاض العروس کہلاتا ہے ۔

تعجب کی بات ہے کہ ۷۷ سال گزر جانے کے بعد لاش ویسے کی ویسے اور خراش تک نہیں آئی ۔ یہ لاش الجزولی الشاذلی ہی کی لاش تھی جو عوام میں سیدی بن سلیمان کے نام سے مشہور ہے ۔ ان کا شمار مراکش کے اولیاء میں ہوتا ہے ۔ الجزولی تصوف کے جید عالم مانے جاتے ہیں ۔ ان کی مشہور کتاب دلائل الخیرات ہے ۔ الجزولی نے شاذلیوں کا ایک الگ فرقہ بھی قائم کیا جسے جزولیہ بھی کہتے ہیں ۔

حیرت انگیز واقعہ

عن النعمان بن بشیر قال	نعمان بن بشیر فرماتے ہیں کہ زید بن
کان زید بن خارجۃ من	خارجہ انصار کے سرداروں میں سے
سراۃ الانصار فبینما ھو	تھے ۔ ایک روز وہ مدینہ طیبہ کے

marfat.com

يمشي في طريق من طرق
المدينة بين الظهر و
العصر اذ خرّ فتوفي
فاعلمت به الانصار
فاتوه فاحتملوه الى بيته
وسجوه كساء و بردين
وفي البيتِ نساء من نساء الانصار
يبكين عليه ورجال من
رجالهم فمكث على حاله
حتى اذا كان بين المغرب
والعشاء اذ سمعوا صوت قائل
يقول انصتوا انصتوا فنظروا
فاذا الصوت من تحت
الثياب فحسروا عن وجهه
وصدره فاذا القائل يقول
على لسانه محمد رسول الله
النبي الامي خاتم النبيين
لا نبي بعده كان
ذلك في الكتاب
الاول صدق
صدق -

کسی راستہ میں چل رہے تھے کہ
یکایک زمین پر گرے اور فوراً
وفات ہوگئی - انصار کو اس کی خبر
ہوئی تو ان کو وہاں سے جا کر اٹھایا
اور گھر لائے اور چاروں طرف سے
ڈھانپ دیا - گھر میں کچھ انصاری
عورتیں تھیں جو ان کی وفات پر
گریہ و زاری میں مبتلا تھیں
اور کچھ مرد جمع تھے - اسی طرح پر
پر جب مغرب و عشاء کا درمیانی
وقت آیا تو اچانک ایک آواز سنی گئی
کہ "چپ رہو، چپ رہو" لوگ
متحیر ہوکر اِدھر اُدھر دیکھنے لگے
تحقیق سے معلوم ہوا کہ یہ آواز اسی
چادر کے نیچے سے آرہی ہے -
جس میں میت ہے یہ دیکھ کر لوگوں نے
ان کا منہ کھول دیا - ا [illegible] ت ۹،
گیا کہ زید بن خارجہ کی زبان سے یہ
آواز نکل رہی ہے کہ: محمد رسول
اللہ النبی الامی خاتم النبیین
لا نبی بعدہٗ الخ یعنی محمد اللہ کے

بقیہ آئندہ صفحہ پر

marfat.com

خدا ہے۔ کیسا ہی ذلیل ہو مگر در حقیقت وہ صورت حق کا عکس ہے کیونکہ حدیث قدسی میں ہے:

خلقت الادم علی صورتی — میں نے انسان کو اپنی صورت پر پیدا کیا ہے۔

اور چونکہ حق اس کا مولا ہے ۔اسی لیے جب وہ اپنی ذات کو مولا کی صورت میں دیکھتا ہے تو مولائی کے باعث (جو عطیۂ الہٰی ہے) اپنے مولا پر ناز اور فخر کرتا ہے اور جب اپنی ذات کو عبد ذلیل کی صورت میں دیکھتا ہے تو عجز و نیاز بجالاتا ہے۔ کیونکہ عاشق کو ہر حال میں معشوق کی رضا مطلوب ہے تاکہ اس کے وصال سے جدا نہ ہو اور جس طرح پہلے صورت میں انسان کا ناز شاہد حقیقی کے خوش کرنے کے لیے ہے (کیونکہ عاشق کا ناز اسی کی عطا کی ہوئی نعمت کے باعث ہے) دوسری صورت میں نیاز بھی اسی کے خوش کرنے اور وصال کی تدبیر ہے اور اس شعر میں ناز و دلال عاشق و معشوق دونوں کی طرف منسوب ہو سکتا ہے یعنی یا تو یہ کہ میں نے اپنی ناز و دلال کے ذریعہ سے یا اس کے تازہ دلال اٹھا کر اور اپنا عجز و نیاز ظاہر کرنے سے اس کا دل ڈھونڈا۔ کیونکہ معشوق کی دلجوئی دو ہی طرح ممکن ہے یا تو عاشق اس کے مزاج پر غالب آگیا ہو یا اس کے سامنے عجز و نیاز پیش آئے۔ جب یہ تمہید ختم ہو گئی تو مولانا نے یہ مطلب نکالا کہ میں نے ناز و دلال اور عجز و نیاز دونوں طرح سے معشوق حقیقی کا تقرب چاہا مگر حاصل نہ ہو سکا۔ کیونکہ وہ معشوق ناز و نیاز دونوں سے مستغنی ہے۔ اس کو نہ عاشق کے ناز کی حاجت ہے نہ نیاز کی اور بندہ اگرچہ اس کی صورت پر مخلوق ہوا ہے لیکن پھر بھی صفتِ عبدیت اور اس کی عزت کے مقابلہ میں ذلت سے نہیں نکل سکتا۔ اسی لیے یہ ذلیل اس عزیز کا تقرب حاصل نہ کر سکا۔

marfat.com

۳۰۰ـــــــ من دلش جستہ بصد ناز و دلال
او بہانہ کردہ با من از ملال

رسول ہیں اور بنی امی ہیں جو انبیاء کے
ختم کرنے والے ہیں۔ آپ کے بعد
کوئی نبی نہیں ہو سکتا۔ یہی مضمون
کتاب اول توریت و انجیل وغیرہ
میں موجود ہے۔ سچ کہا، سچ کہا، سچ کہا۔

اسی طرح کے ایک نہیں لاکھوں واقعات کتب تواریخ و احادیث و سیر میں موجود ہیں جنہیں فقیر نے اپنی کتاب "کرامات اولیاء" میں لکھا ہے۔

۳۰۰۔ ترجمہ: میں نے اس کا دل سو ناز کرشموں سے ٹٹولا مگر اس نے مجھ سے بطور ملال بہانہ کر دیا۔

شرح: مولانا ان شعروں میں محبوب حقیقی سے اپنے راز و نیاز کی باتوں کا ذکر کرتے ہیں اور تفہیم معشوق حقیقی کو معشوق مجازی سے تشبیہہ دی ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ قلب اور بہانہ اور ملال سے پاک ہے۔ اسی لیے قلب بمعنی رضا اور بہانہ بمعنی استغنا اور ملال بمعنی تبری و تنزہ ہے۔ یعنی میں نے اس کی رضا ڈھونڈی مگر اس نے استغنا کیا اور یہ استغنا بسبب کمال تبری و تنزہ کے تھا۔ یہ اشعار وحدت الوجود کی طرف اشارہ کر رہے ہیں جو صوفیہ کے نزدیک بھی نہایت مشکل مقام ہے۔ ہم اس کے متعلق وہ بات کہتے ہیں جو فہم کے قریب بھی ہو اور شریعت کا پاسِ ادب بھی ہاتھ سے نہ جائے۔ دھو ھذا

دراصل بات یہ ہے کہ وہ انسان جو طالب حق اور انسان کامل ہے اگرچہ بنظر ابن معنی کہ بندہ

marfat.com

۳۰۱ ـــــــــ گفتم آخر غرق تست ایں عقل و جان
گفت رو رو بر من ایں افسوں مخوان

۳۰۲ ـــــــــ من ندانم آنچہ اندیشیدۂ
اے دو دیدہ دوست را چوں دیدہ

۳۰۱۔ ترجمہ: میں نے کہا میری عقل و جان تجھ میں غرق ہے فرمایا جا۔ جا میرے سامنے یہ حیلہ بازی مت کر۔

شرح: میں نے یعنی عاشق نے معشوق حقیقی سے کہا کہ میری روح و عقل تیرے میں گم ہے یعنی مجھے استغراق کلی اور فنا تام حاصل ہے پھر بھی مجھے تیرا تقرب حاصل نہ ہوگا۔ لیکن معشوق نے میرے اس دعویٰ کی تکذیب کی اور کہا کہ میرے سامنے یہ حیلہ و کرامت بیان کر کیونکہ یہ دعویٰ غلط ہے کہ فنا سے تقرب ہوتا ہے اس لیے کہ دعویٰ فنا میں دوئی ہے۔ ایک تو خود یہ شخص فانی دوسرا فانی فیہ۔ چنانچہ فرمایا:

۳۰۲۔ ترجمہ: میں نہیں جانتا کہ تو نے کیا سوچا ہے۔ اے دو دیکھنے والے تو نے دوست کو کیسے دیکھ لیا۔

شرح: دو دیدہ سے دو آنکھوں والا مراد نہیں بلکہ دو بینندہ مراد ہے جیسا کہ ہم نے ترجمہ کیا ہے۔ مولانا کا معشوق حقیقی مولانا سے کہہ رہا ہے کہ اے دوئی کے دیکھنے والے تو نے معشوق یکتا کیسے دیکھ لیا تو دونوں چیزوں کو دیکھے ہوئے ہے یعنی اپنے آپ کو بھی اور معشوق کو بھی۔ پھر تیرا یہ کہنا کہ میں فانی ہوں۔ دعویٰ انانیت ہے اور جب انانیت باقی ہے تو مشاہدہ وحدت کا تقرب با وحدت الوجود کہاں رہا۔

(باقی بر صفحہ آئندہ)

marfat.com

اے گراں جان خوار دیدستی مرا
۳۰۲—————
زانکہ بس ارزاں خریدستی مرا

صفحہ گذشتہ سے :

خلاصۂ مطلب یہ نکلا کہ سالک نفس فنا سے مرتبۂ وصال تک نہیں پہنچ سکتا ۔ بلکہ اس کو لازم ہے کہ اس فنا کو بھی فنا کرے تاکہ مرتبۂ فناء الفنا حاصل کرنے کے بعد تقرب حاصل ہو ۔

ف :

ترک دنیا ترک عقبیٰ ۔ ترک کے یہی معنی ہیں جو ہم نے بیان کیے ۔ یہ مضامین نہایت باریک ہیں اس لیے غور کی ضرورت ہے ۔

---

۳۰۲ ۔ ترجمہ :

اے سخت جان کیا تو نے مجھے حقیر سمجھا ۔ شاید اس لیے کہ میں تجھے بہت سستا مل گیا ہوں ۔

شرح :

معشوق بطور طعن اپنے عاشق سے کہتا ہے کہ اے سخت جان عاشق کیا تو نے مجھے معشوقان دنیا کی مثل ادنیٰ اور حقیر سمجھ رکھا ہے اور شاید تو نے مجھے ارزاں خرید لیا ہے کہ جو جو ذرا ذرا سی باتوں پر طالب دیدار بلکہ طالب وصال ہوتا ہے ۔ نہیں نہیں میں ایسا سستا نہیں ہوں کہ جیسا تو سمجھ رہا ہے ۔

marfat.com

ہر کہ او ارزاں خرد ارزاں دہد

۳۰۴ــــــــــ

گوہرے طفلے بقرص نان دہد

۳۰۴۔ ترجمہ: جو کوئی شخص ارزاں خریدے ارزاں دے۔ بچہ روٹی کے ٹکڑے کے عوض موتی دے دیتا ہے۔

شرح: یعنی جو شخص جس چیز کو آسانی سے حاصل کر لیتا ہے اس کو سستا بیچ ڈالتا ہے چنانچہ کوہ نور ہیرا جو کسان کو کھیت سے ملا تھا کچھ پیسوں کے عوض میں بیچ ڈالا اور دوسرا مصرعہ ناقدری کی تمثیل ہے کہ کوئی بچہ موتی کی قدر و قیمت کو کیا جانے۔ اگر اس کو کوئی روٹی کا ٹکڑا دے تو وہ اس کے بدلے میں وہ سچا موتی دے دے گا۔ ان خطابات کے متعلق علماء کا اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ عتاب کے طور معشوق حقیقی نے عاشق سے فرمایا کہ جیسا بچہ کے نزدیک گوہر حقیر شے ہوتا ہے اور وہ اس کو ایک ٹکڑے کے عوض میں دے دیتا ہے۔ اسی طرح تو نے بھی مجھ کو حقیر اور ارزاں جانا۔ میں بغیر مرتبہ فنا الفنا کے صرف ناز و نیاز سے ہاتھ نہ آؤں گا۔ ان کے نزدیک وجہ ترجیح یہ ہے کہ:

ربط مضمون سے صاف ظاہر ہے کہ "گفت رو رو بر من ایں افسوں مخواں" سے معشوق حقیقی کا قول شروع ہو کر ذیل کے آنے والے شعر پر ختم ہوتا ہے۔ دوسرے شارح فرماتے ہیں کہ یہ عاشق کا خطاب ہے جو اپنے معشوق سے عدم تقرب کا سن کر معشوق سے عرض کی کہ اے گرامی قدر و عدیم النظیر جس طرح میں اپنی فطرت میں اپنے آپ کو عبد ذلیل جانتا ہوں اسی طرح تو نے مجھے جانا اور اس کا سبب یہ ہے کہ مجھے تو نے ارزاں پا لیا ہے۔ کیونکہ تیری قدرت کاملہ مجھ جیسے بے شمار پیدا کر سکتی ہے۔ یہ قاعدہ ہے کہ جو صناع ایک طریقہ کی لاکھوں چیزیں بنا سکتا ہے۔ اس کے نزدیک ایک چیز کا بنانا نہایت ارزاں ہے اور میرے ارزاں

(باقی آئندہ صفحہ پر)

marfat.com

۳۰۵ــــــــ غرق عشق تو شدم من کاندرین
غرق عقل اوّلین و آخـرین

صفحہ گذشتہ سے : پالینے کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی بچہ موتی پاکر روٹی کے بدلہ میں دے دیتا ہے سو میں بھی اگرچہ جوہر ہوں کیونکہ تیری صورت پر مخلوق ہوا ہوں مگر چونکہ تیرا بندہ ہوں اس لیے تو مجھے ذلیل جانتا ہے اور تقرب سے محروم رکھتا ہے لیکن وصال سے محروم فرمایئے یا نہ میں تو تیرے عشق میں مستغرق رہوں گا چنانچہ آنے والے شعر سے یہی مطلب حاصل ہوتا ہے یہاں تمہیداً کچھ عرض کیا گیا ہے۔

۳۰۵۔ترجمہ : میں تیرے عشق میں ایسا غرق ہوں کہ تمام اولین و آخرین کے عقل اس میں غرق ہیں۔

شرح : معشوق سے عاشق نے عرض کی کہ اے پیارے محبوب میں تیرے عشق میں مستغرق ہوں اور تیرا عشق ایسا دریا ہے جس میں تمام اولین و آخرین کی عقلیں غرق ہوگئی ہیں۔ سب دیوانے بن گئے ہیں۔ بعض نسخوں میں عشقِ اولین بھی ہے یعنی میرا عشق ایک دریا ہے اور اس میں اولین و آخرین کا عشق حباب کی طرح غرق ہے۔ اس میں اپنے عشق کا مبالغہ ہے۔ متقدمین اور متاخرین سے جس میں فضل ولی بر نبی کا گمان ہوتا ہے مگر اس کا جواب وہی ہے جو پہلے مذکور ہوا کہ یہ مرتبہ عشق بطفیل اتباعِ پیغمبر آخر الزمان ہے۔ بعض شارحین نے ان دونوں شعروں کو بھی گفت رُو رُو برمن ایں افسون مخوان کے متعلق کیا ہے اور جس طرح وہ تین مصرعے معشوق کا مقولہ تھے اسی طرح یہ دو شعر بھی معشوق ہی کا مقولہ ہیں اور خطاب بجانبِ عاشق ہے یعنی معشوق از راہ عتاب یوں کہتا ہے کہ اے ثقیل روح اور موٹی سمجھ والے تو نے فقط دعویٰ فنا سے تیرے ... وں۔ اس صورت میں تیرا حال ایسا ہے جیسا بچہ کہ مفت کا گوہر پاکر مفت میں دے دیتا ہے۔

(بقیہ بر صفحہ آئندہ)

marfat.com

۳۰۶ ــــــ مجملش گفتم نکردم من بیان
ورنہ ہم افہام سوزد ہم زبان

صفحہ گذشتہ سے:

یعنی جیسا بچہ کے نزدیک گوہر حقیر چیز ہے اگر ابھی تو نے مجھ کو جانا۔ میں بلا مرتبہ فناء الفنا، ہاتھ نہ آؤں گا۔ اس صورت میں شارح نے "غرق عشق تو شدم" کو مقولہ معشوق سے جدا کر کے مقولہ عاشق قرار دیا ہے یعنی جس وقت عاشق نے معشوق کا یہ عتاب سُنا تو مرتبۂ فناء الفناء میں پہنچ گیا اور جب اس حالت سے افاقہ ہوا تو یہ شعر فرمایا جس کا مطلب ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔

۳۰۶۔ ترجمہ:

میں نے اسے مجمل کہا۔ تفصیل بیان نہیں کی۔ ورنہ افہام اور زبان جل جاتے۔

شرح:

یعنی میں نے اسرار عشق و وحدت کا بیان مجمل طور پر کر دیا ہے۔ اگر تفصیل کے ساتھ لکھوں تو یہ ایسا پُر سوز بیان ہے کہ سُننے والے کا خرمن عقل و فہم اور کہنے والے کی زبان جل کر خاکستر ہو جائے۔

marfat.com

۲۰۷ــــــــ من چه گویم لب لبِ دریا بود
من چو لا گویم مراد الّا بود

۲۰۷۔ ترجمہ: میں جب "لب" کا لفظ بولتا ہوں تو لب سے دریا (مراد) ہوتی ہے۔ جب "لا" کہتا ہوں تو اس سے الّا مراد ہوتی ہے۔

شرح: یہاں "لا الٰہ الا اللہ" کی طرف اشارہ ہے۔ یعنی میں جہاں لب کا ذکر کرتا ہوں وہاں لب سے معشوق مجازی کا لب مراد نہیں بلکہ لب دریائے حقیقت مراد ہے یا یہ کہ میں اپنے لب سے لب حق مراد لیتا ہوں کیونکہ میں لب قدرت کے ساتھ متکلم ہوں اور میں جب لا کہتا ہوں یعنی نفی ممکنات کرتا ہوں تو اس سے یہ مراد ہوتی ہے کہ سوائے ذات حق کے اور کوئی چیز موجود نہیں ہے۔ مطلب یہ کہ میری نظر ہر مظہر سے منتقل ہو کر ظاہر کی طرف جایا کرتی ہے۔

اس میں اشارہ ہے کہ عوام اولیاء کرام کے کلام کے معنی بہت کم سمجھتے ہیں اور قصور فہم سے ان پر اعتراض جڑ دیتے ہیں مثلاً حضرت ابن العربی قدس سرہٗ کی فتوحات مکیہ یا حضرت حافظ شیرازی اور ایسے ہی ہمارے علاقہ کے حضرت خواجہ غلام فرید اور حضرت مولانا محمد یار گڑھی اختیار خاں رحمہم اللہ تعالیٰ کے کلام سے کم فہمی پر بعض ناعاقبت اندیشوں نے کفر کے فتوے جڑے جن سے ان بزرگوں کا تو کچھ نہ بگڑا لیکن ان معترضین نے اپنا نقصان ضرور کیا۔ یہ کتاب ان تمام اعتراضات اور ان کے جوابات کی حامل نہیں تفصیل مطلوب ہے تو فقیر کی دوسری تصانیف کا مطالعہ کیجئے۔ یہاں بطور نمونہ فتوحات مکیہ کی ایک عبارت کا اعتراض اور اس کا جواب ملاحظہ ہو:

شیخ اکبر قدس سرہ الاطہر نے فتوحات مکیہ کے خطبہ میں فرمایا ہے:

اوجد الاشیاء وھو عینھا "اس کے متعلق ایک حکایت ملاحظہ ہو:

marfat.com

۳۰۸ — من ز شیرینی نشینم رو ترش
من ز بسیاری گفتارم خمش

صفحہ گذشتہ سے : **حکایت** :

حضرت سید پیر مہر علی شاہ صاحب قدس سرہٗ نے فرمایا کہ میں نے ایک کتاب میں دیکھا ہے کہ ایک شخص کہتا ہے کہ میں ایک روز حضرت سلطان العاشقین محبوب الٰہی صاحب (رحمۃ اللہ علیہ) کے مزار مقدس پر مراقب ہوا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ برزخ یعنی عالم مثال میں فتوحات مکیہ فصوص الحکم کا درس دے رہے ہیں۔ میں نے حضرت الشیخ کی عبارت مذکورہ پیش کر کے عرض کی کہ اس عبارت سے خالق و مخلوق کا اتحاد مفہوم ہوتا ہے۔ حضرت موصوف نے قدرے تامل فرمایا۔ ناگاہ حضرت الشیخ کی روح مبارک نے متجلی ہو کر افادۃً فرمایا کہ آپ جواب کیوں نہیں فرماتے کہ میں نے "وھو عینھا" کہا ہے نہ (ھی عینہ) تاکہ نقص لازم آتا۔ (ملفوظات گولڑوی ص۱۷)

اس جملہ کی تشریح ہم پہلے عرض کر آئے ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ عرفاء کے کلام کے معانی سمجھ میں نہ آئیں تو اعتراض کی بجائے کسی عارف سے سمجھنا لازمی ہے ورنہ خاموشی میں نجات ہے۔

۳۰۸۔ ترجمہ : میں شیرینی کھا کر بھی ترش رو ہو کر بیٹھتا ہوں اور زیادہ گفتار سے بھی خاموش ہوں۔

شرح : رُو ترش بمعنی ترش رو اور شیرینی سے حلاوت عشق مراد ہے یعنی مٹھائی کھا کر ایسا منہ بنا لیتا ہوں گویا کھٹائی کھائی ہے تاکہ اصل حقیقت پوشیدہ رہے اور اس سرِ وحدت سے کوئی بھی واقف نہ ہو۔ یعنی باوجودیکہ حلاوت باطنی اور ذوق قلبی رکھتا ہوں۔ مگر اس کو لوگوں سے چھپانے کے لیے منہ بناتے بیٹھا ہوں تاکہ عوام کو میری حلاوت پر اطلاع نہ ہو اور باوجودیکہ اسرار میرے دل میں بہت سے ہیں مگر خاموش ہوں اور سو اسرار وں میں سے ایک

(بقیہ بر صفحہ آئندہ)

marfat.com

تا کہ شیرینی ما از دو جہان
۳۰۹ ـــــــ در حجاب رو ترش باشد نہاں

تا کہ در ہر گوش ناید ریں سخن
۳۱۰ ـــــــ یک ہمی گویم ز صد سر لدن

صفحہ گذشتہ سے :

کہتا ہوں ۔ کیونکہ اسرار کی باتیں ہر ایک کے سننے کے قابل نہیں ہوتیں ۔ اسی لیے عشاق الٰہی رازِ عشق مخفی رکھتے ہیں اور نہایت ثابت قدم رہتے ہیں کسی حالت میں بھی اسے افشا نہیں کرتے ۔ اگر کرتے ہیں تو انہیں سخت سے سخت تر مصائب میں مبتلا کیا جاتا ہے ۔ اسی لیے مولانا نے اپنے ذوق و شوق کے حال کو شیرینی سے چھپانے کو ترشی سے تعبیر کیا ہے ۔

---

۳۰۹ ۔ ترجمہ : تاکہ میری شیرینی دو جہاں سے مخفی ہو ترشی کے حجاب میں ۔

۳۱۰ ۔ ترجمہ : تاکہ ہر کان میں یہ سخن نہ پہنچے ۔ لدن کے اسرار سے صرف ایک راز کہتا ہوں ۔

شرح : یعنی میں اپنے ذوق باطنی کو چھپا کر اسی لیے ترش روئی کا اظہار کرتا ہوں کہ لوگ سرِ وحدت سے واقف نہ ہو سکیں کیونکہ ہر شخص فہم اسرار کی طاقت نہیں رکھتا اسی لیے میں اسرار خداوندی اور لدنی راز کو مخفی رکھتا ہوں اور یہ ایسا بھید ہے کہ آدمی تو کیا فرشتے بھی ناواقف ہیں ۔ چنانچہ لفظ دو جہان اسی طرف اشارہ کر رہا ہے ۔ فرشتے اس راز سے کیوں ناآشنا ہیں اس کی ... ہم نے تفسیر "فیوض الرحمٰن" میں تحت آیۂ انا عرضنا الامانۃ سورۂ احزاب میں تفصیل سے لکھی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے :

marfat.com

تفسیر قول حکیم سنائی قدس اللہ روحہٗ

بہر چہ از راہ وا مانی چہ کفران حرف چہ ایمان

بہر چہ از دوست دور افتی چہ زشت آں نقش چہ زیبا

وفی معنیٰ قول النبی علیہ السلام ان سعد الغیور و انا اغیر منہ و اللہ تعالیٰ اغیر منی و من غیرتہ حرم الفواحش ما ظہر منہا و ما بطن ۔

ترجمہ: حکیم سنائی کے قول کی تفسیر (اللہ تعالیٰ ان کی روح کو خوش رکھے)۔

شرح: وہ قول بصورت شعر مندرجہ ذیل ہے۔ یعنی بہر چہ وا مانی الخ یعنی جس حرف کے سبب تو اللہ تعالیٰ کی راہ سے علیحدہ ہو جائے وہ حرف کفر ہو یا ایمان۔ تاثیر میں برابر ہے اور جس صورت کے سبب تو دوست یعنی اللہ تعالیٰ کی راہ سے علیحدہ ہو جائے وہ صورت اچھی ہو یا بری اثر میں "" ہے۔

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کے معنی ہیں کہ بیشک سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ غیرتمند ہے اور میں ان سے زیادہ غیرتمند ہوں اور اللہ تعالیٰ مجھ سے زیادہ غیرت مند ہے۔ اس سبب سے اس نے فحش کو حرام کیا خواہ وہ باطن ہوں یا ظاہر۔

شرح: حضرت حکیم سنائی رحمۃ اللہ علیہ کے شعر کا یہ مطلب ہے کہ جس لفظ سے تم راہ عرفان سے دور ہو جاؤ وہ لفظ کفر ہو یا ایمان دونوں برابر ہیں اور جو صورت ایسے ہو کہ جس کے شوق میں تم دوست یعنی اللہ تعالیٰ کو بھول جاؤ وہ اچھی ہو یا بری برائی میں یکساں ہے۔ مثلاً کوئی شخص زبان سے " لا الٰہ الا اللہ " کہے اور تصدیق قلبی نہ ہو تو ایسے اسلام اور کفر میں کچھ فرق نہیں

(البقیہ بر صفحہ آئندہ)

marfat.com

جملہ عالم زاں غیور آمد کہ حق

۱۱۳۱ــــــــ

بر دور غیرت بریں عالم سبق

صفحہ گذشتہ سے :

یا مثلاً کوئی شخص سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی اور کی پرستش کرے تو وہ جس کی پرستش کی جائے خواہ وہ کیسا ہی اچھا یا برا ہو اللہ تعالیٰ سے دور کرنے کے لیے یکساں ہے۔

۱۱۳۲۔ ترجمہ : تمام عالم اس وجہ سے غیرتمند ہوا کہ حق غیرت میں اس عالم پر سبقت لے گیا ہے۔

شرح : چونکہ اس سے پہلے مولانا علیہ الرحمۃ غیرت خداوندی کے متعلق فرما چکے ہیں۔

ع غیرت آں باشد کہ او غیر ہمہ ست

چنانچہ اس موقع پر اس غیرت کی مثال بیان کرتے ہیں کہ تمام جہان اس لیے غیرت دار ہے کہ اللہ تعالیٰ غیرت میں سب پر سبقت لے گیا ہے یعنی سب سے زیادہ غیرت مند ہے وہ غیرت ہی کے سبب خلق سے مستور ہے کیونکہ جس قدر اسے غیرت ہے اتنا ہی حجاب ہے۔ چونکہ ولی متخلق باخلاق اللہ ہوتے ہیں اس لیے وہ عوام کی بہ نسبت مستور ہوتے ہیں۔ غیرت دو قسم ہے۔

۱۔ محمودہ ، ۲۔ مذمومہ۔

محمودہ وہ ہے جو برائیوں اور گناہ کے صادر ہونے سے ہوتی ہے خواہ اپنی ذات سے یا کسی دوسرے سے۔ گناہوں اور ان کے اسباب کا ہاتھ سے مٹانا یا زبان کے اثر سے دفع کرنا یا دل سے برا جاننا غیرت محمودہ ہے اور غیرت مذمومہ وہ جو عادت اور حمیت جاہلیت کے لحاظ سے ہو۔

marfat.com

۳۱۲— او چوں جان ست و جہان چوں کالبد
کالبد از جان پذیرد نیک و بد

۳۱۲- ترجمہ: وہ مثل جان کے ہے اور جہان مثل جسم کے۔ جسم ہر اچھے برے کو جان ہی سے قبول کرتا ہے۔

شرح: کالبد بضم با، موحدہ ہے مگر یہاں بدؔ کے قافیہ کے لیے بفتح الباء آیا ہے جو ضرورتاً درست ہے اور مطلب شعر یہ ہے کہ: چونکہ اللہ تعالیٰ جان ہے اور مخلوق اس کا جسم یا اللہ تعالیٰ ظاہر ہے اور مخلوق اس کا مظہر۔ اس لیے مخلوق میں اس کی غیرت کا عکس ہے۔ اب رہی غیرت وہ محمودہ ہو یا مذمومہ سب کی اصل غیرت الٰہی ہے جس کا عکس غیرت کرنے والوں میں حسب استعداد ظاہر ہوا ہے۔ یعنی جن لوگوں کی استعداد کامل ہے ان میں غیرت محمودہ نے ظاہر کیا ہے اور جن کی استعداد فاسد ہے ان میں غیر مذمومہ ظاہر ہوگی ہے۔ خلاصہ یہ کہ غیرت کا محمود اور مذموم ہونا مظہر کی بھلے اور برے ہونے پر موقوف ہے۔ غیرت کسی ایسے فعل یا صفت یا چیز کے چھپانے کو کہتے ہیں جس کا ظاہر کرنا چھپانے والے کے نزدیک عیب میں داخل ہو اور باعتبار صفت غیرت کی دو قسمیں ہیں۔ اوّل غیرت مذمومہ جو عادت اور حمیت جاہلیت کے لحاظ سے ہوتی ہے مثلاً اکثر نئی دلہنیں مہمانوں کی غیرت کے سبب پہلے دن غسل جنابت نہیں کرتیں اور نماز چھوڑ بیٹھتی ہیں۔ یہ حمیت جاہلانہ ہے اور اس کا نام غیرت مذموم ہے جو خدا کو ہرگز پسند نہیں۔

دوم غیرت محمودہ ہے۔ اس کی تفصیل ہم لے پہلے لکھی ہے۔

marfat.com

هر کہ محراب نمازش گشت عین

۳۱۲ ————

سوئے ایمان رفتنش میدان تو شین

۳۱۳ - حل لغات : محراب عربی لفظ ہے بمعنی آلہ حرب اور اصطلاح میں وہ جگہ جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے مقرر کی جائے جیسے بی بی مریم کا حجرہ محراب کہدیا چونکہ اسی جگہ پر بندۂ خدا نے شیطان و نفس کے ساتھ جنگ کی۔ بایں معنی وہ اس کا آلہ ہوا عرف عام میں مسجد کا وہ درمیانی حصّہ جو مسجد کی علامت کے طور پر غربی دیوار میں تیار کیا جاتا ہے اور یہ علامت معروفہ بنو امیہ کے دور میں بدعتاً شروع ہوئی ورنہ حضور علیہ السلام اور صحابہ کرام کے دور میں یہ علامتی محراب نہیں تھا۔ تحقیق و تفصیل فقیر کے رسالہ "تحفۃ الادیب فی بدعات المحاریب" کا مطالعہ کیجئے۔

شین عربی لفظ ہے جس کے معنی برائی یا عیب کے ہیں۔

ترجمہ : وہ شخص کہ جس کی محراب نماز اس کی عین ذات ہو گئی اس کا ایمان کی طرف جانا معیوب ہے۔

شرح : یعنی جس شخص کا قبلہ عین مشاہدہ ذات باری تعالیٰ ہو اس کا ایمان کی طرف جانا ایک قسم کی برائی یا عیب ہے۔ ایمان معنی یقین کے ہیں پس جو شخص یقین سے بڑھ کر خود مشاہدہ کر رہا ہے اس کا ایمان کی طرف متوجہ ہونا عین خطا کی بات ہے کیونکہ جس پر ایمان لانے کی ضرورت ہے وہ خود سامنے موجود ہے اب ایمان لائے تو کس پر لائے۔

یا یوں کہیئے کہ جس کا ایمان بالعین ہو اس کو ایمان بالغیب کا قائل ہونا اپنے مرتبہ کو کم کرنا ہے ظاہر قیودات ظاہر بینوں کے واسطے ہیں۔ باطن بین کے واسطے نہیں۔ کسی نے خوب کہا :

ے جس کی محراب عبادت ہے خم ابروئے ناز
اس کا کعبہ میں کہو سجدہ ادا کیونکر ہوا

(باقی آئندہ صفحہ پر)

marfat.com

ایسی صورت میں بظاہر گو خلاف شریعت محمدیہ ہے مگر صرف ظاہر عبادت گذاروں کے واسطے باطنی لوگ اس سے مستثنیٰ ہیں۔ اس بارہ میں ہم ایک مثال عرض کرتے ہیں تاکہ یہ بات آسانی سے سمجھ میں آجائے۔

مثلاً ایک شخص کسی اونچے مقام پر بیٹھا ہوا سورج کے غروب ہونے کو بچشم خود دیکھ رہا ہے اور دوسرا ہاتھ میں گھڑی لیے ہوئے کھڑا ہے اور اسے دیکھ کر حساب لگا رہا ہے کہ آفتاب غروب ہونے میں اتنا وقت باقی ہے۔ اب اس نے جو اونچائی پر سے سورج کو دیکھ رہا تھا دعویٰ کیا کہ وہ چھپ گیا۔ مگر نیچے والا بر یقین اس کے گھڑی میں غروب ہونے کے واسطے ہنوز کچھ منٹ باقی ہیں اس کے خلاف ہے۔ ایسی صورت میں اسی کی بات قابل اعتبار ہوگی جو سورج کے غروب ہونے کو بچشم خود معائنہ کرتا ہے۔ گھڑی پر یقین رکھنے والے کی دلیل قابل اعتبار نہ ہوگی۔ ممکن ہے کہ گھڑی سست ہو۔ پس اسی طرح مشاہدہ عین ذات بمقابلہ ایمان کے زیادہ قابل وثوق ہے۔ اسی بناء پر بعض مشائخ عین ذات کے مشاہدہ میں ہر وقت مستغرق رہتے ہیں اگر ان میں سے کسی ایک کو شرعی امور کی ادائیگی نہ ہوتی ہو تو وہ معذور ہوتے ہیں نہ ہم ان پر اعتراض کر سکتے ہیں اور نہ ہی وہ شریعت کی توہین کرنے کے مجاز ہیں۔

انہی وجوہات کے باعث یہ معاملہ بہت سنگین ہے۔ بہت کم تعداد میں ایسے لوگ ہوتے ہیں جو اس مقام پر فائز ہونے کے بعد شریعت مطہرہ کی عزت و احترام پر پورے اترے ہوں ورنہ بیشمار اس مقام پر فائز ہونے کے باوجود شریعت کی معمولی توہین سے تباہ و برباد ہوئے۔

marfat.com

۳۱۴— ہر کہ شد مر شاہ را او جامہ دار
ہست خسران بہر شاہش اتجار

۳۱۴۔ حل لغات : اتجار ، باب افتعال در اصل اتجار تھا بمعنی تجارت کرنا۔
جامہ دار توشک خانہ کا دار وغہ۔

ترجمہ : جو شخص کہ خاص بادشاہ کا جامہ دار ہو گیا ہو اس کو ۔ ہ کے لیے تجارت کرنا نقصان کی بات ہے۔

شرح : یعنی جو شخص بادشاہ کا یہاں تک مقرب ہو گیا ہے کہ توشک خانہ کا تمام دار و مدار اسی پر ہے تو بادشاہ کے لیے اس کو کپڑے کی تجارت کرنا کہ تجارت کے ذریعہ وہ مقرب بنے گا ایک بالکل بے سود امر اور نقصان کا باعث ہے۔ اس لیے کہ یہ تنزل ہے قرب سے بعد کی طرف اور ظاہر ہے کہ ایسے مقرب کا یہ مرتبہ نہیں جو تاجر کا ہوتا ہے کیونکہ تاجر ایک معمولی حیثیت رکھتا ہے اور مقرب اعلیٰ درجہ اسی طرح ایمان بالعین والا اعلیٰ ہے وہ بادشاہ حقیقی کا مقرب ہے اسے ایمان بالغیب کا قائل ہونا قرب سے بعد کو جانا ہے۔ یہ شعر مضمون سابق کی لبطور تفہیم کے تمثیل ہے۔

marfat.com

ہر کہ با سلطان شود او ہمنشیں
۳۱۵ — بر درش بشستن بود حیف وغبیں

دست بوسش چوں رسید از بادشہ
۳۱۶ — گر گزید بوسِ پا باشد گناہ

---

۳۱۵ - ترجمہ : جس کا ہمنشیں بادشاہ ہو اس کے لیے اس کے دروازہ پر بیٹھنا افسوس او کم عقلی ہے۔

حل لغات : شستن مخفف نشستن وغبین بمعنی ضعیف رائے صفت مشبہ ہے قایم مقام مصدر وغبن بفتحتین رائے وتدبیر میں خطا واقع ہونا اور بفتح اول وسکون ثانی نقصا اٹھانے کے معنوں میں ہے۔

شرح : یعنی جو شخص بادشاہ کی ہمنشینی کا رتبہ رکھتا ہو اور پھر اس کے دروازہ پر بیٹھ جائے یہ اس کے لیے نہایت حیف اور خسارہ یا ضعف رائے کا سبب ہے۔ ہمنشیں کو بادشاہ کے دروازہ پر بیٹھنے سے غیرت کرنی چاہیئے۔ اسی طرح مقربان بارگاہ الہی کو ایمان بالغیب کا قایل ہونا باعث نقصان مرتبہ ہے۔ یہ بھی اسی مضمون کی تشریح ہے۔

۳۱۶- ترجمہ : جس کے بادشاہ ہاتھ چومے۔ اگر وہ بادشاہ کی پا بوسی اختیار کرے تو غلط بات ہے۔

شرح : یعنی جو شخص ایسا مقرب ہو کہ بادشاہ اس کا ہاتھ چومتا ہے اس کو بادشاہ کے پاؤں چومنے سراسر نازیبا ہیں۔ علیٰ ہذالقیاس ایمان بالعین کے بعد ایمان بالغیب نامناسب ہے۔

marfat.com

۳۱۷—— گرچہ سر برپا نہادن خدمت ست
پیش آں خدمت خطاؤ و زلت ست

۳۱۸—— شاہ را غیرت بود بر کہ او
بو گزیند بعد ازاں کہ دید رو

۳۱۷۔ ترجمہ: اگرچہ پاؤں پر ہاتھ رکھنا خدمت ہے لیکن اس سابق خدمت کے سامنے خطا اور ذلت ہے۔

شرح: زلت بمعنی خطا و لغزش اور آں خدمت سے بادشاہ کا ہاتھ چومنا مراد ہے۔ مطلب یہ کہ اگرچہ بادشاہ کے پاؤں پر پڑنا غلاموں کی صفت اور سراسر خدمت ہے لیکن اس خدمت کے مقابلہ میں کہ بادشاہ خود غلام کے ہاتھ چومتا ہے۔ یہ خدمت (غلام کا پاؤں پڑنا) سراسر خطا ہے۔ خلاصہ یہ کہ جب مشاہدۂ عینی حاصل ہو گیا تو دوری یعنی ایمان بالغیب کا متعلد رہنا اچھا نہیں بلکہ نقصان مراتب کا سبب ہے۔

۳۱۸۔ ترجمہ: اس شخص کی بادشاہ کو غیرت آئے گی کہ جو چہرہ دیکھنے کے بعد اس کی بو کا متلاشی ہو۔

شرح: صوفیاء کی اصطلاح میں ذات کو رو اور صفات کو بو کہا جاتا ہے یا یوں کہیے کہ بو سے ایمان بالغیب اور رو سے مشاہدۂ ذات مراد ہے۔ بادشاہ کا اشارہ اللہ تعالیٰ کی طرف ہے یعنی بادشاہ کو اس بات سے غیرت آتی ہے کہ کوئی شخص اس کا منہ دیکھ کر یعنی تقرب حاصل کر کے پھر فقط دور سے اس کی بو سونگھا کرے۔ بو سے مراد ایمان بالغیب ہے اور منہ دیکھنے سے مشاہدہ اور بادشاہ سے ذات حق اور یہ شعر بھی اسی مضمون سابق کی تمثیل کے لیے لائے گئے ہیں۔ غیرت معشوق حقیقی کے بےشمار واقعات کتب سیر الاولیاء میں موجود ہیں۔

marfat.com

۳۱۹ــــــــ غیرت حق بر مثل گندم بود
کاہ خرمن غیرت مردم بود

۳۱۹ - ترجمہ : غیرت حق گیہوں کی طرح ہے اور انسان کی غیرت بھوسے کی طرح ۔

شرح : یعنی اللہ تعالیٰ کی غیرت اصل اور گندم کی طرح اور انسان کی غیرت بھوسے کی طرح اس لیے کہ بھوسہ گندم سے حاصل ہوتا ہے ایسے ہی انسان کی غیرت غیرت حق کا عکس ہے ۔ غیرت حق اصل اور غیرت انسان اس کی فرع ٹھہری ہے ۔ پھر دنیوی بادشاہ کو اپنے مقرب کے دور رہنے سے غیرت آتی ہے ۔ ایسے ہی اللہ تعالیٰ کو بندوں کی دوری سے غیرت آتی ہے ۔ یاد رہے کہ بندوں کی دوری معاصی کے ارتکاب سے ہوتی ہے ۔ گناہ کرنے سے غیرت حق حرکت میں آجاتی ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے جملہ فواحش و معاصی بندوں پر حرام فرمائے اور پھر انسان اللہ تعالیٰ کا مقرب جلیلہ ہے ۔ اسے ارتکاب معاصی و فواحش قرب الٰہی سے دوری کا سبب بنتے ہیں ۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ کو غیرت آتی ہے کہ میرا مقرب مجھ سے کیوں دور ہوگیا ۔

ف : غیرت کا ذکر حکیم سنائی کے قول کی تفسیر یہی بنتا ہے ۔ اس لیے کہ غیرت جو بظاہر نیک معلوم ہوتی ہے ۔ اگر نفسانیت سے ہو تو وہ بے غیرتی ہے مثلاً ابو طالب کو جب حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے کلمۂ اسلام پڑھنے کو فرمایا تو اس نے جواب دیا :

قبلت النار علی العار — میں نے عار کی وجہ سے نار کو قبول کیا ۔

• یعنی عار یعنی غیرت کو توڑ کر میں ایمان نہیں قبول کر سکتا ۔ دیکھئے یہ غیرت اگرچہ بظاہر بہ خیال ابوطالب محمود ہے لیکن چونکہ نفسانیت سے ہے اس لیے کہ اس کا خیال تھا کہ میں نے اپنے بھتیجے کو پالا ہے اب میں اس پر ایمان لاؤں ۔ اسی لیے مذموم ہے ۔ ایسے ابلیس کا توحید پر مضبوطی کا

(بقیہ بر صفحہ آئندہ)

marfat.com

اصل غیرت را بدانید از الٰہ
۳۲۰ــــــ
وآنِ خلقان فرع حق بے اشتباہ

صفحہ گذشتہ سے :
اظہار کر کے آدم علیہ السلام کی تعظیم کے انکار سے مردود درگاہ ٹھہرا وغیرہ۔

ف : ایمان بالغیب ہمارے لیے محمود ہے لیکن خواص کے لیے مذموم کیونکہ انہیں مشاہدات کے ذریعے ایمان کا حکم ہے۔ اگر وہ بھی ہماری طرح ہونے لگیں تو وہ بھی حق سے دُور ہو جائیں گے۔

مسئلہ : ایمان ابو طالب میں اختلاف

ابو طالب حضور علیہ السلام کے چچا تھے۔ اس میں شک نہیں کہ ان کو حضور سے والہانہ محبت تھی اور انہوں نے آپ کی خدمت کا حق ادا کر دیا۔ ایمان ابو طالب کے متعلق بحث و مناظر کا دائرہ تو بہت وسیع ہے لیکن ان کے ایمان کا مسئلہ اسلام کا ضروری و بنیادی مسئلہ نہیں ہے۔ لیکن شیعہ اور خارجیوں نے اسے اتنا طویل کر دیا ہے کہ گویا یہ بھی اصول اسلام کا ایک اصولی عقیدہ ہے۔ اگرچہ جمہور اہلسنّت کفر ابو طالب کے قائل ہیں مگر چونکہ عوام اصول وعقاید کی حقیقت نہیں جانتے اسی لیے ان کے سامنے ایسے مسائل نہ چھیڑے جائیں۔ اگر کسی وقت الجھن پیدا ہو تو اس میں سکوت بہتر ہے۔

۳۲۰۔ ترجمہ : اصل غیرت کو اللہ کی طرف مانو اور مخلوق کی غیرت یقیناً حق کی فرع ہے۔

شرح : الٰہ بمعنی اللہ یا ملک ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی غیرت اصل اور آدمی کی غیرت فرع اور جو مخلوق کو غیرت آتی ہے وہ درحقیقت غیرت حق کے اثر سے بحیثیت فرع کے ہوتی ہے۔

marfat.com

شرح ایں بگذارم و گیرم گلہ

۳۲۱ ——— از جفائے آں نگار دہ دلہ

---

۳۲۱ - ترجمہ : میں یہ بیان چھوڑ کر اس محبوب بہادر کی جفا کا شکوہ کرتا ہوں ۔

شرح : (ربط) گذشتہ مضمون میں غیرت معشوق کا ذکر تھا اب غیرت عاشق کا ذکر ہے کہ غیرت کا ذکر چھوڑ کر اب میں ہجر و فراق کا تذکرہ کرتا ہوں ۔ گلہ سے عاشق کا آہ و زاری کرنا مراد ہے ۔ جفا سے استغنا و تجلیات جلالیہ و قہریہ مراد ہیں اور اس طرح کے اشعار مولانا علیہ الرحمۃ کی مثنوی میں بہت ہیں ۔ مثلاً

اے جفائے تو ز راحت خوب تر

انتقام تو ز جان محبوب تر

نالم و ترسم کہ او باور کند

و ز ترحم جور را کمتر کند

بلکہ عاشقان حق کا یہ طریقہ عام ہے چنانچہ حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

حافظا دلبرِ تو ہر جائی است

چاک پیراہن تو شیدائی ست

اور یہ عشاق کے لیے بہتر ہے بلکہ ان کا اصلی مقصد ہے کیونکہ تجلیات جلالیہ عاشق کو فنا کر کے مرتبہ بقا تک پہنچاتی ہیں اور دہ دلہ سے تجلیات کثیرہ مراد ہیں ۔ اب معنی یہ ہوا کہ اب میں اس محبوب صاحب تجلیات کثیرہ سے تجلی جلالی کا شکوہ کرتا ہوں اور اس سے مجھے نہایت درجہ غیرت آتی ہے کہ باوجودیکہ اس کی تجلیات جلالیہ کثیرہ کی انتہا نہیں اور ہر ایک پر لطف عام ہے اور میں اس کا عاشق ہو کر محروم ہوں ۔

marfat.com

بعض شارحین نے دہ دکہ سے دہ دل ہونا مراد لیا ہے جس سے لطف عام بر کافۂ انام مطلوب ہے۔

ف : ہم نے ظلم سے تجلیات جلالیہ قہریہ اس لیے مراد لی ہے کہ اللہ تعالیٰ ظلم سے منزہ اور اس سے اس کا صدور و وقوع محال ہے یاد رہے کہ ظلم اس کو کہتے ہیں۔ جو غیر کی ملک میں مداخلت کی جائے اور ظالم وہ جو کسی دوسرے کی شئی مملوکہ کو تکلیف پہنچائے۔ مثلاً تمام انسان خدا کی ملکیت یا مخلوق ہیں۔ پس اگر کوئی انسان کسی انسان کو تکلیف دے تو اس کو ظالم کہیں گے۔ اس لیے کہ دوسرے کی ملک کو تکلیف دے رہا ہے مگر مالک کی تکلیف دہی کو ظلم نہیں کہہ سکتے کیوں کہ وہ اس کا مال ہے۔ پس اس اعتبار سے جب ساری مخلوق خدا کی ملک ہے تو جس طرح اس کی مرضی ہو اسی طرح وہ اپنی مخلوق پر تصرف کرے جس کو چاہے تکلیف دے اور جس کو چاہے آرام پہنچائے۔ کوئی اس میں دم نہیں مار سکتا اور نہ اس تکلیف کو ظلم کہہ سکتے ہیں۔ اس بارہ میں ایک مثال عرض کی جاتی ہے مثلاً کوئی شخص ایک قطعہ زمین کا مالک ہے اس میں اس نے اپنا عالیشان مکان بنانے کا قصد کیا اور اپنی مرضی کے مطابق کہیں دیوان خانہ، کہیں باورچی خانہ، کہیں ٹٹی خانہ بنوادیا۔ ظاہر ہے کہ دیوان خانہ اور باورچی خانہ کی زمین اچھی رہی اور پاخانہ کی جگہ حقیر و ذلیل ہوگئی۔ کیونکہ دیوان خانہ طرح طرح کے تکلفات سے آراستہ ہوگا۔ باورچی خانہ میں انواع و اقسام کے لطیف کھانے تیار ہوں گے۔ بخلاف ان کے ٹٹی خانہ میں بول و براز و گندگی رہے گی کیا اس صورت میں ٹٹی خانہ کی زمین کو اپنے مالک کی شکایت کرنے کا حق حاصل ہے کہ وہاں اس نے ٹٹی خانہ کیوں بنایا۔ اس کے لیے کوئی شکایت کا موقع نہیں۔ مالک کو اختیار ہے کہ جس طرح چاہے اس پر تصرف کرے۔ علیٰ ہذا اسی طرح اللہ جلّ شانہٗ اپنی تمام مخلوق کا مختار و مالک ہے جس کو چاہے آرام با عزت دے اور جس کو چاہے تکلیف و ذلت دے مخلوق کو ہرگز موقع شکایت نہیں اور نہ اس کی دی ہوئی تکلیف کو ظلم سے تعبیر کی جاسکتی ہے

marfat.com

نالم ایرا نالہا خوشش آید شش
۳۲۲
از دو عالم نالہ و غم بایدشش

۳۲۲۔ ترجمہ: میں اس لیے روتا ہوں کہ میرا نالہ اسے اچھا معلوم ہو۔ کیونکہ اسے دونوں عالم سے نالہ و غم چاہیئے۔

حل لغات: لفظ ایرا بمعنی زیرا ہے۔

شرح: یہ سوال مقدر کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ رونا ناصبری کی دلیل ہے اور یہ ناجائز ہے۔

اس کے جواب میں فرمایا کہ میرا نالہ ہجر بے صبری یا ناشکری کے سبب نہیں ہے بلکہ اس لیے ہے کہ میرے محبوب کو نالہ بہت پسند ہے اس کو ہر دو عالم یعنی عالم شہادت یا عالم غیب یا عالم جن وانس کی اشیاء میں سے صرف نالہ و دردِ عشق پسند ہے اور خود قرآن مجید میں فرماتا ہے:

مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ۔ یعنی میں نے جن و انسان کو صرف اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے۔

اور عبادت سے نالہ و عشق و معرفت مراد ہے۔ حاجی امداد اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اگر عاشق سالک ہے تو اسے طلب اور رونا واجب ہے اگر واصل ہے تو بھی۔ چونکہ علوم و تجلیات و کمالات کا انتہا نہیں اسی لیے اسے بھی رونا ناگزیر ہے اور اگر جامع تر و عارف تر ہے تو اس کے لیے "رب زدنی علما" کا حکم ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ مرنے کے بعد تو دائمی وصال ہوگا ہی اور دنیا میں دائمی وصال کا تو نہیں ہوتا۔ اسی لیے انقطاع پر رونا لازما آئے گا۔ چنانچہ کسی نے فرمایا: ؎

(بقیہ بر صفحہ آئندہ)

marfat.com

۳۲۳ چوں ننالم تلخ از دستانِ او
چوں نیم در حلقۂ مستانِ او

صفحہ گذشتہ سے: در برم و دریکدو قدح درکش ویرد
یعنی طمع مدار وصال دوام

اس اعتبار سے اگر عاشق گریہ نہ کرے تو کیا کرے۔

فائدہ: دو عالم سے انس و جان کا علیحدہ علیحدہ عالم مراد ہے۔

سوال: جنات عشق الٰہی سے محروم ہیں اس لیے کہ دولت عشق صرف انسان کو نصیب ہے اسی لیے جنہوں نے دوسرے عالم سے ملائکہ کرام مراد لیے ہیں۔ان پر بھی اعتراض وارد ہوتا ہے کیونکہ عشق میں رونا صرف انسانی خاصہ ہے۔

جواب: اس سے کثرت گریہ مراد ہے جیساکہ قاعدہ ہے کہ دونوں عالم بول کر کثرت مراد لیتے ہیں۔

جواب: صرف جن و ملائکہ مراد لے کر سوال کرنا عبث ہے اس لیے ان کے علاوہ اللہ تعالیٰ کی اور مخلوق بھی ہے مثلاً حیوانات و اشجار وغیرہ۔ اگرچہ عشق میں رونا ان کا خاصہ نہیں لیکن انسان کے طفیل ان کا عشق میں رونا ثابت ہے۔ جیسے "ستن حنانہ" کا قصہ حضرت مولانا آگے چل کر بیان فرمائیں گے اور دیگر حیوانات وغیرہ کے واقعات بھی ثابت ہیں۔ اور ان میں سے چند ایک کا تذکرہ حسب موقع کیا جائے گا۔

۳۲۳۔ حل لغات: چوں بمعنی چگونہ یا شرطیہ ہے۔ نیم نے مضاف میم مضاف الیہ یعنی میں۔ نے کی طرح ہوں یا نے نافیہ ہے۔ دستان بمعنی مکر یا داستان کا مخفف ہے۔ مستان سے جماعت عشاق مراد ہے۔

marfat.com

ترجمہ : میں اس کے مکر کی تمنی سے عشاق کے زمرہ میں عشاق کی طرح کیوں نہ روؤں ۔

شرح : اگرچہ اللہ تعالیٰ پر مکر کا اطلاق ناجائز ہے لیکن جب اس سے حقیقی معنی مراد نہ ہو تو جائز ہے بلکہ مجازی معنی پر قرآن مجید میں متعدد مقامات پر مستعمل ہوا ہے ۔ کما قال :

"و مکروا و مکر اللہ واللہ خیر الماکرین"

اور مکر الٰہی کا اطلاق باعتبار مراتب جدا جدا ہے ۔ عام لوگوں کے لیے مکر کا مطلب یہ ہے کہ ان کو نعمت و دولت دی جائے اور وہ اس سے گناہوں میں مشغول رہیں اور سالک کے حق میں مکر الٰہی یہ ہے کہ وہ صوفی بن کر شرعی یا آداب الٰہی کو نگاہ میں نہ رکھے اور عارف غیر کامل کے حق میں مکر یہ ہے کہ وہ بلا حکم الٰہی اظہار کرامت اور خرقِ عادت میں مصروف رہے اور کاملین کے حق میں مکر یہ ہے کہ شاہد حقیقی اس کے مرتبہ کو تجلیات متواترہ غیر متناہیہ تک محدود رکھے اور اس کی ہمت صرف جلوے ہی جلوہ پر قانع رہے اور مشاہدۂ ذات یا حضوری خاص میسر نہ ہو اور عاشق کے حق میں یہ ہے کہ عشاق کے سامنے تجلیات غضبیہ (کہ جس میں رحمت خفیہ ہوتی ہے) سے متجلی ہو ۔ خلاصہ یہ کہ مکر الٰہی اللہ تعالیٰ کا ہر وہ فعل جس کا ظاہر کچھ مفہوم ہو لیکن اس کا باطن چیزے دیگر ۔

اب شعر کا معنی یہ ہوا کہ میں اس مکر الٰہی سے کیونکر نالاں نہ ہوں کہ اس نے مجھ کو اظہار کرامت میں مشغول کر کے تجلیات سے محروم کر دیا یا تجلیات سے آگے بڑھ کر مشاہدۂ ذات تک نہیں پہنچایا یا لفظ دستان مخفف داستان ہے یعنی میں اس کے قصۂ استغنا سے جو اس سے پہلے ۔ گفت رو رو برمن ایں افسون مخوان سے ظاہر ہو چکا ہے کیونکہ نالہ نہ کروں کہ تجلیات و مشاہدات دونوں سے محروم ہوں ۔ اسی مضمون کو شیخ سعدی قدس سرہٗ نے یوں بیان فرمایا ہے : ؎

marfat.com

نہ حسنش آخری دارد نہ سعدی را سخن پایان
بمیرد تشنہ مستقی و دریا ہمچناں باقی

مولانا قدس سرہٗ اپنے اس شعر میں اپنی استعداد کلی کی خبر دیتے ہیں۔ چنانچہ پہلے بھی کہہ آئے گفتم آخر غرق شد ایں عقل و جان الخ گویا کہتے ہیں کہ اے محبوب اگرچہ میخانہ سے پیالے بھر بھر کے پیئے جا رہا ہوں لیکن سیرابی مشکل ہے۔ اسی لیے ھَلْ مِنْ مَّزِیْد کا نعرہ لگاتا ہوں۔ بعض شارحین نے فرمایا کہ اس میں اشارہ ہے کہ ذات کی تجلی آتی ہے اس کا دنیا میں دوام محال ہے چنانچہ شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ:

دیدار می نمائی و پرہیز می کنی
بازار خویش و آتش ما تیز می کنی

اور حدیث شریف میں ہے:

لی مع اللہ وقت الخ اس کی مزید تشریح اسی حدیث کے تحت آئے گی۔ (ان شاء اللہ تعالیٰ)

حضرت حاجی امداد اللہ شیخ کلیم اللہ قدس سرہما کی تقریر نقل کر کے لکھتے ہیں کہ حضرت موصوف سے پوچھا گیا کہ تجلی ذاتی کو دوام کیوں نہیں تو آپ نے فرمایا کہ جب تک ہم اس عالم دنیا میں ہیں اس میں حقیقی فنا ناممکن ہے کیونکہ اس دنیا میں فانی وجود کا بقیہ ضرور موجود رہتا ہے اور تجلی ذاتی کا دوام تب نصیب ہوتا ہے جب یہ وجود بالکل فانی ہو جائے۔ اسی لیے عارفین ایسی غیر دائمی تجلی کو کالعدم سمجھتے ہیں۔ اسی کیفیت کے مطابق حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

یَا لَیْتَ رَبَّ مُحَمَّدٍ لَمْ یَخْلُقْ مُحَمَّدًا۔ (صلی اللہ علیہ وسلم) یعنی کاش محمد کا رب محمد کو پیدا نہ کرتا (صلی اللہ علیہ وسلم)

راقی نے لکھا: ؎

القصہ

marfat.com

چوں نباشم ہمچو شب بے روز او
۳۲۴ ——
بے وصال روئے روز افروز او

صفحہ گذشتہ سے:

اے کاش نبود می عراقی
کز ماست ہمہ فساد باقی

ازالہ وہم: بعض شراح نے یہاں پر مکر الٰہی سے صرف عطائے نعمت بارتکاب معصیت یا ابقائے حال باسوء ادب و اظہار کرامت بے حکم حق مراد لیا ہے جسے ہم استدراج و امتحان سے تعبیر کرتے ہیں۔ حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: یہ مراد اس لیے ناموزوں ہے کہ اسے سابقہ و لاحقہ ابیات سے کوئی مناسبت نہیں۔

ف: مذکورہ بالا تقاریر آنے والے اشعار میں منطبق کرتے جائیے۔

سوال: جب شکوہ ذات باری تعالیٰ سے کیا جا رہا ہے اور تم کہتے ہو کہ یہ اشعار آخر داستان تک مولانا قدس سرہٗ کی زبان سے عاشق کے مقولے ہیں تو پھر اس کا کیا جواب ہوگا کہ بندہ اللہ تعالیٰ ایسے ناشائستہ الفاظ کیوں کہتا ہے۔

جواب: چونکہ یہ داستان حالت ذوق و شوق میں عاشق کی زبان سے بیان کی جا رہی ہے۔ اسی لیے بعض الفاظ جو حدِ ادب سے تجاوز کر گئے ہیں قابل اعتراض نہیں ہو سکتے۔ جیسا کہ چرواہے کے واقعہ میں ہم اس مسئلہ کو دلائل سے واضح کریں گے ان شاء اللہ تعالیٰ۔

۳۲۴۔ ترجمہ: میں اس شب بے روز کی طرح کیوں نہ ہوں کہ نا اس کے روز افروز چہرہ کے وصال کی طرح رہوں۔

شرح: شب سے ظلمت جسمانی اور روز سے تجلی اور روز افروز سے آفتاب ذات مراد ہے یعنی وصال محبوب و دیدار کی سرفرازی۔ جیسا کہ اس شعر کا مصرعہ ثانی اس کا مؤید

marfat.com

۳۲۵— ناخوشِ او خوش بود در جانِ من
جان فدائے یارِ دل رنجانِ من

صفحہ گزشتہ سے: ہے یعنی میں بلا تجلّی ذات ظلمت جسمانی میں گرفتار ہوں اور بے وصال روئے آفتاب حقیقی ہر وقت مکدر رہتا ہوں: جیسا عاشقانِ الٰہی کے علامات میں سے ہے۔ چنانچہ ایک شاعر نے لکھا کہ:

عاشقاں را سہ نشانست اے پسر
روئے زرد و آہ سرد و چشم تر

۳۲۵۔ ترجمہ: اس کی ناخوشی میرے دل کی خوشی ہے۔ دل رنجیدہ محبوب پر میری جان فدا ہو۔

حل لغات: دل رنجان، دل دکھانے والا معشوق۔ یہاں اس لفظ سے اللہ تعالیٰ مراد ہے۔ یعنی باعتبار خیال عوام تکلیف و بیماری پہنچانے والا۔

شرح: یعنی جو چیز بظاہر عوام کو ناخوش معلوم ہوتی ہے وہ مجھے گوارا ہے کیونکہ عاشق نے جب معشوق پر اپنی جان ہی فدا کر دی تو معشوق کی طرف سے اسے تکلیف پہنچے یا مصیبت سر بسر راحت ہی ہو گی۔ عرب کی مثل ہے:

ضَرْبُ الْحَبِيْبِ زَبِيْبٌ — یعنی دوست کی طرف سے جو کچھ تکلیف پہنچتی ہے وہ خوشگوار ہوتی ہے۔

مطلب یہ کہ اللہ تعالیٰ کے غضب میں بھی رحمت پنہاں ہے خواہ اس رحمت کا ظہور دنیا میں ہو یا عقبیٰ میں لیکن چونکہ عوام کی نگاہ ظاہری اسباب پر ہوتی ہے اس لیے وہ غضب میں پوشیدہ رحمت کو نہیں دیکھ سکتے۔ مثلاً بیماری پر قیاس کر لیجئے کہ عاشق کے

(بقیہ بر صفحہ آئندہ)

marfat.com

عاشقم بر رنج خویش و درد خویش
۳۲۶ —
بہر خوشنودیٔ شاہ فرد خویش

خاک غم را سرمہ سازم بحر چشم
۳۲۷ —
تا ز گوہر پر شود دو بحر چشم

گذشتہ ۔ سر ،

مردیف اس میں رحمت الٰہی پنہاں ہوتی ہے کیونکہ یا تو چند روز میں صحت ہو جائے گی یا کفارۂ گناہ اور باعث ترقی مراتب اخروی ہوگا۔ اسی لیے عشاق نے فرمایا : ع

ہر چہ از دوست می رسد نیکوست

۳۲۶ — ترجمہ : اپنے محبوب حقیقی کی خوشی کی وجہ سے میں اپنے رنج وراحت پر خوش ہوں ۔

شرح : خویش سے اللہ تعالیٰ مراد ہے یعنی میں رنج و درد دکھ یا بیماری سے محبت رکھتا ہوں ۔ کیونکہ یہ سب کچھ خدا کے حکم اور اس کی مرضی سے ہوتا ہے جب وہ اس سے خوش ہے تو میں کیوں رضامند نہ ہوں ۔

۳۲۷ ۔ ترجمہ : غم کی خاک کو آنکھوں کا سرمہ بناؤں میں ۔ تاکہ موتیوں سے آنکھوں کے دونوں دریا بھر جائیں ۔

شرح : یعنی میں خاک غم کو باعث نور عین جان کر آنکھوں میں بھرتا ہوں اور یہ اس لیے ہے کہ میری آنکھیں گوہر اشک سے بھر جائیں ۔ یہ گوہر مرغوب الٰہی ہیں ۔ قاعدہ ہے کہ جب سرمہ لگایا جاتا ہے تو آنکھوں میں آنسو بھر آتے ہیں ۔ حدیث شریف میں ہے ،

اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ اَنِیْنَ الْمُذْنِبِیْنَ ۔ بیشک اللہ تعالیٰ گناہ گاروں کی نالہ و زاری کو پسند کرتا ہے اور

marfat.com

اشک کان از بہر او بارند خلق
۳۲۸ گوہر است و اشک پندارند خلق

من ز جان جان شکایت می کنم
۳۲۹ من نیم شاکی روایت می کنم

صفحہ گذشتہ سے ، ان کے گناہ انہیں آنسوؤں کے پانی سے دھل جاتے ہیں ۔ بلکہ

ا البکاء ینوّر القلب ، دل نورانی ہو جاتا ہے ۔

۳۲۸۔ ترجمہ : وہ آنسو جو لوگ اس کے لیے گراتے ہیں موتی ہیں اور مخلوق ان کو آنسو جانتی ہے ۔

شرح : یعنی جو آنسو محبوب حقیقی کے غم میں گرائے جائیں گو لوگ ان کو آنسو سمجھیں مگر وہ آنسو نہیں ہوتے بلکہ موتی ہوتے ہیں ۔ خلاصہ یہ کہ دنیا کا رنج گو بظاہر رنج دکھائی دیتا ہے مگر درحقیقت وہ رنج نہیں ہوتا بلکہ یہ رنج دائمی راحت اور باعث نعمت اخروی ہے اور موتیوں کی سی لازوال پونجی ہے ۔

۳۲۹۔ ترجمہ : میں اپنی جانِ جان کی شکایت کرتا ہوں ۔ میں شکایت کرنے والا نہیں (بلکہ) روایت کرتا ہوں ۔

شرح : شارح ولی محمد علیہ الرحمۃ نے فرمایا : شعر اول استفہام انکاری ہے ۔ چنانچہ دوسرا مصرعہ اس کا مؤید ہے یعنی اگرچہ میں بظاہر شکایتِ یار کر رہا ہوں لیکن حقیقت یہ ہے کہ میں درد کی کہانی سنا رہا ہوں کیونکہ طلب تجلیات و مشاہدہ سے کسی وقت سیری

(البقیہ بر صفحہ آئندہ)

marfat.com

۳۴ ـــــ دل ہمی گوید ازو رنجیدہ ام
وز نفاق سست می خندیدہ ام

صفو گذشتہ سے، نہیں ہوتی۔ اسی لیے ھل من مزید کا نعرہ لگاتے ہوئے آگے بڑھنے کی کوشش کرتا ہوں۔ اسی لیے بےچینی و بیقراری میں تا حصول تجلی دیگر شکایت یار میں لگا رہتا ہوں۔

۳۴۔ ترجمہ: دل بظاہر کہتا ہے کہ میں اس سے رنجیدہ ہوں۔ مجھے اس کے سست نفاق سے ہنسی آتی ہے۔

شرح: یعنی دل بظاہر تو یہ کہتا ہے کہ میں معشوق حقیقی سے رنجیدہ ہوں۔ لیکن یہ اس کا نفاقِ سست اور ضعیف یعنی شکر رنجی ہے کیونکہ در پردہ عاشق کا دل اُن تمام حادثات سے جو اس پر خدا کی طرف سے وارد ہوں خوش ہوتا ہے۔ دوسرا مصرعہ مولانا کا مقولہ ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ مجھے عشاق کے دل کی اس ظاہری رنجش اور باطنی خوشی پر ہنسی آتی ہے۔ کیونکہ اس قسم کا نفاق جس کو باعتبار لفظ نفاق اور باعتبار معنی شکر رنجی کہتے ہیں۔ حقیقی اور واقعی نفاق نہیں ہے کیونکہ حقیقی نفاق کے یہ معنی ہیں کہ آدمی کسی سے ظاہر میں خوش ہو اور باطن میں رنجش رکھے۔ بلکہ عاشق کے دل کا بذریعہ نالہ و فریاد اظہار رنجش کرنا خود معشوق کی مراد ہے۔ اسی لیے یہ رنج عین محبت ہے۔ جیسا کہ گذشتہ اشعار سے معلوم ہو چکا ہے کہ اللہ تعالی نالہ و فریاد کو بہت پسند کرتا ہے۔
نفاق سست بمعنی شکر رنجی ظاہری دو رویہ پن جو حقیقی اور واقعی نہ ہو۔

marfat.com

۳۳۱—— راستی کن اے تو فخر راستان
اے تو صدور من درت را آستان

۳۳۲—— آستان و صدر در معنی کجاست
ما و من کو آں طرف کارن یار ماست

۳۳۱۔ ترجمہ: اے فخر راستان راستی عطا کر تو میرا صدر اور میں تیرے در کا آشیاں نشین۔
شرح: فخر راستان سے مراد اللہ تعالیٰ ہے جو اپنے حق میں آپ فرماتا ہے کہ:
وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰہِ قِیْلاً۔ یعنی اللہ سے زیادہ سچ بولنے والا کوئی نہیں۔
اور صدر بمعنی پیشگاہِ خانہ و بالا نشین ہے یعنی اے اللہ تو فخر راستان ہے مجھے سیدھا رستہ دکھا یعنی خوارق اور اظہار کرامات میں مشغول رکھ کر تجلیات و مشاہدات سے محروم نہ رکھ تو صاحب صدر ہے اور میں چوکھٹ پر بیٹھنے والا فقیر ہوں۔ صاحب صدر کو فقیر پر رحم کرنا چاہیئے۔
۳۳۲۔ ترجمہ: صدر اور آستان معنی میں کہاں ہیں۔ جہاں ہمارا دوست ہے وہاں ما و من کہاں۔
شرح: اس سے پہلے شعر میں عاشق نے اللہ تعالیٰ کو صاحب صدر اور اپنے آپ کو آستانہ نشین کہا تھا۔ اس سے یہ شبہ پیدا ہوتا تھا کہ اللہ تعالیٰ کسی جہت میں متمکن ہے۔ حالانکہ وہ جہات سے بالکل پاک ہے نہ خصوصیت کے ساتھ بجانب اعلیٰ ہے نہ بجانب اسفل۔ نہ آگے نہ پیچھے نہ داہنے نہ بائیں نہ صدر نشین ہے نہ آستانہ نشین۔ اس شعر میں اس شبہ کا جواب دیا گیا ہے اور حاصل جواب یہ ہے کہ جہتیں اور دنیا کے ظاہری مرتبے فی الحقیقت لاشے ہیں۔ ذات پاک سے کچھ علاقہ نہیں رکھتے کیونکہ شاہدِ حقیقی کا مقام، مقام احدیت ہے جہاں جہتیں اور مرتبہ اور ما و من یعنی کثرت خود فنا اور ہلاک ہو گئی ہے۔

marfat.com

۲۳۳ — اے رسیدہ جان تو از ما و من
اے لطیفہ روح اندر مرد و زن

۲۳۳۔ ترجمہ :

اے کہ تیری جان ما و من سے چھوٹے ہوئے۔ اے کہ زن و مرد تیری لطیف روح من۔

شرح :

جان سے ذات اور ما و من سے کثرت مراد ہے اور لطیفہ روح کی اضافت مقلوب ہے۔ اس سے مراد جلوۂ خاص با ظہور ہے اور مرد و زن سے اسماء و ممکنات مراد ہیں اور چونکہ اسماء و صفات الٰہی ممکنات میں موثر ہیں اسی لیے انہیں مرد اور ممکنات اسماء صفات الٰہی کا اثر قبول کر لیتے ہیں اس لیے ان کو عورت قرار دیا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جس طرح بیوی میاں کے اثر یعنی نطفہ کو قبول کر لیتی ہے اسی طرح ممکنات اسماء و صفات کے اثر کو قبول کر سکتے ہیں۔ مثلاً ممیتؔ اسم صفت ہے اس کا ظہور جب ممکن ہو گا تو وہ اس کا اثر قبول کر لے گا۔

حاصل مطلب یہ ہے کہ اے اللہؔ تو وہ پاک ذات ہے کہ تیرا ظہور اسماء و صفات اور ممکنات سب میں ہے۔ ممکنات میں اس کا ظہور تو ظاہری ہے لیکن اسماء میں اس لیے ہے کہ اسماء و صفات سب کے سب اسی کی صفتیں ہیں اور سب میں وہ وجہ ہے۔ کیونکہ موصوف کے ظہور کے بغیر صفات قائم نہیں ہوتیں۔

marfat.com

۳۳۴ ــــــ مرد و زن چوں یک شوند آں یک توئی
چونکہ یکہا محو شد آنک توئی

---

۳۳۴ - ترجمہ : مرد و زن جب ایک ہوں تو وہ ایک تو ہے جبکہ یک یک محو ہوگئی تو تُو ہی رہ گیا۔

شرح : یہ شعر پہلے شعر سے لبطور قطعہ بند ہے۔

لفظ یکہا ایک کی جمع ہے بمعنی کثرت اور مرد و زن کے ایک ہوجانے سے ظاہری تشخص کا زائل ہونا مراد ہے کیونکہ جب ظاہری تشخیص محو ہوگیا تو پھر مرد و زن کا اطلاق باقی نہیں رہا اور وہ امتیاز جو ان دونوں کے درمیان تھا جاتا رہا تو ایک صورت پیدا ہوگئی مگر جب وہ ایک بھی ایک ہی میں ایک ایک کر کے محو ہوا تو یہ کثرت جاتی رہی اور وحدت قائم ہوگئی۔ یا یوں کہیے جب تیعنات معدوم ہوگئی تو کثرت جاتی رہی اور جب کثرت فنا ہوگئی تو سوائے وحدت کے اور کچھ نہ رہا۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ جب مشاہدہ کے سبب پردہ کثرت درمیان میں سے اٹھ گیا تو نفس وحدت یعنی ذات حق باقی رہ گئی۔ اور اہل بصیرت پر یہ بھید کھلا کہ ذات واحد اپنی وحدت ذاتی کے ساتھ باقی ہے اس کے علاوہ عالم کثرت محض کثرت تیعنات کا نام ہے

ف : تشخصات و تعینات ایک دوسرے سے امتیاز کے لیے بذریعہ عقل کے ظاہری اسباب میں جو خارج میں موجود نہیں اور روح باعتبار کثرت افراد کے ظاہر میں جدا جدا معلوم ہوتی ہے مگر درحقیقت یہ ایک ہی شے من امر ربی ہے جس کی تفصیل کو شارع نے منع فرمایا ہے۔ پس جب کثرت مشاہدہ اور علم سے اٹھ جاتی ہے تو پھر وہی وحدت باقی رہ جاتی ہے۔ اصطلاح صوفیہ میں اس فنا کو فنائے علمی اور شہودی کہتے ہیں اور یہ مرتبہ سب مرتبوں سے اعلیٰ ہے۔

marfat.com

۳۳۵ — ایں من و ما بہر آں بر ساختی
تا تو با خود نرد خدمت باختی

۳۳۵ - ترجمہ: یہ ما و من تو نے اس واسطے کیے ہیں کہ تو اپنے ساتھ ہی نرد خدمت کھیلے۔

شرح: یہ شعر ایک سوال کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ جب صرف وحدت ہی وحدت ہے تو ممکنات کا پیدا کرنا کسی غرض سے ہے۔ اس کے جواب میں فرمایا کہ ممکنات کا پیدا کرنا گویا اپنی خدمت اپنے آپ کرے یعنی تعینات میں پوشیدہ ہو کر اپنا عابد آپ بنے خود ہی عابد اور خود ہی معبود۔ خود ہی حاکم اور خود ہی محکوم۔ اور انہی معنوں کے مطابق یہ مطلع ہے:

گر بچشم عاشقان بینی جمال خویشتن
ہمچو من آشفتہ باشی در خیال خویشتن

اور اسی معنی پر عارف کا مقولہ: "اَلْعَبْدُ مَنْ وَجَدَ وَ لِکُلِّ مَا وَجَدَ سَجَدَ" اور مَا مِنْ شَیْءٍ اِلَّا وَ قَدْ عَبَدَ کسی عارف کامل کا مقولہ ہے۔ یعنی کامل بندہ وہی ہے جس نے راز وحدت کو پا لیا اور جو چیز مل گئی اسے سجدہ کر لیا۔ با خود نرد باختن اپنے ساتھ اپنے آپ کھیلنا اور با خود نرد خدمت باختن کے معنی اپنی خدمت آپ کرنا۔ اس اعتبار سے بعض شارحین نے یہ مطلب لکھا ہے کہ اپنی خدمت آپ کرنے سے مولانا کی یہ مراد ہے کہ دنیا میں خدمت کا تعلق ایک دوسرے سے لگا ہوا ہے۔ مثلاً آقا کی خدمت غلام تو کرتا ہی ہے مگر غلام کی خدمت آقا بھی ضرور کرتا ہے یعنی اسے کھانا، کپڑا دینا اور اور اس کی حاجت پوری کرتا رہتا ہے اس طرح دونوں برابر ہو جاتے ہیں۔ تمام عالم میں اس قسم کا سلسلہ ایک دوسرے سے ملا ہوا ہے۔ پس من وجہ ہر موجود فقیر اور غنی عابد و معبود ہو سکتا ہے۔ اس

marfat.com

لفظ سے ہمارا مطلب معبود مطلق سے نہیں بلکہ خادم اور مخدوم سے ہے جس کا تعلق دنیا میں ظاہر ہے۔ فقیر تو بہ سبب تعین اور تشخص کے ہے اور غنی بہ سبب ذات و حقیقت۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"اللہ غنی و انتم الفقراء"

ایک اور نقر بر بھی ہے۔ وہ یہ کہ ممکنات کو اس لیے پیدا فرمایا کہ اپنی خدمت خود کرے۔ یعنی تعینات کے لباس میں اپنے جلوے اور اپنی صفات کو چھپا کر منظہر میں ظاہر آئینہ کے عکس کا تماشائی ہوا اور اپنی صفت و حکمت پر اس لیے آپ عاشق ہو کہ باوجود حجاب ظاہری آئینہ ممکنات میں تیرا جلوہ دیکھنے والوں کو صاف نظر آتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ تو منظہرات میں اپنے جلوے کا عکس ڈال کر خود اپنے حسن کا تماشائی ہے اور تجھے اپنے معبود یکتا ہونے کی صفت سے عشق ہے۔ جن و انسان کی پیدائش صرف اسی لیے ہے کہ جہان میں تیری یکتائی اور معبود حقیقی ہونے کا ڈنکا بج جائے۔ یہ تیری قدرت کے کھیل ہیں کہ خود ہی معشوق ہے اور خود ہی اپنے جلوے کا عاشق۔ ہمارے یہ معنی اس مطلع کے مطابق ہیں: ؎

یار من با کمال رعنائی　　　خود تماشا و خود تماشائی

اور اس شعر کے سب سے صاف معنی یہ ہیں کہ ممکنات کا پیدا کرنا اس غرض سے ہے کہ تو اپنے اوپر آپ عاشق ہو یعنی مخلوقات تیرے ذکر اور عبادت کے وسیلہ سے تجھ پر اس طرح عاشق ہو کہ اسے بقا بعد الفنا کا مرتبہ حاصل ہو جائے اور یہ ظاہر ہے کہ ایسے لوگوں کا تجھ پر عاشق ہونا جو مرتبۂ وصال حقیقی تک پہنچ گئے ہیں گویا تیری اپنی ذات پر عاشق ہونا ہے اور ؎

من تو شدم تو من شدی　　　من تن شدم تو جان شدی

کے یہی معنی ہیں۔

marfat.com

۲۳۶ــــــــ تا تو ہاؤ تو یک جوہر شوی
عاقبت محض چناں دلبر شوی

۲۳۶۔ ترجمہ :

تاکہ تو ما تو کے ساتھ مل کر ایک جوہر ہو جائے ۔ آخر کار محض ایسا دلبر ہے ۔

شرح :

دوسرے مصرع میں لفظ محض چناں صفت ہے مقدم اور دلبر موصوف ہے مؤخر اور لفظ محض مضاف ہے باضافت توصیفی ۔ یہ اور آئندہ شعر فائدہ عبادت یا ممکنات کے پیدا کرنے کی حکمت کا بیان کر رہے ہیں ۔ مطلب یہ کہ ظاہری مغایرت جو ممکنات و خالق میں ہے ۔ یہ حقیقی مغایرت نہیں لیکن اس احدیت کے معنی وہی سمجھتا ہے جس کو بصیرت ہو ۔ عبادت الہٰی اور ممکنات کے پیدا کرنے میں یہ حکمت ہے کہ تمام متعینات عالم شہود میں جا کر ایک ذات ہو جائیں اور انجام کار وہی ایک باقی رہے جو دلبر محض ہے ۔

جب میں اور تو کا پردہ درمیان سے اٹھ جاتا ہے اس وقت وہ ایک ہی ذات باقی رہ جاتی ہے جیسے تخلیق سے پہلے تھی ۔

marfat.com

۳۳۷———
تا من و تو ہا ہمہ یکجان شوند
عاقبت مستغرقِ جانان شوند

۳۳۸———
ایں ہمہ ہست و بیا اے امر کن
اے منزہ از بیان و از سخن

۳۳۷۔ ترجمہ : تاکہ میں اور تو سب ایک جان ہوں۔ آخر کار محبوب میں مستغرق ہو جائیں۔

شرح : یہ اسی مضمون سابق کا تتمہ ہے یعنی عبادت یا ممکنات کے پیدا کرنے میں یہ حکمت ہے کہ من و تو انجام کار فنا ہو جائے اور یہ کثرت ایک جان ہو کر مشاہدۂ جاناں میں غرق یعنی فنا فی الذات ہو۔ یعنی عباوات یا ممکنات کے پیدا کرنے میں یہ مصلحت ہے کہ تمام متعینات شہود میں جاکر ایک ذات ہو جاویں اور ذات حق میں اسے مستغرق ہوں کہ سوائے اس کے کچھ نظر نہ آئے۔ گویا ماؤ تو کا پردہ درمیان سے اٹھ کر مرتبہ جمع بعد الفراق حاصل ہو۔ یہ بات اس وقت ہو سکتی ہے جب عاشق شاہدہ جاناں میں فنا ہو جائے۔

۳۳۸۔ ترجمہ : یہ تمام ہست ہے۔ اے حکم کرنے والا آ۔ ایک تو بیان و سخن سے پاک ہے۔

شرح : امر کُن بمعنی امر کنندہ۔ اس سے اللہ تعالیٰ جل شانہٗ مراد ہے۔ یعنی اے فنا و بقا کے حکم کرنے والے آئیے اور یہاں سے پردہ اٹھا کر عاشقوں کو اپنے مشاہدۂ تجلی سے مسرور فرمائیے۔ اس شعر کی تاویلیں باعتبار ترکیب الفاظ کئی طرح ہو سکتی ہیں:

۱۔ یہ کہ کن سے مراد خود کلمۂ کُن ہے۔ اس صورت میں شعر کے یہ معنی ہیں کہ جو کچھ ہم ا
وحدت کے متعلق گذشتہ اشعار میں کہہ چکے ہیں یہ سب صحیح ہے یعنی

marfat.com

کثرت کا فنا ہوجانا فی الواقع ثابت ہے ۔ لیکن اے امر کن اور اے حکم خدا تو آکر ہمارے کام بنا دے اور کام بنانے سے یہ مطلب ہے کہ اے کلمہ کُن تو ممکنات سے متعلق ہو جاتا کہ انہیں وجود حاصل ہو اور موجودات میں حق مشہود ہونے لگے اور یہ اسرار کُھل جائیں کہ ممکنات فنا ہونے والی چیزیں ہیں ۔

۲۔ امر کن کا مضاف محذوف ہے یعنی اے صاحب امر کن ۔ اب معنی یہ ہوگا ۔ وہ اسرار وحدت جو مذکور ہوئے وہ تمام صحیح ہیں اور ان سے عاشق کو ذات یکتا کی بقا اور ممکنات کی فنا کا یقین ہوگیا ہے لیکن اے صاحب امر کن تو خود تشریف لاکر ممکنات کو اپنا جلوہ دکھا دے تاکہ سب فانی ہو جائیں اور علم الیقین حق الیقین سے بدل جائے کیونکہ جلوۂ حق کا خاصہ ہے کہ وہ ممکنات کو فنا کرتا ہے ۔ جیسا کہ کوہ طور کی حالت سے واضح ہوا ہے ۔

۳۔ کُن فارسی لفظ ہے اور صیغۂ امر ہے ، اس صورت میں حرف ندا کے منادی محذوف ہے ۔ اب معنی یہ ہوا کہ مذکورہ بالا اسرار وحدت کے یقینی ہونے میں کوئی شک نہیں لیکن اے شاہد حقیقی تو اپنے جلوۂ خاص کا حکم فرما تاکہ اشیاء فانی ہونے کی وجہ سے سر وحدت آشکارا ہو جائے ۔

ف : پہلی دو صورتوں میں لفظ امر مضاف ہے اور اس صورت میں لفظ کُن چونکہ امر کا صیغہ ہے اسی لیے لفظ امر اس کی طرف مضاف نہ ہوگا ۔

ف : دوسرا مصرعہ محبوب حقیقی کی صفت ہے یعنی تو ایسا ہے کہ تیری تعریف کسی کے بیان اور گفتگو میں نہیں سما سکتی ۔ یا یہ کلمہ کن کی صفت ہے ۔ اب معنی یہ ہوگا کہ اے خدا تو بیان و سخن سے منزہ ہے یعنی تیرا کلام ایسا نہیں جیسے بندوں کا کلام ہوتا ہے یا یہ کہ اے کلمہ کن تو الفاظ انسانی کی جنس ہونے سے پاک ہے کیونکہ تو خدا تعالیٰ کا کلام ہے اور خدا تعالیٰ کا کلام لفظی نہیں بلکہ نفسی ہے ۔ واللہ تعالیٰ اعلم ۔

marfat.com

چشم چشما نہ تواند دیدنت

۳۳۹ ـــــــ

در خیال آرد غم و خندیدنت

۳۳۹۔ ترجمہ : آنکھ والے کی آنکھ تجھ کو دیکھ سکتی ہے (وہ) تیرا غم اور ہنسنا بھی خیال میں لا سکتا ہے ۔

شرح : لفظ چشما کے بہت سے نسخے ہیں کسی میں چشم چشمانہ ہے کسی میں چشم جسمانہ ہے ۔ کسی میں چشم حسی اور چشم جسمی کے آگے نون نفی کا آسکتا ہے مگر چشم چشمانہ میں نفی نذارد ہو جاتی ہے ۔ بعض شارحین نے اس کی تاویل یوں کی ہے کہ یہ بیت سوالیہ ہے ۔ یعنی کیا یہ ممکن ہے کہ جسمانی آنکھ تجھے دیکھ سکے اور تیرے غم و خوشی کو خیال میں لا سکے ۔ مگر اس صورت میں اس کے اوپر اور نیچے کے اشعار کا ربط باقی نہیں رہتا ۔ غرضیکہ اس کے جس قدر نسخے ہیں اسی قدر معنی بھی ہیں لیکن ہماری رائے میں چشمانہ صحیح اور موزوں ہے اور اس کے معنی اہل چشم یا اہل بصیرت کے ہیں ۔ چونکہ اوپر کے شعر میں یہ بیان کر چکے ہیں کہ اے اللہ تعالیٰ تو بیان اور سخن سے پاک ہے یعنی جس طرح کوئی دیکھنے والا جس نے اس چیز کو نہ دیکھا ہو اس کی صورت یا حالت نہیں بیان کر سکتا ۔ اسی طرح تجھ کو نہ دیکھنے والا تیری کیفیت یا حقیقت نہیں کہہ سکتا ۔ پس اس شعر میں کہتے ہیں کہ باطن بین کی آنکھ البتہ تجھ کو دیکھ سکتی ہے اور وہ (باطن بین) تیرے رنج و خوشی کو خیال میں لا سکتا ہے یعنی یہ معلوم کر سکتا ہے کہ یہ بات تیری خوشی کی ہے اور وہ کام تیرے رنج کا ۔ اللہ تعالیٰ کی خوشی اور غصہ کو سمجھنا اولیاء کا کام ہے اور انہیں کی آنکھ جو باطن میں ہوتی ہے اس کے جمال کو بھی دیکھ سکتی ہے ۔

خلاصہ یہ کہ چشم بمعنی نور بصیرت ہے ۔ بعض نسخوں میں جسمانہ ہے جس کا معنی یہ ہوگا کہ

marfat.com

چشم جسمانی تجھے دیکھ سکتی ہے کیونکہ تم جملہ مظاہر میں ظاہر ہو جس پر نظر پڑے گی تیرا جلوہ نظر آئے گا لیکن افسوس کہ دیکھنے والوں کی آنکھ مظاہر سے ظاہر ذات کی طرف نہیں جاتی اور چشم ظاہر بین کو حقیقت خاص نظر نہیں آتی اور دوسرے مصرعہ کا مطلب یہ بھی ہے غم و خندہ تجھے آدمی کے خیال میں لاتا ہے غم کی حالت میں تیری یاد ازالۂ غم کے لیے ہوتی ہے اور خوشی کی حالت میں مسرت کو باقی رکھنے کے لیے لیکن ایسی یاد کسی کام کی نہیں۔ کیونکہ غمی اور خوشی میں اللہ تعالیٰ کو یاد کرنا خود غرضی کی علامت ہے اور خاصان خدا ہر غرض اور لالچ سے پاک ہوتے ہیں۔ حاجی امداد اللہ رحمہ اللہ شارح نور اللہ اور دوسرے شارحین سے نقل کر کے لکھتے ہیں کہ یہاں دونوں مصرعوں میں استفہام انکاری محذوف ہے اور چشمانہ کی بجائے لفظ جسمانہ ہے اور معنی یہ ہے کہ نور چشم ہو یا چشم جسمانی بمقتضائے "لا تدرکہ الابصار" تجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتی یا مجسم حالت میں کوئی آنکھ تیرا نظارہ نہیں کر سکتی کیونکہ تو جسم سے پاک ہے پھر اس حالت میں کیا کوئی آنکھ تجھے دیکھ سکتی ہے؟ ہرگز نہیں دیکھ سکتی اور کوئی شخص تیرے غم و خندہ کو اپنے خیال میں لا سکتا ہے ہرگز نہیں لا سکتا۔

نکتہ: غم و خندہ کی توجیہہ دو طرح ہو سکتی ہے۔ اول یہ کہ تو نے جو اپنے کلام میں کفار کے لیے غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ (کافروں پر خدا کا غصہ ہے) اور مومنوں کے لیے رضی اللہ عنہم (مومنوں سے خدا راضی ہے) فرمایا ہے تیرے اس غم اور خوشی کے حقیقی معنی خیال میں نہیں آ سکتے۔ یہاں غم سے مراد غضب ہے کیونکہ غم اور غضب باہم لازم و ملزوم ہیں۔

توجیہہ دوم یہ ہے کہ تیرا بھیجا ہوا غم و خندہ کوئی شخص اپنے خیال میں نہیں لا سکتا۔ یعنی کسی کو یہ خیال نہیں آتا کہ شادی و غم دونوں خدا کی طرف سے ہیں۔ بلکہ عوام کا خیال یہ ہے کہ غم اپنی بے تدبیری اور شادی اپنی چالاکی سے حاصل ہوتی ہے۔

تیسرے معنی یہ ہیں کہ صرف پہلے مصرعہ میں استفہام انکاری مانا جائے اور دوسرا

(بقیہ بر صفحہ آئندہ)

marfat.com

۳۴۰۔ ——— دِل کہ او بستہ غم و خندیدن است
تو بگوئی لایق ایں دیدن است

صفحہ گذشتہ سے :

مصرعہ اپنی حالت پر رہے یعنی چشم جسمانی گو تجھے نہیں دیکھ سکتی لیکن اے خدا غم و خندہ تجھے کبھی کبھی آدمی کے خیال میں لے آتا ہے اور یہ صفت عشق کامل کی منافی ہے ۔ یہ پچھلے معنی چونکہ آئندہ ابیات سے مربوط ہیں ۔ اسی لیے سب سے اچھے ہیں ۔

۳۴۰۔ ترجمہ : وہ دل جو کہ خوشی اور غم کا پابند ہے ۔ تو کہہ سکتا ہے کہ یہ دیکھنے کے لایق ہے ۔

شرح : اس شعر سے صاف ظاہر ہوگیا کہ گذشتہ شعر کے سب سے پچھلے معنی سب سے بہترین کیونکہ اس شعر کا مطلب یہ ہے کہ جو دل شادی و غمی کی حالت میں خدا سے وابستہ ہو جاتا ہے ۔ وہ مشاہدۂ ذات اور دید کے قابل نہیں ہوتا ۔ ایسے خود غرض کو دربار حضوری سے دھکے ملتے ہیں ۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ کے خاص بندے صرف اسی کی ذات سے غرض رکھتے ہیں اور بس اور اسے بھی یہی مطلوب ہے ۔ چنانچہ کسی نے سالہا حج کیا جب فراغت پاتا تو جواب ملتا تیرا حج قبول نہیں لیکن وہ مایوس نہ ہوا ۔ ایک سال ایسے جواب پر کسی نے اسے ملامت کی کہ تیرا حج قبول نہیں تو پھر بار بار حاضری کے کیا معنی ۔ اس نے کہا تو پھر کہاں جاؤں ۔ اس در کے سوا میرا سہارا کہاں ۔ اللہ تعالیٰ اس کے اس جواب سے بہت خوش ہوا اور فرمایا جا تیرے پچھلے حج بھی قبول

marfat.com

۳۴۱— آنکہ او بستہ غم و خندہ بود
او بدیں دو عاریت زندہ بود

۳۴۲— باغ سبز عشق کو بے منتہاست
جز غم و شادی درو بس میوہاست

۳۴۱۔ ترجمہ: جو رنج اور خوشی کا پابند ہے وہ مانگی چیزوں سے زندہ ہے۔

شرح: یعنی جو شخص دنیوی شادی و غم میں گرفتار ہے وہ گویا مانگے تانگے کی دو چیزیں کے کر اپنی زندگی بسر کر رہا ہے۔ کیونکہ دنیوی شادی و غم مانگی ہوئی دو چیزیں ہیں جو ایک حالت پر قائم نہیں رہتیں۔ آدمی کو کبھی دنیوی غم ہوتا ہے اور کبھی شادی۔ اسی لیے انسان کا فرض ہے کہ ان دونوں سے گذر کر اس شے کا طالب بنے جو ہمیشہ باقی رہنے والی ہے یعنی شاہ حقیقی کا عشق اختیار کرے۔

۳۴۲۔ ترجمہ: عشق کا باغ سبز جو بے پایاں ہے اس میں سوائے شادی و غم کے بہت سے میوے ہیں۔

شرح:

یعنی اے شخص تو عاریت کی چیزوں کو چھوڑ کر باغ عشق حقیقی کی سیر کر جو ہمیشہ باقی رہنے والا اور اپنی فراخی اور تروتازگی میں بے مانند اور اپنی وسعت اور پُر فضا ہونے میں بے انتہا اور اپنی خوبیوں میں بے نظیر ہے اور اس میں سوائے غم و خوشی کے ہزار ہا اقسام کے میوے موجود ہیں۔ اس سے تجلیات حق مراد ہیں۔

marfat.com

۳۴۳ — عاشقی زیں ہر دو حالت برتر ست
بے بہار و بے خزاں و سبز و تر ست

۳۴۳۔ ترجمہ: عاشقی ان ہر دونوں حالتوں سے بہتر ہے جو بہار و خزاں کے بغیر ہی تر و تازہ اور سبز ہے۔

شرح: یعنی چونکہ عشق الٰہی کا باغ ایک معنوی گلزار ہے اس دنیوی بہار و خزاں سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ ہمیشہ سرسبز اور تر و تازہ رہتا ہے اس باغ کا نام سدا بہار ہے۔ اور یہ ہمیشہ ہرا بھرا اور تازہ رہتا ہے لیکن اس کا حصول معمولی بات نہیں بلکہ یہ کسی مرد میدان کا کام ہے۔

حکایت: حضرت شاہ غوث علی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کیا مانگتے ہو۔ ان کی سمجھ میں نہ آیا کہ کیا طلب کروں۔ عرض کیا کہ آٹھ دن کی مہلت ملے تاکہ میں کسی دانا سے مشورہ لوں۔ چنانچہ وہ ایک بزرگ شیخ کی خدمت میں گئے جو اس زمانہ میں مشہور تھے۔ انہیں تمام حال سنایا۔ انہوں نے فرمایا کہ میں اس قابل نہیں۔ ہاں ایک مرد خدا فلاں جگہ میں پڑا ہے اس کی خدمت میں جاؤ۔ دوسرے روز حسب وعدہ سائل وہاں گیا تو شور و غل کی آواز سنی۔ دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ رات کسی نے اس کو قتل کر ڈالا۔ دھڑ ایک جگہ اور سر ایک کوڑے پر پایا۔ حاکم تک مقدمہ گیا۔ وہاں سے حکم ہوا کہ یہ بدمعاش تھا۔ پاؤں میں رسی باندھ کر کشاں کشاں بیرون پھینک دیا جائے تاکہ کوے گتے اس کی لاش کو کھا جائیں یہ بزرگ اس تماشے کو دیکھ کر نہایت حیران ہوئے کہ اس بزرگ کے ساتھ یہ کیا معاملہ ہو رہا ہے اور مجھ سے اس نے غلط وعدہ کیوں کیا تھا۔ آخر سوچا کہ مردوں کا وعدہ خلاف نہیں ہوتا۔ اس سر بے تن سے جا کر سوال کیا؟ آج کا وعدہ تھا اب جواب عنایت:

اس سر سے آواز آئی کہ میاں صاحب تمہارے سوال کا یہی تو جواب ہے جو تم لے

(بقیہ بر صفحہ آئندہ)

marfat.com

دہ زکوٰۃ روئے خوب اے خوبرو
۲۴۴ــــــــ
شرح جان شرحہ شرحہ باز گو

صفحہ گذشتہ سے : تماشہ دیکھا ہمارے اوپر سرکار کی بڑی عنایت اور ہمارے ساتھ نہایت محبت اور بڑا پیار تھا لیکن ساری عمر نہ پیٹ بھر کر کھانا ملا نہ پہننے کو کپڑا نصیب ہوا ہمیشہ لنگوٹی باندھی اور بھاڑ جھونکا ۔ زندگی کی یہ صورت تھی ، موت کی کیفیت تم نے دیکھ ہی لی کہ کیا عمدہ گت ہوئی ، نہ گور ملی نہ کفن میسر ہوا ، عمر بھر کبھی غسل کرنا نصیب نہ ہوا ۔ نماز و روزہ سے ہمیشہ محروم رہے آخر غسل میت اور نماز جنازہ بھی ہاتھ نہ آئی ۔ باقی رہا ایمان اور عاقبت بخیر اس کا بھی پتہ نہ ملا ۔ کوئی حساب کتاب کا فرشتہ آیا نہ کسی نے مردودیت نہ مقبولیت کی خبر دی ؎

رضیت بما قسم اللہ لی ، و فوضت امری لی خالق

لقد احسن اللہ فی ماحفی ، کذا یحسن اللہ ما بقی

الغرض اہل محبت و عشق کے ساتھ تو یہ سلوک ہوتا ہے جو بیان کیا گیا ۔ اگر کچھ مانگنا ہے تو غوثیت و قطبیت مانگ لے ۔ یہ بات بزرگ سن کر دل میں خیال آیا کہ کچھ دینا منظور ہے تو دے دیگا ۔

---

۲۴۴ ۔ ترجمہ : اے خوبصورت اپنے چہرے کی زکوٰۃ دے ، جان پارہ پارہ کی پھر گفتگو کیجئے ۔

شرح : معشوق کو خطاب کر کے عاشق عرض کرتا ہے کہ میرے ساتھ کچھ تو بولیے ۔ کیونکہ میں تیرے در کا فقیر ہوں مجھے زکوٰۃ حسن دے یعنی جلوۂ وحدت دکھا اور میری جان مجروح کا حال بتا کہ کب تک اسے مطلوب حاصل ہوگا ۔ بعض نسخوں میں باز گو کی جگہ باز جو ہے ۔ یعنی میری جان مجروح کا حال پوچھ کہ غم فراق اور اشتیاق وصال میں اس پر کیا گذری کیونکہ فارسی محاورہ باز جستن بمعنی پرسیدن آتا ہے ۔

marfat.com

۳۴۵— کز کرشمہ غمزۂ غمازۂ
بر دلم بنہادہ داغ تازہ

۳۴۶— من حلالش کردم او خونم بریخت
من ہم گفتم حلال او می گریخت

۳۴۵۔ ترجمہ: کہ تو نے غمازانہ ناز وکرشمہ سے میرے دل پہ تازہ داغ رکھا۔

شرح: غمزہ بمعنی اشارہ چشم وکرشمہ ناز۔ یہاں کرشمہ سے مطلق ناز اور غمزہ سے اشارہ مراد ہے۔ غمزہ کی صفت غماز اس لیے ہے کہ یہ حرکت شان محبوبی کو ظاہر کر دیتی ہے۔

مطلب یہ کہ معشوق کی ہر تجلّی نے تجلّی دیگر کے طلب کے لیے میرے دل پہ ایک تازہ داغ عشق محبت کا رکھ دیا ہے اور اس کی ہر تجلّی، تجلّی جدید کی طلب میں مجھے بیقرار رکھتی ہے۔

ف: اس میں اشارہ ہے کہ شاہد ازل کی ادنی تجلّی دل پر داغ رکھ کر عاشق کے اس میل کچیل کو دھو ڈالتی ہے جو بسبب بشریت لائق حال ہو جاتا ہے اور وہ اس لیے تجلّی دیگر کا طالب رہتا ہے تاکہ مزید فنا تک پہنچ جائے۔

۳۴۶۔ ترجمہ: میں نے اپنا خون اسے حلال کر دیا مگر اس نے نہ بھایا۔ میں حلال حلال کہتا رہا وہ بھاگ گیا۔

شرح: عاشق کہتا ہے کہ میں تو تجلیات پے در پے کا طالب بن کر غمزہ محبوب کو اپنا خون معاف کر چکا تھا اور اس سے کہہ چکا تھا کہ تو اپنی متواتر تجلیات مجھے دکھا کر ذبح کر ڈال یعنی فنا کر دے مگر محبوب نے میرا کہنا نہ مانا گو میں بار بار یہی کہتا رہا کہ میرا

(بقیہ بر صفحہ آئندہ)

marfat.com

۳۴۷ — چوں گریزانی زنالۂ خاکسار
غم چہ ریزی بر دل غمناکیان

صفحۂ گذشتہ سے :

خون تجھے ملال ہے مگر اس نے کچھ خیال نہ کیا اور ایک مرتبہ وہ اپنا جمال دلربا دکھا کر چلتا بنا اور مجھے تجلّی دیگر کے لیے نیم بسمل اور پھڑکتا ہوا چھوڑ گیا۔

ف : یہاں سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ شاہدِ حقیقی عاشق صادق کو ایک بار اپنا جلوہ دکھا کر دوسرے جلوہ کا مشتاق بنا لیتا ہے تاکہ سالک اپنی محنت اور ریاضت سے پھر دوبارہ اس کے دیکھنے کا متمنی رہے۔ ویسے وہ خود بار بار نقاب الٹ دینے کو پسند بھی نہیں کرتا۔

۳۴۷۔ ترجمہ : تو خاک میں ملے ہوؤں کے نالہ سے کیوں بھاگتا ہے۔ غمناک لوگوں کے دلوں پر غم کی بارش کیوں کرتا ہے۔

شرح : یعنی جب معشوق مجھ سے اپنا دامن چھڑا کر بھاگا تو میں نے یہ کہا کہ تو خاکساروں کے نالوں سے کیوں بھاگتا ہے۔ ان کی فریاد و زاری کیوں نہیں سنتا۔ یہ تیرے جلووں کے لیے بیتاب اور نالہ کناں رہتے ہیں۔ غمزدوں کو زیادہ غمناک نہ کر۔ تیرا جلوہ تیری مدد اور توفیق کے بغیر میسّر نہیں ہو سکتا۔ تو ایسا زبردست معبود ہے کہ حصول تجلّی تو درکنار جب تک تیرا ظہور نہ ہو ممکنات تیری عبادت اور تسبیح نہیں کر سکتے۔

marfat.com

۳۴۸ـــــ اے کہ ہر صبحے کہ از مشرق بتافت
ہمچو چشمہ مشرقت در جوش یافت

۳۴۸۔ ترجمہ :
اے کہ ہر صبح جو مشرق سے نکلتی ہے مثل تیرے چشمہ مشرق کے جوش میں پائی جاتی ہے۔

شرح :
یعنی تو وہ ذات سراپا نور ہے کہ ہر صبح جو مشرق سے نکلتی ہے وہ تجھ کو مانند چشمۂ مشرق یعنی مطلع آفتاب کی طرح سراپا جوش یعنی نُوْرٌ عَلٰی نُوْر اور صاحب جمال و جلال پاتی ہے اور تیرے ہی نور سے فیضان حاصل کرتی ہے۔ آفتاب تیرے نور کا ایک ذرہ اور صبح اس ذرہ کا ایک پرتو ہے۔

مطلب یہ کہ تیرا جود و احسان اور ظہور فی المثل ایسا ہے جیسا آفتاب یا یہ تشبیہہ فقط سمجھانے کے لیے ہے ورنہ نور ذات کجا و آفتاب کجا۔

ف :
یاد رہے کہ یہ نور عاشق صادق کو بعد تصفیہ قلب تدریجاً حاصل ہوتا ہے پھر جس وقت کامل طور اسے محسوس ہونے لگتا ہے تو اس پر تجلیات رنگارنگ نازل ہوتی ہیں اور اس کی اضطرابی و بیقراری دم بہ دم ترقی کرتی رہتی ہے۔ ایسے حال عاشق گفتہ و ناگفتہ کہنے لگتا ہے۔ جیسا کہ مولانا نے اگلے شعر میں فرمایا :

marfat.com

۳۴۹ ——— چہ بہانہ می دہی شیدات را
اے بہا۔ نہ شکّر لبہات را

۳۵۰ ——— ایں جہاں کہنہ را تو جان نو
از تنِ بیجان و دل افغان شنو

۳۴۹۔ ترجمہ : تو اپنے شیدائی سے کس لیے بہانہ بناتا ہے تیرے لبوں کی شکر بیش بہا ہیں ۔

شرح : پہلے مصرعہ میں بہانہ بمعنی حیلہ ہے اور دوسرے میں ۔ بہا بمعنی قیمت ہے اور نہ بمعنی نیست ہے اور شکر لبہا سے مجازاً لب کا بوسہ لیکن یہاں (لبوں کی مٹھاس) سے آثار تجلیات اور انفاس رحمانی اور کلام نفسی مراد ہے ۔ یعنی اے شاہد حقیقی تیرے آثار تجلیات بے بہا ہیں ان میں سے فقیر کو بھی کچھ زکوٰۃ ملے ۔ اپنے شیدا کو محروم نہ رکھ ۔ مطلب یہ کہ تو حجاب تعینات میں جلوہ گر ہے ۔ اس پردہ کو اٹھا کر اپنا خاص جلوہ دکھا دے ۔

۳۵۰۔ ترجمہ : اے کہ تو کہنہ جان کی جان ہے ۔ تن بے جان و بے دل کی فریاد سن ۔

شرح : جان نو سے وہی جدید تجلّی مراد ہے جس کا ذکر بار بار آچکا ہے اور تن بیجان سے مراد عاشق ہے ۔ یعنی اے محبوب تو اس کہنہ جان کے لیے جدید تجلّیوں کی وجہ سے ہر وقت نئی جان کی طرح ہے ۔ اگر تیرے جلوے نئے رنگ سے ظاہر نہ ہوتے رہتے تو تمام عالم فنا ہو جائے ۔ تیرے جلوے سے جہان میں جان پڑی ہوئی ہے ۔ طالبان دیدار بلا مشاہدۂ تجلّی تنِ بیجان ہیں تو ان کی فریاد سن لو اپنا جلوہ دکھا دے ۔

marfat.com

۳۵۱ — شرحِ گل بگذار از بہر خدا
شرحِ بلبل گو کہ شد از گل جدا

۳۵۲ — از غم و شادی نباشد جوشِ ما
با خیال و وہم نبود ہوشِ ما

۳۵۱۔ ترجمہ: خدارا گل کا حال بیان ترک کر کے بلبل کے حال کا تذکرہ کیجئے کہ وہ گل سے جدا ہوئی ہے۔
شرح: اے فلاں گل یعنی معشوق کا حال چھوڑ کر اب عاشق کا حال سنائیے کہ اسے معشوق سے کیا حاصل ہوا اور اس نے اس پر کس قسم کے الطاف کیے۔

۳۵۲۔ ترجمہ:
ہمارا جوش غم و شادی سے نہیں ہوتا۔ نہ ہم کو وہم و خیال کا ہوش ہوتا ہے۔
شرح:
یعنی نہ ہماری حرکات شوقیہ ہیں اور نہ ہمارا جوش دنیوی رنج کی بدولت ہے بلکہ یہ جو کچھ جوش ہے وہ سب عشق الٰہی کے باعث ہے اور ہماری عقل دنیوی حالات و توہمات سے تعلق نہیں رکھتی اور صرف محبت الٰہی سے مربوط ہے۔

marfat.com

۳۵۳ — حالت دیگر بود کان نا درست
تو مشو منکر کہ حق بس قادرست

۳۵۴ — تو قیاس از حالت اِنسان مکن
منزل اندر جور و در احسان مکن

۳۵۳۔ ترجمہ: وہ حالت دیگر ہوتی ہے جو کہ عجیب حالت ہے۔ تو منکر نہ ہو اللہ تعالیٰ بڑا قادر ہے۔

شرح: یعنی عاشقان الٰہی کو تو اہل دنیا کی طرح نہ سمجھ۔ ان کا حال نہایت عجیب و غریب ہے اللہ تعالیٰ نے ان کو اعلیٰ مراتب عطا فرمائے ہیں جو عام انسانوں کو نہیں دیئے۔

خلاصہ یہ کہ عاشقان الٰہی کی خاصیتیں اہل دنیا سے جدا ہیں اور یہ سب اس کی قدرت کا اظہار ہے کیونکہ وہ بڑی قدرت والا اور قادر مطلق ہے۔ پس اے مخاطب تو اس کی قدرت کا منکر نہ ہو۔ اس نے اپنے عاشقوں کا جوش اپنی محبت سے متعلق کر رکھا ہے۔ جب کہ اہل دنیا کا جوش دنیا کی محبت سے ہے۔

۳۵۴۔ ترجمہ: تو انسان کی حالت سے قیاس نہ کر۔ ظلم و احسان کو خیال کی منزل نہ بنا۔

شرح: یعنی اے مخاطب تو عاشقان الٰہی کی حالت کو عام انسانوں کی حالت پر قیاس نہ کر کیونکہ عام آدمیوں کا یہ قاعدہ ہے کہ وہ خوشی سے شاد اور غم سے رنجیدہ ہوتے ہیں۔ بخلاف اس کے عاشقان صادق شادی و غم کو یکساں خیال کرتے ہیں نہ ان پر شادی کا اثر ہوتا ہے نہ غم کا۔

دوسرے مصرعہ کا یہ مطلب ہے کہ جس طرح دنیاوی لوگ اپنے معشوق سے بے دل اور بیزار ہو جاتے ہیں۔ اگر وہ بے پرواہی کرتے یعنی ظلم سے دشمن اور احسان سے مہربان ہو جاتے ہیں۔ مگر عاشقان کامل رنج یا تکلیف میں محبوب حقیقی سے غافل نہیں ہوتے پس تو ظلم و احسان کے مقام میں اپنا گھر نہ بنا یعنی دنیاوی لوگوں کی طرح ظلم و احسان پر بھروسہ نہ کر بلکہ عشق حقیقی کا دلدادہ رہ۔

marfat.com

۳۵۵—— جور و احسان رنج و شادی حادث ست
حادثان میرند و حق شان وارث ست

۳۵۵- ترجمہ: ظلم و احسان شادی و غم حادث ہیں۔ حادث چیزیں مرنے والی ہیں اور حق ان کا وارث۔

شرح: حادث بمعنی جدید۔ یعنی ظلم و احسان رنج و خوشی یہ سب کے سب حادث ہیں۔ کیونکہ یہ چیزیں تغیرات عالم کے سبب پیدا ہوتی ہیں اور عالم اپنے تغیر کے سبب خود حادث ہے۔ اس لیے جو چیزیں اس کے اثر سے پیدا ہوتی ہیں بدرجہ اولیٰ حادث ہوں گے۔ روحانیات گو اس عالم کے تغیر سے محفوظ ہیں مگر ایک عالم میں یہ بھی تغیر سے خالی نہ رہیں گے۔ جو لوگ روح کو قدیم مانتے ہیں وہ سخت غلطی پر ہیں۔ اس کے متعلق کتابیں کی کتابیں تصنیف ہو چکی ہیں۔ ہم یہاں بخوف طوالت اس بحث کو چھوڑ دیتے ہیں اور مطلب یہ ہے کہ سوائے ذات احدیت کے اور ہر شے حادث اور تمام چیزیں جدید یعنی نئی پیدا ہوئی ہیں اور نئی پیدا ہونے والی چیز فانی ہوا کرتی ہے تا ابد ہرگز قائم نہیں ہو سکتی۔ اور چونکہ تمام اشیاء حقیقت میں خدا کی ملک ہیں اس لیے فنا ہو جانے کے بعد ہر شے کا وارث اور مالک وہی ہے۔ آدمیوں کی وراثت جو زندگی تک رہتی ہے مجازی اور غیر واقعی ہے اس کا اعتبار نہیں۔ اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے:

اِنَّا نَحْنُ یحیی و نمیت وَنَحْنُ الوارثون

یعنی اس میں شک نہیں کہ ہم ہی زندہ رکھتے ہیں اور ہم ہی مارتے ہیں اور ہم ہی سب کے وارث ہیں کیونکہ ہماری بقا دائمی ہے۔

مطلب شعر یہ ہے کہ اے شخص رنج میں اپنے دل کو رنج سے اور شادی میں

marfat.com

۲۵۶___ صبح شد اے صبح را پشت و پناہ
عذر مخدومی حسام الدین بخواہ

صفحۂ گذشتہ سے: مسرت سے متعلق نہ رکھا کر۔ ان دونوں باتوں کو چھوڑ دے۔ کیونکہ ماسوی اللہ سب چیزیں حادث اور فانی ہیں اور دل لگانے کے قابل وہی ایک ذات ہے جو اپنی تمام خوبیوں کے ساتھ ہمیشہ قائم رہے گا۔ فنا ہونے والی چیزوں سے دل بستگی انجام کار پریشانی اور تضیع اوقات پر پشیمانی کا باعث ہوتی ہے۔

۲۵۶۔ ترجمہ: اے صبح کے پشت و پناہ صبح ہو گئی۔ میرے مخدوم حسام الدین سے معذرت کر۔

شرح: حضرت مولانا رات کو مثنوی تالیف فرماتے اور مولانا حسام الدین رحمہ اللہ تعالیٰ مسودہ لکھتے جاتے اور مولانا قدس سرہٗ کو مثنوی کی تالیف کی تکمیل کا تقاضا کرتے رہتے تھے لیکن آج ایسا ہوا کہ ذکر و فکر و استغراق سے مثنوی کے لکھوانے کا موقع نہ ملا۔ یہاں تک کہ صبح ہو گئی۔ اس سے مولانا حسام الدین کا ملول ہونا لازمی تھا کہ وہ انتظار میں رہے اور رات بیداری میں گذاری جس سے ان پر تکلیف اور پریشانی لازمی امر تھا۔ اسی لیے مولانا قدس سرہٗ نے اللہ تعالیٰ سے عرض کی کہ یا اللہ تیرے ذکر و فکر اور استغراق میں صبح ہو گئی اور باوجود حسام الدین کے تقاضائے شدید کے مثنوی نظم کرنے کا موقع نہ ملا تو حسام الدین کے دل میں میری طرف سے عذر کا القا فرما کہ وہ بباعث استغراق مثنوی تالیف نہ کرنے کی کوتاہی کو معاف کر دیں۔

سوال: مولانا حسام الدین رحمہ اللہ تعالیٰ تو مولانا قدس سرہٗ کے مرید تھے تو پھر انہیں مخدوم اور عقل کل کہنے اور پھر ان سے معذرت کرنے کا کیا معنی؟

جواب: یہ مولانا قدس سرہٗ کی کسر نفسی ہے اور اشارہ فرمایا کہ مرشد کو ایسے جانباز مرید کی تعظیم کرنا چاہیئے۔

marfat.com

۳۵۷ ــــــ عذر خواہ عقل کل و جان توئی
جان جاناں و تابش مرجان توئی

۳۵۷۔ ترجمہ : عقل کل اور جان کا عذر خواہ تو ہی ہے۔ جان کی جان اور مرجان کی تابش تو ہی ہے۔

شرح : غیاث اللغات میں ہے کہ عقل بالفتح بمعنی خرد۔ دانش اور وہ ایک قوت ہے جس سے انسان کو دقایق اشیاء کی تمیز حاصل ہوتی ہے اسے نفس ناطقہ بھی کہا جاتا ہے۔ دراصل یہ مصدر ہے بمعنی پاؤں باندھنا۔ چونکہ عقل افعال ذمیمہ کے ارتکاب سے آدمی کو روکتا ہے۔ اسی لیے اسی لیے اس نام سے موسوم ہوا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جو لوگ برائیوں اور گناہوں کا ارتکاب کرتے ہیں وہ عقل نہیں رکھتے یا نفس امارہ ان کی عقل پر غالب آجاتا ہے۔ حکماء کے نزدیک دس فرشتے ہیں جنہیں عقول اولیٰ کہا جاتا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے انہیں سب سے پہلے پیدا فرمایا۔ ان میں سے ایک فرشتہ کو عقل کہا گیا۔ بعض کے نزدیک جبرائیل علیہ السلام عقل اول ہیں۔ اہل حق کے نزدیک عقل اوّل نور محمدی ہے اور عقل کل عرش اعظم اور جبرائیل علیہ السلام اور نور محمدی ہے۔ حاجی امداد اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ عقل کل کنایت از حقیقت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم اور جان کنایت از روح ثانی او یعنی اولیائے کرام اور روح روح و تابش مرجان سے قلب محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مراد ہے۔

فایدہ ہ مولانا حسام الدین علیہ الرحمۃ کو ان کے ملکی صفات ہونے کے سبب عقل کل کہا گیا اور مطلب شعر یہ ہے کہ اے اللہ میری عقل کل اور میری جان (مولانا حسام الدین) کے دل میں میری طرف سے عذر کا الہام کرنے والا تو ہی ہے۔ ... حسام الدین کو مثنوی میں کئی جگہ لفظ جان سے یاد کیا گیا ہے اور دیبا... بھی ا... ہے کہ

اَنْتَ مِنِّی بِمَنْزِلَةِ رُوْحِیْ — اے حسام الدین تو میری روح ہے

(بقیہ ص...)

marfat.com

۳۵۸ — تافت نور صبح ما از نور تو
در صبوحی با مے منصور تو

صفحہ گذشتہ: اور دوسرے مصرعے کا مطلب یہ ہے کہ اے اللہ تو میری روح کی روح یعنی حسام الدین کی جان اور اس کا محبوب اور اس کے قلب کا نور ہے۔ مرجان سے مراد دل ہے جو رنگت اور صنوبری شکل کے لحاظ سے مرجان کے ساتھ تشبیہہ تام رکھتا ہے۔

۳۵۸۔ ترجمہ: ہماری صبح کا نور تیرے نور سے منعکس ہوا۔ صبوحی میں تیری منصور شراب کے ساتھ۔

شرح: حاجی امداد اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ حسام الدین رحمہ اللہ تعالیٰ کو خطاب ہے معنی یہ ہے کہ کشف اسرار کا نور چمکا اور ہم مئے منصوری کے ساتھ شراب حوری میں مشغول ہیں اور مے منصوری سے وہ جذبۂ محبت مراد ہے جو اسرار توحیدی کے کشف کا موجب بنا جس سے منصور انا الحق بولنے لگے۔ دوسرے شراح نے کہا کہ: صبوحی۔ صبح کے وقت شراب پینا اور مے منصور سے یا تو شراب وحدت مراد ہے یا لفظ منصور مے کی صفت ہے۔ اور دوسرا مصرعہ پہلے مصرعہ کے مضمون سے حال واقع ہوا ہے اور یہ پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ صبح اور آفتاب وغیرہ کی روشنی نور خداوندی کا ادنیٰ پرتو ہے۔ قرآن مجید میں موجود ہے:

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ — یعنی خدا آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔

ہر دو عالم میں اسی کے جلوے کی روشنی ہے اور مطلب شعر یہ ہے کہ اے اللہ تیرے ہی نور کے طفیل سے ہماری صبح نے نور حاصل کیا ہے اور چونکہ جلوۂ صبح تیرے جلوے کا عکس اور اس کی حالت کی خبر دیتا ہے۔ اسی لیے ہم صبح کے وقت شراب، وحدت سے سرمست ہو جاتے ہیں یا ایسی شراب پیتے ہیں جس سے منزل عرفان طے کرنے کی

(بقیہ بر صفحہ آئندہ)

marfat.com

بابت ہمیں غیبی مدد ملتی ہے۔

ف: چونکہ صبح کا وقت نہایت جلال اور نور کا وقت ہے۔ اس لیے عاشقانِ الٰہی کو بہ نسبت دیگر اوقات کے اس وقت زیادہ جوش ہوتا ہے۔ مولانا قدس سرہٗ نے صبوحی کی قید اسی لحاظ سے لگائی ہے۔ دوسرے معنی یہ ہیں کہ مصرعِ ثانی لفظ نورِ صبح سے حال واقع ہوا ہے اس صورت میں یہ معنی ہیں کہ اے خدا ہماری صبح کا نور ایسی حالت میں چمکا ہے کہ تیرے فیضانِ انوار کی صبوحی پیئے ہوئے تھا اور تیرے خدائے برحق اور معبودِ یکتا ہونے کا اقرار کر رہا تھا کیونکہ روشنی کا اندھیرے اور اندھیرے کا روشنی میں داخل کر دینا تیری وحدانیت کی دلیل ہے۔ اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے:

تُوْلِجُ الَّیْلَ فِی النَّھَارِ وَ تُوْلِجُ النَّھَارَ فِی الَّیْلِ — یعنی اے خدا تو رات کو دن میں اور دن کو رات کو داخل کر دیتا ہے۔

گویا نورِ صبح نے مئے منصوری یعنی شرابِ اظہارِ سرِّ وحدت پی رکھی ہے اور یہ بالکل سچ ہے کہ ہر شے اس کی توحید کا اقرار اور سرِّ وحدت کا اظہار کر رہی ہے لیکن بے زبان چیزوں کی زبانِ حال کا مضمون ہر شخص نہیں سمجھتا۔ ؎

برگِ درختانِ سبز در نظرِ ہوشیار
ہر ورقے دفتریست معرفتِ کردگار

سوال: مولانا قدس سرہٗ کا حسام الدین رحمہ اللہ تعالیٰ کی معذرت خواہی کے لیے اللہ تعالیٰ کو کہنا بے ادبی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کو کسی کو سفارشی بنانا اس کی شان کے خلاف ہے۔

جواب: یہ بے ادبی نہیں بلکہ خاصانِ خدا کا علوشان ہے کہ وہ اپنے ہر کام کا فاعل اللہ تعالیٰ کو جانتے ہیں اور اسی سے ہی ذرا ذرا بات پر ملتجی ہوتے ہیں۔ اسی معنی پر مولانا حسام الدین سے اپنی عذر خواہی کے لیے خدا تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا کوئی بے ادبی و گستاخی نہیں کیونکہ یہ ایک قسم کی التجا ہے اور محبوبِ حقیقی سے قرب کی بیّن دلیل ہے۔

marfat.com

۳۵۹ ــــــــــ داده حق چوں چنیں دار و مرا
باده که بود تا ترا آرد مرا

۳۶۰ ــــــــــ باده در جوشش گدائے جوشِ ماست
چرخ در گردش گدائے ہوشِ ماست

۳۵۹۔ ترجمہ: جب کہ عطائے حق مجھ کو ایسا مست رکھتی ہے۔ شراب کیا چیز ہے جو مجھے خوشی دے۔

شرح: دادہ حق سے شراب فضل واحسان مراد ہے اور مصرعِ ثانی میں بادہ کا اشارہ اسی شراب ظاہری کی جانب ہے اور مطلب یہ کہ جب مجھ پر علم معرفت حاصل کرنے سے اللہ تعالیٰ کی عنایتیں مبذول ہو رہی ہیں اور ہر صبح کو شراب صبوحی جس سے وہ ہی شراب محبت مراد ہے مجھ کو مست بناتی ہے تو یہ ظاہری شراب جو تمام ناپاکیوں کی جڑ ہے کیا خاک مسرور کرے گی۔ کیونکہ اس کا انجام خمار ہے اور اس کی کیفیت کا اختتام وصال حقیقی ہے جو اہل اللہ کا اصلی مقصد ہے۔ آئندہ دونوں شعروں میں شراب حقیقی و دنیوی کی کیفیت کا اختلاف اور دونوں کے سرور کا فرق بیان فرمایا ہے۔

۳۶۰۔ ترجمہ: شراب اپنے جوش میں ہمارے جوش کی فقیر ہے۔ آسمان گردش میں ہمارے ہوش کا محتاج۔

شرح: یہ شعر حصہ اوّل میں گذر چکا ہے۔ وہاں ہم نے تفصیل عرض کی ہے۔ یہاں مضمون کے مطابق ایک تقریر لکھی جاتی ہے۔ وہ یہ کہ شراب ظاہری اپنی کیفیت اور جوش میں ہمارے جوش کی گدا یعنی اس سے کم درجہ ہے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ شراب عشق کا جوش اس ظاہری جوش سے بڑھا ہوا ہے۔ کیونکہ ظاہری شراب میں سلمان شقاوت ہے اور باطنی موجب

(بقیہ برصفحہ آئندہ)

marfat.com

۳۶۱ —— بادہ از ماست شد نے ما ازو
عالم از ماہست شد نے ما ازو

صفحہ گذشتہ سے :
سعادت اور آسمان باوجودیکہ اپنی گردش میں حکم خالق کی مخالفت نہیں کر سکتا۔ لیکن بایں ہمہ عظمتُ شان وہ اپنی گردش میں ہماری گردش عقل کا (جو نشہ شراب عشق حقیقی کے باعث ہے) گدا یا فقیر ہے یعنی اس کی بہ نسبت نہایت پست حالت میں ہے۔ کیونکہ آسمان کی گردش سعادت و نحوست دونوں پر مبنی ہے اور عشاق کی گردش عقل صرف سعادت پر۔ ان دونوں میں جو کچھ فرق ہے وہ آفتاب سے زیادہ روشن ہے۔

۳۶۱۔ ترجمہ : شراب ہم سے مست ہوئی نہ ہم اس سے۔ عالم ہم سے پیدا ہوا ہے نہ ہم اس سے۔

شرح : شراب ظاہری میں جو نشہ ہے اور وہ اپنی کیفیت میں آپ مست ہے۔ یہ اسی شرابِ عشق حقیقی کی بدولت ہے جو ہم نے پی رکھی ہے۔ مطلب یہ کہ شراب عشق حقیقی نہایت تیز و تند ہے۔ دوسرے مصرعہ میں لفظ ما سے روح مراد ہے۔ کیونکہ اولیاء اللہ جیتے جی جسم خاکی کو فنا کر کے محض روح ہی روح رہ جاتے ہیں اور یہ بھی خیال رہے کہ مصرعہ ثانی پہلے کی تمثیل ہے یعنی جس طرح عالم روح کے سبب ہست ہوا ہے۔ روح عالم کے سبب ہست نہیں ہوئی۔ اسی طرح ظاہری شراب کا نشہ بادۂ عشق حقیقی کی بدولت ہے اور معنوی شراب کا نشہ ظاہری شراب کی بدولت نہیں ہے۔ یہاں ہم ایک مصرعہ کی تضمین کرتے ہیں۔ ؎

شراب عشق کجا و مۓ خراب کجا
بہ بیں تفاوت رہ از کجاست تا بہ کجا

marfat.com

۳۶۲۔ ما چو زنبوریم و قالبہا چو موم
خانہ خانہ کردہ قالب را چو موم

۳۶۲۔ ترجمہ :

ہم زنبور جیسے ہیں اور قالب موم کی طرح ہے۔ موم کی طرح قالب کو خانہ خانہ کر دیا ہے۔

شرح :

زنبور شہد کی مکھی اور موم سے مراد انہی مکھیوں کا چھتہ ہے اور ماں سے مراد وہی روح ہے جس کا ذکر ابھی ہو چکا ہے۔ مطلب یہ کہ عاشقان الٰہی کی روحیں مگس شہد کے مانند اور ان کے جسم چھتے کی مانند ہیں۔ روح نے قالب کو سوراخ سوراخ کر دیا ہے اور ان تمام سوراخوں میں معرفت الٰہی کا شہد بھر دیا ہے۔

خلاصہ یہ کہ عاشقان الٰہی وصال کی امید میں ریاضت و محنت کے ہزاروں زخم کھا کھا کر اپنے اجسام کو فنا کر دیتے ہیں اور ان کے ہر رگ و ریشہ میں عشق حقیقی کی حلاوت پر ہو جاتی ہے۔ دوسرے معنی یہ ہیں کہ عاشقان الٰہی اپنے اجسام کے حق میں زنبور ہیں اور ان کے اجسام ان کے لیے موم بنے ہوئے ہیں یعنی جس طرح موم اچھے برے نقش کو آسانی سے قبول کر لیتا ہے۔ اسی طرح عاشقان الٰہی ہر قسم کی تکلیف کو رضا مندی سے قبول کر لیتے ہیں۔ ان کا بدن ان کی خوشی سے طرح طرح کی تکلیفوں کے خونریز تیروں کا چھتہ بنا ہوا ہے۔

marfat.com

۳۶۲ — بس دراز ست ایں حدیث خواجہ گو
تا چہ شد احوال آں مردِ نکو

---

۳۶۲ ۔ ترجمہ : یہ بیان دراز خواجہ تاجر کی حکایت کہیئے کہ اس نیک مرد کا کیا حال ہوا ۔

شرح : یعنی عاشقان الٰہی اور معشوق حقیقی کا حال کوئی کہاں تک بیان کرے ۔ زبانِ قلم اور قلم زبان دونوں اس سے عاجز ہیں ۔ اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے :

قُلْ لَوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِكَلِمَاتِ رَبِّي لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ أَنْ تَنْفَدَ كَلِمَاتُ رَبِّي وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهِ مَدَدًا ۔	یعنی اگر میرے رب کی باتیں لکھنے کے لیے سمندر سیاہی بن جائے تو بالضرور سارا سمندر صرف ہو جائے اور میرے رب کی باتیں تمام نہ ہوں ۔ اگرچہ اس سمندر کی مدد کے لیے ویسا ہی ایک سمندر اور لایا جائے ۔

مطلب یہ کہ اس کی قدرت کا بیان احاطۂ تحریر سے باہر ہے ۔ کسی کے خیال میں نہیں آسکتا ۔ اسی طرح ہر شے سے اسرار وحدت کا اظہار ہوتا ہے لیکن اس کا بیان کرنا یا لکھ دینا حدِ امکان بشری سے خارج ہے ۔ اسی لیے ہم اس بیان کو چھوڑ کر پھر سوداگر اور طوطی کے قصہ کی طرف رجوع کرتے ہیں کیونکہ ابھی وہ قصہ ناتمام ہے اور اس کا نہایت ضروری حصہ یعنی نتیجۂ قصہ ابھی بیان نہیں ہوا ۔

marfat.com

رجوع بحکایت خواجہ تاجر

۳۶۴ — خواجہ اندر آتش و درد و حنیں
صد پراگندہ ہمی گفت ایں چنیں

۳۶۵ — گہہ تناقص گاہ ناز و گہہ نیاز
گاہ سودائے حقیقت گہہ مجاز

خواجہ تاجر اور طوطی کی طرف رجوع کرنا۔

۳۶۴۔ ترجمہ: سوداگر ایسے درد کی جلن میں اسی طرح کی سینکڑوں پراگندہ باتیں کرتا تھا۔

حل لغات: حنیں گریہ و نالہ

۳۶۵۔ ترجمہ: کبھی ناز گاہ نیاز میں تناقص کرتا تھا، کبھی حقیقت کا سودا تھا کبھی مجاز کا۔

حل لغات: گہ تناقص ایں چنیں کے متعلق ہے اور گاہ ناز و گہ ناز الخ کی تفسیر ہے۔

شرح: صد پراگندہ ہمی گفت ایں چنیں کا اشارہ تاجر کے گذشتہ نوحہ کی طرف ہے۔ جو اس نے طوطی کے غم میں کیا ہے: تناقص کا لفظ ناز و نیاز کی نقیض کے واسطے سمجھنا چاہیئے یعنی تاجر کے درد و غم کا مضمون باہم متناقص تھا کبھی تو طوطی کے مرجانے کا رنج کرتا تھا اور کبھی رنج کے خلاف خوش ہونا یعنی اسبات پر ناز کرتا کہ میں نے طوطی کے مجازی عشق سے نجات پائی اور بارگاہِ الٰہی میں بعض دنیاز ملتجی ہوتا کہ طوطی پھر زندہ ہوجائے۔

خلاصہ یہ کہ کبھی اس پر عشق مجازی کا جن سوار ہوتا تھا اور کبھی حقیقی کا۔

marfat.com

مرد غرقہ گشتہ جانی می کند
۳۶۶ —— دست را در ہر گیاہے می زند

تا کدامین دست گیرد در خطر
۳۶۷ —— دست و پائے می زند از بیم سر

۳۶۶۔ ترجمہ:
ڈوبتا ہوا شخص کوشش کرتا ہے ہاتھ کو ہر گھاس پر ڈالا کرتا ہے۔

۳۶۷۔ ترجمہ:
تاکہ خطرے کے وقت اس کا کون ہاتھ پکڑتا ہے وہ سر پہ پانی چڑھنے کے خطرے سے ہاتھ پاؤں مارتا ہے۔

شرح:
جان کندن بمعنی کوشش جان توڑ کرنا اور یہ لفظ حالت نزع کے لیے بھی آتا ہے۔ یہاں یہ مطلب ہے کہ ڈوبتا ہوا شخص گھاس کے تنکے کا سہارا ڈھونڈتا ہے اور اپنی جان بچانے کی کوشش کرتا ہے۔ گویا یہی کیفیت تاجر کی تھی کہ وہ تنکے کا سہارا ڈھونڈتا تھا۔

بیم سر بمعنی خوف جان۔ یہاں تاجر کی پریشانی اور پراگندگی کی تمثیل ہے۔

marfat.com

۳۶۔ دوست وارد دوست ایں آشفتگی
کوشش بیہودہ بہ از خفتگی

۳۶۸۔ ترجمہ :

دوست اس آشفتگی کو پسند کرتا ہے۔ غفلت سے کوشش بے فائدہ اچھی۔

شرح :

یعنی اللہ تعالیٰ جو محبوب حقیقی ہے اضطراب عاشق کو دوست رکھتا ہے۔ کیونکہ غفلت اور بیکاری سے کسی کام میں مشغول رہنا اچھا۔ خواہ وہ کام بیہودہ اور بیفائدہ ہی کیوں نہ ہو۔ حدیث شریف ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک شخص کے پاس سے گذرے اور آپ نے اس پر کچھ توجہ نہ کی۔ جب واپس تشریف لائے تو قدرے متوجہ ہوئے۔ صحابہ نے سبب پوچھا : آپ نے فرمایا کہ پہلی حالت میں چونکہ وہ بیکار تھا اس لیے شیطان اس کا مصاحب بن گیا تھا۔ اور دوسری حالت میں چونکہ وہ زمین پر لکیریں کھینچ رہا تھا اس لیے شیطان اس کی مصاحبت سے جدا ہو گیا تھا۔ اس لیے یہ مثل مشہور ہو گئی ہے کہ بیکار سے بیگار بھلی۔

حکایت :

ایک بزرگ ہر وقت کام میں لگے رہتے اور نہیں تو ہاتھوں میں کنکریاں لے کر ادھر ادھر ڈالتے رہتے۔ کسی نے سبب پوچھا، تو فرمایا نفس امارہ چونکہ بیکار انسان پر حملہ کرتا ہے اس کے حملے سے بچنے کے لیے اسے کام میں لگائے رہتا ہوں اور نہ سہی تو یہی کنکریاں اِدھر اُدھر ڈالنا بھی ایک کام ہے۔ اس طرح سے میں نفس امارہ کی شرارت سے محفوظ رہتا ہوں۔

marfat.com

۳۷۹ —— آنکہ او شاہست او بیکار نیست
نالہ از وے طرفہ کو بیمار نیست

۳۷۹ ترجمہ:

اس لیے کہ جو بادشاہ ہے وہ بھی بیکار نہیں ہے گریہ کرنا اس سے عجیب معلوم ہوتا ہے کہ جو بیمار نہ ہو۔

شرح:

اگر شاہ سے مراد اللہ تعالیٰ ہے تو یہ معنی ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر وقت ایک نئی شان میں ہے۔ عزت دیتا ہے، ذلت دیتا ہے، مارتا ہے، جلاتا ہے، رزق دیتا ہے بند کر لیتا ہے۔ بیمار ڈالتا ہے شفا دیتا ہے۔ اس لیے جب شاہ کا یہ حال ہے تو بندوں کو بھی متخلق باخلاق اللہ ہو کر ہمیشہ ذکر میں مشغول رہنا چاہیئے اور دوسرے مصرعہ کا یہ مطلب یہ ہے کہ باوجود عدم حاجت اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں سے محبت ہے اور ان کے کام بناتا رہتا ہے اور یہ بات فی الواقع عجیب ہے کہ باوجود عدم احتیاج کوئی کسی کا کام کرے۔ نالہ مجازاً بمعنی محبت اور بیمار بمعنی محتاج ہے اور اگر سلطان سے ولی کامل مراد ہے تو یہ معنی ہیں کہ ولی بیکار نہیں رہتا بلکہ محبت الہٰی میں نالاں رہتا ہے اور اس کا نالہ عجیب بات ہے کیونکہ وہ مریض نہیں ہے بلکہ طبیعت بشری پر قادر ہے اس کو نالہ کی احتیاج نہیں۔ بس تو یہی سمجھئے کہ اس کا نالہ اور دعا صرف مخلوق کے فائدہ کے لیے ہے۔ اس صورت میں نالہ اور بیمار کی تاویل کی کچھ حاجت نہیں۔ آئندہ شعر میں لفظ ھُوَ کو ھُوَّ بہ تشدید واد لکھنا شعر کی ضرورت سے ہے۔

marfat.com

۳۸۰ — بہر ایں فرمود رحمان اے پسر
کل یوم ھُوَ فی شان اے پسر

۳۸۱ — اندریں رہ مے تراش و مے خراش
تا دم آخر دمے فارغ مباش

۳۸۰۔ ترجمہ : اے عزیز اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وہ ہر روز نئی شان میں ہے۔
شرح : یعنی اس بات کی اطلاع کے لیے کہ بیکار رہنا بُرا اور کچھ نہ کچھ شغل کرنا اچھا ہے
اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے : كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَان ۔ شان بمعنی حکم ہے۔ مثلاً عزت و
دولت دینی زندگی اور موت بھیجنی وغیرہ

نتیجہ یہ نکلا کہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا ہماری تعلیم کے لیے ہے۔ بس تو جس طرح وہ ہمارے کاموں
میں ہمارا معاون ہے اسی طرح ہمیں بھی اس کی عبادت اور خدمت میں مشغول رہنا چاہیے۔
بیکاری اور یاد الٰہی سے غفلت ایک دم کے لیے بھی ناجائز ہے۔

۳۸۱۔ ترجمہ : اس راہ میں تراش و خراش کرتا رہ اور مرتے دم تک کسی وقت فارغ نہ بیٹھ۔
شرح : تراش و خراش سے کچھ نہ کچھ کرنا مراد ہے۔ اندریں رہ بمعنی اس زندگی میں
یعنی اپنی زندگی میں کچھ نہ کچھ کرتا رہ اور مرتے دم تک بیکار نہ بیٹھ کیونکہ بیکار رہنا غفلت کی علامت
ہے اور غفلت اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے لیکن کام سے دنیوی کام مراد نہیں بلکہ طاعت الٰہی
جو انسان پر بمقابلہ دنیوی کاموں کے اولیٰ ہے اور جس کے لیے اس کی تخلیق ہوئی۔

marfat.com

تا دم آخر دمے آخر بود
۳۸۲—— که عنایت با تو صاحب سر بود

ہر کہ کوشد جان کہ در مرد و زنست
۳۸۳—— گوش و چشم و جان ر ..ز نست

۳۸۲۔ ترجمہ: تاکہ دم آخر تک کوئی دم آخر کار ہووے کہ بس میں عنایت الٰہی تیری ہمراز بن جائے۔
شرح: یعنی اس طور پر مرتے دم تک کوئی وقت تو ایسا آجائے کہ جمیں عنایت الٰہی تیرے شامل رہ کر تیرے سب کام بنادے

۳۸۳۔ حل لغات: گوش و چشم بر روزان شدن بمعنی دیکھنا اور سننا۔
ترجمہ: جو کوئی کوشش کرتا ہے اور دل سے اس کام میں لگ جاتا ہے۔ مرد ہو یا عورت وہ سب کی دیکھتا سنتا ہے۔

شرح: یعنی راہِ خدا میں کوشش کرنے والا مرد ہو یا عورت ہو۔ اللہ تعالیٰ اس کی کوشش کو دیکھتا اور سنتا ہے۔ پس ہر مرد و عورت کو اس کی کوشش اعمال کے مطابق اجر ملیگا اور کسی کی کوشش بیکار نہ جائے گی۔ کیونکہ اس نے فرمایا ہے: ان اللہ لا یضیع اجرالمحسنین۔

marfat.com

بیرون انداختن مرد تاجر طوطی را از قفس و پریدن آں

۳۸۴ — ایں سخن پایاں ندارد اے عمو
قصۂ طوطی و خواجہ باز گو

۳۸۵ — بعد ازانش از قفس بیروں فگند
طوطیک پرید تا شاخ بلند

۳۸۶ — طوطی مردہ چنیں پرواز کرد
کافتاب از چرخ ترک و تاز کرد

ترجمہ: سوداگر کا طوطی کو مردہ سمجھ کر پنجرہ سے باہر نکال پھینکنا اور طوطی کا اُڑ جانا۔

۳۸۴۔ ترجمہ: اے ناداں اس سخن کی تو کوئی انتہا نہیں۔ لہٰذا طوطی اور تاجر کا قصہ بیان کیجئے۔

۳۸۵۔ ترجمہ: اس کے بعد اس نے پنجرہ سے باہر پھینک دیا۔ طوطی اُڑ کر ایک شاخ پر جا بیٹھی۔

۳۸۶۔ ترجمہ: مردہ طوطی ایسی اڑی کہ جیسے آفتاب آسمان پر دوڑ لگاتا ہے۔

شرح: یعنی جب سوداگر نے طوطی کو مردہ سمجھ کر پنجرے سے باہر پھینک دیا تو وہ یکایک ایسی جلدی سے اڑ کر ایک اونچے درخت پر جا بیٹھی جس طرح آفتاب مشرق سے صبح کو جلد آسمان پر بلند ہو جاتا ہے۔ ترک و تاز کردن بمعنی دوڑ دھوپ کرنا۔ بعض نسخوں میں ترکی تاز ہے۔ یہ بھی سہی لیکن اس سے ترک و تاز زیادہ اچھا ہے جس سے آفتاب کے آسمان پر بلند ہو جانے سے طوطی مردہ کو جلد درخت پر جا بیٹھنے کی تشبیہہ دی گئی ہے اور باطنی مراد اس تشبیہہ سے یہ ہے کہ روح بھی قفس جسمانی سے رہا ہو کر ایسی ہی تیزی سے قرب الہٰی کی طرف چلی جاتی ہے اور نخل شہود کی شاخوں پر اپنا گھر بنا لیتی ہے۔

marfat.com

خواجہ حیران گشت اندر کار مرغ
۳۸۷ — بے خبر ناگہ بدید اسرار مرغ

روئے بالا کرد گفت اے عندلیب
۳۸۸ — از بیان حال خود دادہ نصیب

او چہ کرد آنجا کہ تو آموختی
۳۸۹ — چشم ما از مکر خود بر دوختی

۳۸۷۔ ترجمہ: خواجہ جانور کی اس چالاکی سے حیران ہوگیا جبکہ پنجرے سے یکایک اس کے راز کو جانا۔
شرح: یعنی جب خواجہ نے ایک چھوٹے سے پرند کی اس مکارانہ کارروائی کو دیکھا تو وہ ایسا ہی حیران رہ گیا کہ جیسے کوئی بے خبر کسی پُر حیرت راز کے یکایک معلوم ہوجانے پر ہکا بکا رہ جاتا ہے۔

۳۸۸۔ ترجمہ: اوپر کو منہ اٹھا کر کہا کہ اے بلبل اپنے حال کے بیان میں ہمیں بھی حصہ دے۔
شرح: عندلیب بلبل کو کہتے ہیں مگر یہاں طوطی کا استعارہ سمجھنا چاہیئے یعنی اپنے اس راز سے کہ تو نے کیوں یہ فریب کیا اور اس میں کیا مصلحت تھی ہمیں بھی آگاہ کر۔ حال کے بیان میں حصہ دینا بمعنی آگاہ کرنا۔

۳۸۹۔ ترجمہ: اس نے اس جگہ کیا کیا کہ تو نے سیکھ لیا اور ہماری آنکھیں اپنے مکر سے سی دیں۔

marfat.com

ساختی مکرے و مارا سوختے
۲۹۰
سوختی مارا و خود افروختے

گفت طوطی کو بفعلم پند داد
۲۹۱
کہ رہا کن نطق و آواز و کشاد

زانکہ آوازت ترا در بند کرد
۲۹۲
خویش او مردہ پئے ایں پند کرد

۲۹۰۔ ترجمہ : تو نے مکر کر کے ہمیں جلا دیا۔ ہمیں جلا کر خود روشن ہوگئی۔

شرح : آنجا سے ہندوستان مراد ہے یعنی ہندوستان کی طوطی نے کیا کیا تھا کہ جو تو نے سیکھ کر ہماری آنکھوں پر پردہ ڈال دیا۔

۲۹۱۔ ترجمہ : طوطی نے کہا کہ اس نے اپنے فعل سے مجھے نصیحت کی تھی کہ آواز اور بولنا اور خوشی اپنی چھوڑ دے۔

شرح : کشاد بمعنی پھڑپھڑاہٹ جیسا کہ پرند خوشی میں پھڑپھڑایا کرتے ہیں۔ طوطی نے کہا کہ ہندوستان کی طوطی نے مجھے اپنے فعل سے یہ نصیحت کی تھی کہ رہائی کے لیے اپنی آواز اور خوشنوائی بند کر لینی چاہیئے۔ اسی طرح کامل اپنی زبان سے کچھ نہیں کہتے لیکن ان کے اشارے دوسروں کے لیے پند ہوتے ہیں جیسا کہ ہندوستان کی طوطی کا فعل اس طوطی کے لیے باعث نجات ہوگیا۔

۲۹۲۔ ترجمہ : اسلیئے کہ تیری آواز نے تجھ کو قید کرایا ہے اس نصیحت کیلئے اس نے اپنے کو مردہ بنایا تھا۔

marfat.com

۳۹۳— یعنی اے مطرب شدہ با عام و خاص
مردہ شو چون من کہ تا یابی خلاص

۳۹۴— دانہ باشی مرغکانت بر چنند
غنچہ باشی کودکانت بر کنند

۳۹۳۔ ترجمہ: یعنی اے تو ہر خاص و عام کے لیے خوش آواز بن گیا۔ میری طرح مردہ ہو جا تا کہ تجھ رہائی ملے۔

شرح: اس ہندی طوطی نے مردہ صورت بنا کر مجھے نصیحت کی کہ اے طوطی تو بھی اسیطر اپنے آپ کو مردہ بنا لے تو لازماً نجات پا جائے گا کیونکہ تیرا مالک تجھے مردہ سمجھ کر تجھے پنجرہ سے نکال کر باہر پھینک دے گا۔ طوطی کو عام و خاص کے لیے مطرب کہنا روح انسان سے تشبیہہ تام ہے کیونکہ جب تک انسان بولتا رہتا ہے سب اس کی قدر کرتے ہیں اور جب چپ ہو جاتا ہے یعنی مر جاتا ہے تو اسے دفن کر دیتے ہیں تو گویا روح کی نجات خاموشی میں ہے۔ کہ[۱] قال علیہ السلام من صمت نجا۔

۳۹۴۔ ترجمہ: تو دانہ ہو گا تو تجھے جانور چگ جائیں گے۔ غنچہ ہو گا تو چھوٹے لڑکے تجھے توڑ لیں گے۔

شرح: یہاں سے مولانا کا مقولہ ہے یعنی اے مخاطب اگر تو دانہ بن جائے گا تو جانور اور پرند چند تجھے کھا جائیں گے اگر غنچہ ہو جائے گا تو بچے توڑ لیں گے یعنی تو نہ تکبر دانہ کی طرح ہو کر چڑیاں (ذلیل لوگ مراد ہیں) چگ جائیں اور نہ پھول کی طرح بے زبان خوشنمائی اختیار کر کہ بچے (ناواقف اہل مقصود) توڑ لیں یعنی نقصان پہنچائیں۔

خلاصہ یہ کہ اگر دنیا کے لوگ تجھے اپنے کام کا سمجھیں گے تو بے چین کر دیں گے اور

۱ ماخوذ از لغات سفرہ

۲۹۵ــــــ دانہ پنہاں کن بکلی دام شو
غنچہ پنہاں کن گیاہ بام شو

صوفہ گذشتہ سے ، ہر وقت مغز کھا جائیں گے ۔ اگر غنچہ کی طرح خاموشی اختیار کرے گا تو دیوانہ سمجھ کر چھیڑیں گے ۔ اسی لیے خیر الامور اوساطہا پر عمل ہو کہ نہ شہرت نہ دیوانگی ۔

۲۹۵۔ ترجمہ : دانہ کو بالکل چھپالے اور دام ظاہر کیجئے ۔ غنچہ کو چھپا کر چھت کی گھاس ہو جا ۔

شرح : چونکہ دانہ مٹی میں ملا ہوا ہوتا ہے اس لیے بہ نسبت غنچہ کے ذلیل حال میں ہے لہٰذا دانہ سے فقیر اور غنچہ سے غنی مراد ہے اور مرغان سے فرشتگان موت اور کودکان سے اطفالِ لیل و نہار ۔ یعنی تو فقیر ہو یا غنی موت سے ہرگز نہیں بچ سکتا ۔ مگر اس صورت میں حیات ابدی حاصل ہو سکتی ہے کہ تو اگر فقیر ہے تو اپنی ذات کو فنا فی اللہ کر کے عشق حقیقی کو حاصل کرنے کیلئے سر بسر دام بن جا اور اگر غنی ہے تو فنا ہو کر مراتب عالیہ معرفت کی گھاس ہو یعنی قرب اور ترو تازگی حاصل کر ۔ گھاس کی تخصیص اس لیے ہے کہ اس میں بہ نسبت جمیع سبزہ زار کے قدرتی نشو و نما ہوتا ہے یا اس لیے کہ گھاس نہایت پست حالت میں ہے ۔ امیروں کے لیے اسکی تخصیص ان معنوں کی طرف اشارہ ہے کہ امراء کو اپنی ظاہری امارت چھوڑ کر عشق الٰہی میں خود تنی چاہیئے ۔ یا دانہ باشی اور غنچہ باشی سے اظہار خودی مراد ہے جس میں مضرت کا اندیشہ ہے ۔ دیکھ لو جانور انھیں دانوں کو کھاتے ہیں جو ظاہر ہیں اور لڑکے انہیں غنچوں کو توڑتے ہیں جن کا ظہور ہو چکا ہے ۔ مطلب یہ کہ اگر تو اپنی طاعت و عبادت کا اظہار کرے گا تو تجھ کو معنوی نقصان حاصل ہوگا اس لیے اے مخاطب تجھ پر فرض ہے کہ خود اور خود نمائی کو چھوڑ کر مرتبۂ فنا حاصل کر لے اور اپنی شہرت سے بچ ۔ اور دانہ نہ بن ، کیونکہ دانہ بنے گا تو جانور تیری طرف رجوع کریں گے بلکہ دام بن کر جانور تجھ سے ڈرتے رہیں اور تیرے پاس آنے کو گویا مصیبت میں پھنسنا سمجھیں ۔

marfat.com

۳۹۶ — ہر کہ دارد حسن خود را بر مراد
صد قضاے بد سوی او رو نہاد

صفحہ گذشتہ سے : اور غنچہ نہ ہو بلکہ گھاس ہو اور گھاس بھی بام کی گھاس جس پر توجہ ہی نہیں ہوتی اور ہوتی ہے تو اس قدر کہ اس کو اکھاڑ کر پھینک دیتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ شہرت سے پرہیز کرتا کہ طلب دنیا سے بچے۔ کیونکہ شہرت سے دنیا حاصل ہوتی ہے اور خلایق کا اندیشہ ہے۔

فائدہ : شہرت وہی بری ہے جس میں سالک کی نظر مخلوق کی طرف ہو اور اگر خالق کی طرف ہے تو ایسی شہرت سے کچھ حرج نہیں۔ شہرت سے بچنے کی سب سے اچھی ترکیب وہ ہے جو بایزید بسطامی رحمہ اللہ نے کی تھی کہ ایک بار دن کو رمضان میں ایک نان بائی کی دکان سے بے اجازت روٹی کھالی۔ لوگوں نے اس حرکت کو برا جانا۔ مگر فی الواقع یہ بات تھی کہ آپ بیمار تھے اور افطار جائز تھا اور روٹی پہلے خرید کر رکھ گئے تھے۔ شہرت سے بچنے اور عوام کو بدعقیدہ کرنے کے لیے یہ چاہیے کہ ایسا فعل نا جائز جو بظاہر عوام میں مذموم ہو اور فی الواقع حرام یا مکروہ اور خلاف شرع نہ ہو۔ پچھلے معنی نہایت چسپاں ہیں کیونکہ مولانا شہرت کی مذمت بیان کر رہے ہیں اور آئندہ بھی مضرت تعظیم خلایق کا بیان کرنے والے ہیں۔

۳۹۶۔ ترجمہ : جس نے کہ اپنے حسن کو مراد پر رکھا۔ سو بد قضاؤں نے اس کی طرف رخ کیا۔

شرح : یعنی جو شخص اپنی خوبیوں اور کمالات کو اپنی مراد کے موافق پائے یا مراد کے موافق رکھنے کا قصد کرے یعنی جیسا باطن میں ہو ویسے ہی اس کی شہرت ظاہر میں بھی ہو یا چاہتا ہو کہ ہو جائے تو وہ طرح طرح کی مصیبتوں میں گرفتار ہو جائے گا۔ حسن ظاہری ہو یا باطنی یعنی

marfat.com

۳۹۷ ـــــــ چشمہا و خشمہا و رشکہا
بر سرش بارد چو آب از مشکہا

صفحہ گذشتہ سے :
خوبصورت ہو یا اہل کمال دونوں طرح کا حسن بحالت شہرت مضرت رساں ہو جاتا ہے ۔ مثلاً طوطی میں اگر حسن صورت اور حسن گویائی نہ ہوتا تو وہ سوداگر کے پنجرہ میں کیوں قید ہوتی ۔ اس حسن صورت کی بدولت جو جو مصیبتیں حضرت یوسف علیہ السلام پر آئیں وہ ظاہر ہیں ۔ بعض نسخوں میں یہ مصرعہ (ہر کہ دارد حسن خود را بر مزاد) ہے یعنی جس نے کہ اپنی خوبیوں کو ظاہر کیا اس نے بنظر انجام اپنے حق میں اچھا نہیں کیا ۔

۳۹۷ـ ترجمہ :
نظریں اور غضب اور رشک آدمی کے سر پر ایسے برستے ہیں جیسے مشک سے پانی ۔

شرح :
اوپر کے شعر کی تفسیر ہے کہ حسن وخوبی کے سبب آدمی کے سر پر یہ بلائیں نازل ہوتی ہیں کہ نظر بد اس کو ہے ۔ عربی کا مقولہ ہے کہ :

العین لتدخل الرجل القبر والجمل القدر — نظر بد آدمی کو قبر میں اور اونٹ کو ہانڈی میں پہنچا دیتے ہیں ۔

پھر غصہ اس پر کرتے ہیں ۔ رشک آمیز نگاہوں سے اس کو دیکھتے ہیں ۔ گویا یہ مصیبتیں اہل حسن کے اوپر ایسی برستی ہیں جیسے مشک سے پانی ۔

marfat.com

دشمناں او را ز غیرت می دہند
۳۹۸ دوستاں ہم روزگارش میبرند

آنکہ غافل بود از کشت بہار
۳۹۹ او چہ داند قیمت ایں روزگار

در پناہ لطف حق باید گریخت
۴۰۰ کو ہزاراں لطف بر ارواح ریخت

۳۹۸۔ ترجمہ: دشمن اس کو غیرت دلاتے ہیں اور دوست اس کے وقت کو ضایع کیا کرتے ہیں
شرح: یعنی شہرت پسند اہل کمال کے دشمن رشک وحسد کی غیرت سے اسے ڈبوتے ہیں اور دوست اس کی صحبت میں رہ کر اس کے عزیز وقت کو ضایع کیا کرتے ہیں۔

۳۹۹۔ ترجمہ: وہ شخص جو کہ بہار کی کھیتی سے غافل ہے وہ اس روزگار کی قدر کیا جانے۔
شرح: یعنی جو شخص دوستوں کی صحبت میں بیٹھ کر اپنی عمر عزیز کو ضایع کرتا ہے وہ اس زمانہ زندگی مستعار کی قدر نہیں جانتا گویا اس نے اس بہار زندگی سے کوئی پھل نہیں کھایا۔ یا یہ کہ جس شخص نے رفع اسباب شہرت کی لذت نہیں اٹھائی وہ گمنامی کی کیا قدر جانے گا کہ اس میں کون کونسے فائدے ہیں۔

۴۰۰۔ ترجمہ: لطف حق کی پناہ میں جانا چاہیئے کہ اس نے ارواح پر ہزاروں مہربانیاں فرمائی ہیں۔

marfat.com

۴۰۱ ——— تا پناہے یابے آنگہ چہ پناہ
آب و آتش مر ترا گردد سپاہ

۴۰۲ ——— نوح و موسیٰ را نہ دریا یار شد
نہ برا عدا شان بکیں قہار شد

۴۰۳ ——— آتش ابراہیم را نہ قلعہ بود
تا بر آورد از نمرود دود

۴۰۱۔ترجمہ: تاکہ تو اس وقت پناہ پا دے وہ کیسی پناہ یعنی پانی اور آگ تیرے محافظ بن جائیں۔

۴۰۲۔ترجمہ: کیا نوح و موسیٰ کا مددگار دریا نہیں ہوا۔کیا ان کے دشمنوں پر دشمنی سے قہر توڑنے والا نہ تھا۔

شرح: ان شعروں میں لفظ استفہام تقریری ہے یعنی کیا دریا نے حضرت نوح علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام کی رفاقت میں ان کے دشمنوں کو غرق نہیں کیا تھا ضرور کیا تھا۔چنانچہ تفاسیر میں ان کے واقعات مفصلاً موجود ہیں۔

۴۰۳۔ترجمہ: کیا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے آگ قلعہ نہیں ہوئی تھی نمرود سے دھواں لائی۔

شرح: دود بر آورد سے حسرت مراد ہے اس لیے کہ جب نمرود کا مقصد پورا نہ ہوا تو افسوس اور حسرت کا شکار رہا۔یعنی آگ نے حضرت ابراہیم اور پہاڑ نے حضرت یحیٰی

(باقی آئندہ صفحہ پر)

marfat.com

۴۰۴ — کوہ یحییٰ را نہ سوئے خویش خواند
قاصدانش را بزخمِ سنگ راند

۴۰۵ — گفت اے یحییٰ بیا در من گریز
تا پناہت باشم از شمشیرِ تیز

صفحہ گذشتہ سے :

کو پناہ دی تھی۔ کفار نے جب حضرت یحییٰ کو شہید کرنے کا ارادہ کیا تو آپ بھاگے اور کفار پیچھے پیچھے چلے۔ ایک پہاڑ نے پکارا کہ آپ مجھ میں آجائیے میں آپ کو پناہ دونگا اور یہود پر پتھر پھینکوں گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ حضرت یحییٰ بحکمِ الٰہی اس واقعہ کے بعد شہید ہوئے تھے۔ چنانچہ مولانا نے فرمایا کہ،

۴۰۴۔ ترجمہ: یحییٰ علیہ السلام کو پہاڑ نے اپنی طرف بلایا اور دشمنوں کے سر پتھر سے پھوڑ دیے۔

۴۰۵۔ ترجمہ: پہاڑ نے کہا اے یحییٰ علیہ السلام میرے اندر تشریف لائیے تاکہ میں شمشیر سے آپ کی پناہ ہو جاؤں۔

marfat.com

وداع کردن طوطی خواجہ را و پریدن

۴۰۶ـــــ یک دو پندش داد طوطی بے نفاق
بعد ازاں گفتش سلام الفراق

۴۰۷ـــــ الوداع اے خواجہ کردی مرحمت
کردی آزادم ز قیدِ مظلمت

ترجمہ: طوطی کا سوداگر کو رخصت کر کے اڑ جانا۔

۴۰۶۔ ترجمہ: طوطی نے خلوص سے ایک دو نصیحتیں کی۔ السلام علیکم کہنے کے بعد کہا" خدا حافظ"۔

شرح: بے نفاق بمعنی صداقت شعار یا سچا۔ چونکہ لفظ بے نفاق طوطی کی صفت بھی ہو سکتا ہے اور نصیحتوں کی بھی۔ اس لیے پہلے مصرعہ کا ترجمہ یوں بھی کر سکتے ہیں کہ طوطی نے ایسی دو ایک نصیحتیں تاجر کو کیں جو سچائی پر مبنی تھیں۔ بعد ازاں الوداعی سلام کیا اور یہ کہتا ہوا اڑا۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس صداقت شعار طوطی نے دو ایک سچی نصیحتیں تاجر کو کیں اور چلتا بنا۔

۴۰۷۔ ترجمہ: اے خواجہ خدا حافظ۔ میرے اوپر نوازش فرمائی کہ مجھے قید سے رہا فرمایا۔

marfat.com

الوداع اے خواجہ رفتم تا وطن
۴۰۸ ———
ہم شوی آزاد روزے ہمچو من

خواجہ گفتش فی امان اللہ برو
۴۰۹ ———
مر مرا اکنون نمودی راہِ نو

۴۰۸۔ ترجمہ : خدا حافظ اے آقا میں اپنے وطن کو جارہا ہوں۔ خدا کرے تو بھی میری طرح کبھی نجات پائے۔

شرح : کہ اے خواجہ تو نے میرے ساتھ عنایت کی کہ مجھ کو اپنی تیرو تار قید سے رہا کر دیا۔ اب میں اپنے وطن مالوف کو جاتا ہوں۔ پس اس عنایت کے بدلہ میں جو تو نے میرے ساتھ کی ہے۔ یہ الوداعی دعا دیتا ہوں کہ تو بھی کسی روز ایسی ہی رہائی پا جائے۔ یعنی اس قفس تن سے تیری روح اسیطرح آزاد ہو کہ اپنے اصلی وطن جنت عالم مشہود کو رخصت ہو جائے۔ جس طرح کہ میں تیرے قفس سے چھوٹ کر اپنے وطن ہندوستان کو جاتا ہوں۔ یہ گویا دعا ہے کہ تو جلد اس قالب عنصری کو چھوڑ کر اپنے اصل سے جا ملے۔

۴۰۹۔ خواجہ نے کہا، جا مجھے اللہ کو سونپا۔ (اس لیے) کہ تو نے مجھے نئی راہ دکھائی۔

شرح : راہِ نو سے طریقہ وصل الی اللہ مراد ہے۔ جو تاجر کو طوطی کی نصیحتوں سے معلوم ہوئی تھی۔ اس لیے اس نے طوطی کو فی امان اللہ کہہ کر رخصت کر دیا اور کہا الفراق بینی و بینک۔

marfat.com

۴۱۰ — سوئے ہندوستان اصلی رو نہاد
بعد شدت از فرح دل گشت شاد

۴۱۱ — خواجہ با گفت ایں پند منست
راہ او گیرم کہ ایں راہ روشن ست

۴۱۲ — جان من کمتر ز طوطی کے بود
جان چنیں باید کہ نیکو پے بود

۴۱۰۔ ترجمہ: طوطی نے اصلی رخ ہندوستان کی طرف کیا۔ سختی کے بعد تفریح سے خوشی حاصل کی۔

شرح: شدت بمعنی قید اور فرح بمعنی آزادی یعنی جب خواجہ نے فی امان اللہ کہہ کر طوطی کو رخصت کر دیا تو وہ اپنے اصلی وطن کی طرف اڑ گیا اور شدت قید کے بعد طوطی نے رہائی پائی اور نہایت خوش ہوا۔ راہ نو سے طریق وصل الی اللہ مراد ہے جس سے تاجر ناواقف تھا اور اب اسے طوطی کی رہبری سے نصیب ہوا۔ اس میں اشارہ ہے کامل کو جب اس دنیوی قید سے چھٹکارا ملتا ہے تو بہت خوش ہوتا ہے۔ اسی لیے ہم اولیاء کرام کے وصال کو عرس سے تعبیر کرتے ہیں۔

۴۱۱۔ ترجمہ: خواجہ نے اپنے دل سے کہا کہ یہ تو میرے لیے نصیحت ہے۔ میں بھی اسی کا راہ لوں۔ کیونکہ یہی راہ بہت زیادہ روشن ہے۔

۴۱۲۔ ترجمہ: میری جان طوطی سے کیوں کم رہے۔ جان وہی چاہیئے جو نیک راستہ طے کرے۔

(بقیہ بر صفحہ آئندہ)

marfat.com

مضرت تعظیم خلق و انگشت نما شدن

تن قفس شکل ست زاں شد خار جان
۴۱۳ — از فریب داخلان و خارجاں

صفحہ گذشتہ سے : شرح : یعنی طوطی کا یہ واقعہ دیکھ کر تاجر نے عہد کر لیا کہ میں وہی راستہ طے کروں گا جس کی رہبری طوطی نے کی ہے کیونکہ انسان اشرف المخلوقات ہے اسے حیوانات سے پیچھے نہیں رہنا چاہیئے۔ لفظ پے بمعنی پیچھے یعنی جان وہی ہے جو نکل جائے کے بعد اس کی یادگار باقی رہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ انسان معرفت الٰہی حاصل کرے۔

ترجمہ : مخلوق کے بڑا جاننے اور عوام کی انگشت نمائی کے نقصانات کا بیان۔

۴۱۳۔ ترجمہ : تن پنجرے کی طرح ہے اسی لیے آنے جانے والے کی وجہ سے جان کے لیے کانٹا ہے۔

شرح : پہلے مصرعہ میں خار الگ لفظ ہے اور جان الگ یعنی خار برائے روح اور دوسرے مصرعہ میں حسب قاعدہ فارسی لفظ خارج کی جمع ہے یعنی بدن روح کے حق میں قفس کی مانند ہے اس کو پرواز عالم علوی سے روکتا ہے اور اسی روک کے سبب سے ہم جسم انسانی کو خار پائے روح بھی کہہ سکتے ہیں کیونکہ آنے جانے والے مریدوں اور معتقدین کی حد سے بڑھی ہوئی اور لغو تعریفوں اور خوشامد کے باعث نفس پھول جاتا ہے اور آدمی میں عجب اور تکبر پیدا ہو جاتا ہے جو روح کو عالم بالا کی سیر سے روکے رکھتا ہے۔ تن سے مراد شخص معین ہے۔ مطلب یہ ہے کہ آدمی خوشامدگویوں کے فریب سے اپنی روح کے حق میں کانٹا بن کر عالم بالا کی پرواز سے محروم رہ جاتا ہے۔ نیز ممکن ہے کہ

(باقی اگلے صفحہ پہ)

marfat.com

۴۱۴—— اینش گوید من شوم ہمراز تو
وانش گوید نے منم انباز تو

۴۱۵—— اینش گوید نیست چو نتو در وجود
در کمال و فضل و در احسان وجود

صفحہ گذشتہ سے :

داخلان سے صفات ذمیمۂ قلبی اور خارجان سے الفاظ خوشامد و مدح مراد ہوں جن کے باعث آدمی میں صفت تکبر پیدا ہو جاتی ہے۔ چنانچہ مولانا ایک جگہ فرماتے ہیں :

"آدمی فربہ شود از راہِ گوش" انسان کان کے رستے (خوشامد اور تعریف) سے فربہ ہو جاتا ہے۔ خارجان جانے والے اور داخلان آنے والے۔

۴۱۴۔ ترجمہ : یہ اس سے کہتا ہے کہ میں تیرا ہمراز ہوں اور وہ اس سے کہتا ہے کہ میرا تیرا ساتھی ہوں۔

شرح : این کا اشارہ صفات ذمیمہ کی جانب اور آں کا خوشامدیوں کی طرف ہے شین کی ضمیر شخص معین کے لیے آئی ہے اور نیز الفاظ این و آں سے آنے والے اور جانے والے مراد ہو سکتے ہیں۔ مطلب یہ کہ کوئی خوشامدی اپنے کو ہمراز بناتا ہے اور کہتا ہے کہ میں تمہارا ہمراز ہوں اور کوئی کہتا ہے کہ میں شریک تیرا ہوں۔ جہاں آپ کا پسینہ گرے گا وہاں میں اپنا خون بہا دوں گا جیسا کہ ہم نے عام طور خوشامدیوں کو ایسے کہتے دیکھا اور سنا۔

۴۱۵۔ ترجمہ : یہ کہتا ہے کہ کمال و فضل و احسان وجود میں دنیا میں تیرا ثانی نہیں۔

marfat.com

۴۱۶ —— آنکس گوید ہر دو عالم آن تست
جملہ جانہا مان طفیل جان تست

۴۱۶۔ ترجمہ :

وہ کہتا ہے کہ دونوں عالم تیرے ملک ہیں ہماری تمام جانیں تیری جان کی طفیل سے پیدا ہوئے ہیں۔

شرح : یعنی ایک یہ کہتا ہے کہ آپ کی مانند دنیا میں کوئی دوسرا نہیں کیونکہ آپ کمال میں بزرگی میں احسان و بخشش میں یکتائے زمانہ ہیں اور دوسرا یہ کہ اے جناب آپ کی حکومت دونوں جہان میں ہے اور ہماری سب کی جانیں آپ ہی کے طفیل میں خلق ہوئی ہیں۔ مطلب مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا یہ ہے کہ وہ خوشامد کی باتیں ہیں۔ جو لوگ دنیا کے امیروں اور اہل دولت سے کہا کرتے ہیں۔ پس عقلمندوں کو ان سے پرہیز کرنا چاہیئے کیونکہ ایسی باتوں سے انسان کے دل میں تکبر سما جاتا ہے جو باعث مضرت ہے۔ افسوس اس زمانہ میں خوشامد کا رواج بہت ہو گیا ہے۔ خصوصاً امرا و مشائخ و علماء کے درباروں میں سینکڑوں خوشامدی لالچ کے سبب امر بالمعروف نہیں کر سکتے اور قرآن و حدیث کے موافق احکام نہیں بتاتے بلکہ خدا کی آیتوں کو تھوڑی قیمت پر فروخت کر کے اس کی ناراضی خریدتے ہیں مشائخ وغیرہ کو لازم ہے کہ وہ اپنے مریدوں سے خوشامد نہ سنیں۔ خوشامد سننا نہایت عیب کی بات ہے اور خوشامدی کے لیے خوشامد میں اتنی برائی نہیں جتنی سننے والے کے لیے ہے۔

marfat.com

۴۱۸ ——— آنش خواند گاہ عیش و خرمی
انیش گوید گاہ نوشش مزہمی

۴۱۸۔ ترجمہ: وہ کہتا ہے کہ یہ عیش و خوشی کا وقت ہے تو یہ بتاتا ہے کہ یہ زمانہ لطف اور صحبت کا ہے۔

شرح: نوش بمعنی شیریں و زندگی و شہد جس کا ترجمہ ہم نے لطف کیا ہے۔ یعنی کوئی یہ مشورہ دیتا ہے کہ یہ وقت عیش و عشرت کا ہے تو دوسرا یہ کہتا ہے کہ یہ زمانہ لطف صحبت اور دوستوں کی مصاحبت کا ہے۔ دوستوں کی صحبت سے عیش اٹھائیے اور خوشی و خورمی کے جلسے کیجیے۔

marfat.com

۴۱۹ ——— او چو بیند خلق را در مست خویش
از تکبر میرود از دست خویش ——— ۱۹۶

۴۲۰ ——— او نداند که ہزاراں را چو او
دیو افگندست اندر آب جو ۲۲۶

۴۱۹۔ ترجمہ: جب وہ مخلوق کو اپنا گردیدہ دیکھتا ہے تو بوجہ غرور اپنے آپ ضایع کر دیتا ہے۔

۴۲۰۔ ترجمہ: وہ نہیں جانتا کہ اس جیسے ہزاروں کو شیطان نے ندی کے پانی میں ڈبویا ہے۔

شرح: جس شخص کے معتقد خوشامد کر کے اسے متکبر اور خود پسند بنا دیتے ہیں۔ وہ نہیں جانتا کہ شیطان نے اس جیسے بہتوں کو گمراہ کر دیا ہے کیونکہ وہ تکبر کی وجہ سے بیخود اور نشۂ خودبینی سے بیہوش ہو جاتا ہے۔

حاشیہ امداد میں دیو کے معانی لکھتے ہیں کہ بادل مکسور و ثانی مجہول و بواو کن معروف ست شیاطین کے اقسام سے ہے و گمراہ و کج اندیش و کج طبع و کنایہ از مردم پہلوان و دیر و شجاع و نوع از جامہ پشمینہ جو کہ بہت سخت ہوتا ہے جیسے جنگ کے موقع پر پہنتے ہیں۔ گھوڑے کو بھی کہتے ہیں۔ قہر و غضب کے معنی میں بھی آتا ہے۔ (برہان قاطع)

marfat.com

۴۲۱ — لطف و سالوس جہاں خوش لقمہ است
کمترین خور کان پر آتش لقمہ است

۴۲۲ — آتش پنہاں و ذوقش آشکار
دود او ظاہر شود پایان کار

۴۲۱۔ ترجمہ: لوگوں کی نرم باتیں اور خوشامدیں میٹھا لقمہ ہیں۔ اسے نہ کھا۔ اس لیے کہ یہ لقمہ نہیں انگارے ہیں۔

حل لغات: سالوس بروزن فریب، حیلہ و فریب دہندہ و چرب زبان و مکار و بدنام و ننگ۔ جہاں بالفتح اول بروزن مکان عالم ظاہر ہر وہ شے جو عالم فلک کے نیچے ہے۔ جہندہ کے معنی میں بھی آتا ہے و بالکسر بھی مستعمل ہوا ہے اور بمعنی مال و اسباب دنیوی کو بھی جہاں کہتے ہیں۔ یہاں دنیا میں رہنے والے مراد ہیں۔

شرح: لطف و سالوس سے بیجا خوشامد جھوٹی سچی ہر قسم کی تعریف اور حد سے بڑھی ہوئی تعظیم مراد ہے یعنی خوشامد و مدح بظاہر مزے دار معلوم ہوتی ہے مگر فی الواقع ممدوح کیلئے آگ کا لقمہ ہے کیونکہ اس سے عجب و کبر پیدا ہوتا ہے اور یہ دونوں دوزخ کا سامان ہیں۔

۴۲۲۔ ترجمہ: اس کی آگ پوشیدہ اور اس کا مزہ ظاہر ہے۔ انجام بکار بربادی اور تباہی حاصل ہوتی ہے۔

شرح: خوشامد اور جھوٹی تعریف سننے کا بظاہر اشتیاق خوب ہوتا ہے لیکن اسمیں آگ پوشیدہ ہے جو جلائے بغیر نہیں چھوڑتی۔ جس کا نتیجہ نکلتا ہے کہ اس آگ کا دھواں اٹھتا ہے جس کا انجام بربادی دنیا ہی ہے۔

marfat.com

تو مگو آں مدح را من کے خرم
۴۲۳ از طمع می گوید او من بے پرم

مادحت گر ہجو گوید بر ملا
۴۲۴ روز ہا سوزد دلت زاں سوز ہا

۴۲۳۔ ترجمہ: تم یہ نہ کہو کہ میں اس کی تعریف کو پسند نہیں کرتا اور میں خوب سمجھتا ہوں کہ وہ لالچ سے تعریف کرتا ہے۔

شرح: مولانا فرماتے ہیں کہ اے مخاطب تو زیادہ سے زیادہ یہی کہے گا کہ میں تعریف کرنے والے کی خوشامد کو پسند نہیں کرتا ہوں اور خوب جانتا ہوں کہ وہ لالچ کے سبب میری تعریف کرتا ہے اس لیے میں اس کے قریب میں نہ آؤں گا اور متکبر نہ ہوں گا مگر نہیں خوشامدگوئی کی تعریف کا ضرور اثر ہوتا ہے خواہ وہ کسی دنیوی غرض سے تعریف کرے یا بے غرضی سے، نتیجہ وہ ہی ہوگا۔ چنانچہ ذیل میں ہر قسم کی مدح کی برائی کو ظاہر کرتے ہیں۔

۴۲۴۔ ترجمہ: تعریف کرنے والا اگر منہ پر تیری ہجو کرے تو مدتوں تیرا دل اس سے دکھے گا۔

شرح: یعنی خوشامد کو جو تیرے سامنے پر خوشامد کرتا ہے اگر اسی طرح تجھ کو برملا برا کہے گا تو اس برا کہنے سے تیرا دل بہت دنوں تک آزردہ رہے گا۔

marfat.com

۴۲۵ —— گرچہ دانی کو ز حرماں گفت آں
کاں طمع کہ داشت از تو شد زیاں

۴۲۶ —— آں اثر میماندت در اندروں
در مدیح ایں حالتے ہست آزموں

۴۲۵۔ ترجمہ: اگرچہ تو جانتا ہے کہ اس نے محرومی سے ایسا کیا اور وہ طمع جو وہ تجھ سے رکھتا تھا منقطع ہو گیا۔

۴۲۶۔ ترجمہ: اس کا اثر تیرے دل میں باقی رہجاتا ہے۔ مدح میں یہ حالت آزمائی ہوئی ہے۔

شرح: یعنی اگرچہ تو خوب جانتا ہے کہ تعریف کرنے والے نے تیری ہجو صرف اس وجہ سے کی کہ تو نے اس کو کچھ نہیں دیا اور جو کچھ طمع وہ تجھ سے رکھتا تھا، اس کو نقصان پہنچا۔ لیکن اس جاننے پر بھی کہ یہ ہجو صرف میرے کچھ نہ دینے کی غرض سے ہے تجھ کو ضرور اس کا رنج ہوگا۔ حالانکہ رنج ہونا نہیں چاہیئے۔ تو نے اسے کچھ دیا نہیں اس نے ہجو کر دی مگر اتنا جاننے پر بھی رنج بغیر ہوئے نہیں بچے گا تو تعریف کو جھوٹی تعریف سمجھنے سے بھی خوشی کیسے بچ سکے گی۔ پس جس طرح تیرے دل میں ہجو کا اثر رہا ممکن نہیں کہ خوشی کا اثر نہ رہے اس کا بھی ضرور رہے گا۔

دوسرے شعر کا یہ مطلب ہے کہ جس طرح ہجو سے بہت دنوں تک کسی کو رنج رہتا ہے اسی طرح تعریف کی خوشی بھی ضرور رہتی ہے کیونکہ یہ آزمائی ہوئی بات ہے۔

marfat.com

۴۲۷— آں اثر ہم روزہا باقی بود
مایہ گیر و خداع جان شود

۴۲۸— نیک بنماید چو شیریں ست مدح
بد نماید زانکہ تلخ افتاد قدح

۴۲۹— ہمچو مطبوخست و حب کانرا خوری
تا بدیرے شورش و رنج اندری

۴۲۷۔ ترجمہ: وہ اثر بھی مدتوں باقی رہتا ہے جو مایہ گیر اور نقصان کا باعث ہے۔

شرح: یعنی جس طرح ہجو کا اثر مدتوں باقی رہتا ہے اسی طرح مدح کا اثر بھی عرصہ تک رہے گا۔ حالانکہ مدح کا اثر کبر و نخوت کی پونجی اور جان کے نقصان کا سبب ہے۔

۴۲۸۔ ترجمہ: تعریف جو ظاہر میٹھی ہے (اسی لیے) اچھی معلوم ہوتی ہے برائی کڑوی ہے اسی لیے وہ بری محسوس ہوتی ہے۔

شرح: قدح عیب کردن و طعنہ زدن و تشنیع ضد مدح یعنی مدح کا اثر شیریں ہے اور قدح تلخ۔ لیکن اثر سے نہ وہ خالی ہے نہ یہ۔

۴۲۹۔ ترجمہ: جیسے جوشاندہ اور گولی کہ جب تم کھاتے ہو تو دیر تک سوزش و رنج میں رہتے ہو۔

شرح: اس شعر میں ہجو کے اثر کو بطور مثال بیان کیا گیا ہے۔ مطبوخ جوش کی ہوئی دوا۔ اور حب سے مراد حب مسہل ہے۔ اے مخاطب تو جس طرح تو جوشاندہ پینے یا جلاب کی گولیاں کھانے سے پریشان ہو جاتا ہے اور ناک بھوں چڑھاتا رہتا ہے اسی طرح تیری ہجو تیرے دل پر اثر کرتی ہے۔ علی ہذا القیاس مدح بھی اثر سے خالی نہیں جس کی تمثیل آئندہ شعر میں ہے۔

marfat.com

۴۳۰ــــــ ور خوری حلوا بود ذوقش دمی
ایں اثر چوں آں نمی آید ہمی

۴۳۱ــــــ چوں نمی پاید ہمی مانند نہاں
ہر ضدے را تو بضد آں بداں

۴۳۰۔ ترجمہ : اگر علوا کھاؤ گے تو اس کا ذائقہ دیر تک نہیں رہے گا اس کا اثر اس کڑوی گولی کی طرح تا دیر نہ ہوگا۔

شرح : یعنی اے مخاطب اگر تو حلوا کھائے تو گو اس کا ذائقہ (زبان کا مزہ) تھوڑی سی دیر تک رہے گا اور حلوے کا اثر ان گولیوں کے اثر کی طرح ظاہر میں پائیدار نہ ہوگا لیکن حلوا باطن میں بہت دیر تک طاقت پر اثر ڈالتا رہے گا اسی طرح مدح کا اثر ظاہر میں تھوڑی دیر کے لیے ہوتا ہے مگر دل میں عرصہ تک برقرار رہتا ہے اور ممدوح کو متکبر بنا دیتا ہے۔ آخر مصرع کا یہ مطلب ہے کہ حسب مضمون تعرف الاشیاء باضدادہا۔ شے اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے۔ اے شخص ہم نے اس دعویٰ کو مع دلیل ثابت کر دیا ہے کہ تجھ پر ہجو کا اثر ضرور ہوتا ہے۔ اس سے واضح ہوا کہ مدح بھی اثر سے خالی نہیں تعریف کو ہجو پر اور مدح کو قدح پر قیاس کر لو۔

۴۳۱۔ ترجمہ : جب حلوے کا اثر ظاہر میں پائیدار نہیں باطن میں پائیدار رہے اس لیے ضد کو اس کی ضد سے پہچانا جاتا ہے۔

شرح : یعنی واقعی بظاہر حلوے کا ذائقہ تھوڑی دیر رہتا ہے لیکن باطن میں اس کا اثر پائیدار ہے۔ اس لیے اس کی ضد یعنی کڑوے پن کو ظاہر میں اثر تادیر رہنا حلوے کے باطنی اثرات کی پائیداری کی دلیل ہے۔

marfat.com

۴۳۲ — چوں شکر باشد نہاں تاثیر او
بعد چندے دنبل آرد نیش جو

۴۳۳ — واجب و مطبوخ خوردی اے ظریف
اندرون شد پاک از اخلاط کثیف

۴۳۲۔ ترجمہ: جب شکر پوشیدہ ہوتی ہے تو اس میں کچھ دیر کے بعد پھنسی پھوڑے نکل آتے ہیں جو نشتر کے متلاشی ہوتے ہیں

شرح: شیرہ جو دنبل کی صفت ہے یعنی کثرت کے ساتھ میٹھا کھانے سے پھوڑے پھنسیاں نکلتی ہیں پھر انہیں نشتر سے چیرنا پڑتا ہے جس سے سخت تکلیف ہوتی ہے۔ ایسے ہی باطنی شکر یعنی مدح کا روحانی ضرر ہوا کرتا ہے اور وہ روحانی ضرر کبر و نخوت کا پیدا ہونا ہے جو دین کے ساتھ دنیا کو بھی تباہ و برباد کرتا ہے۔

۴۳۳۔ ترجمہ: اے عقلمند جو تو نے گولی اور جوشاندہ کھالیا تو تیرا جسم کثیف خلطوں سے پاک ہو جائے گا۔

شرح: یعنی تو نے جو مسہل کی گولی اور چرائتے کا جوشاندہ جو نہایت کڑوی اور بدمزہ چیزیں ہیں انہیں کھالیا جائے تو پیٹ کثیف اخلاط کے مادوں سے صاف ہو جائے گا۔ پھر نہ کبھی پھوڑے نکلیں گے نہ زخموں کے چیرنے کی ضرورت ہوگی۔ پس اسی طرح جو کوئی تعریف کی نسبت اپنی ہجو سننا پسند کرے گا تو اخلاق ضمیمہ کی اصلاح ہوتی رہے گی۔ خلاصہ مطلب یہ ہے کہ جس طرح شکر کی نسبت کڑوی چیزیں فائدہ مند ہیں ایسے ہی مدح کی بہ نسبت ہجو اچھی ہے۔

marfat.com

۴۳۴ ——— نفس از بس مدحہا فرعون شُد
کُن ذلیل النفس ہونا لاتسُد

۴۳۵ ——— تا توانی بندہ شو سلطان مباش
زخم کش چوں گوئے شو چوگان مباش

۴۳۴۔ ترجمہ: نفس بہت زیادہ تعریفوں سے فرعون ہو جائے گا (اسی لیے) اسے عاجزی سے ذلیل کر اور اسے سردار نہ بنا۔

شرح: یعنی نفس اپنی تعریفیں سنتے سنتے فرعون اور سرکش ہو جاتا ہے۔ فرعون کی تشبیہ اس لیے دی گئی ہے کہ وہ بھی اپنی تعریفوں سے ایسا پھولا کہ اپنے آپ کو خدا کہلوانے لگا اسی لیے تجھے چاہیئے کہ اپنے نفس کو عاجزی سے ذلیل کر لے اور اسے سردار نہ بنا لے۔

۴۳۵۔ ترجمہ: جہاں تک ہو سکے بندہ ہو سلطان نہ بن۔ گیند کی طرح زخم کھانے والا ہو بلا مت ہو۔

شرح: یعنی انسان کو لازم ہے کہ جہاں تک ہو سکے محکوم بننے کی کوشش کرے حاکم نہ بنے محکوم بنے یعنی اپنے آپ کو کمتر سمجھنے سے مغرور نہ ہوگا۔

دوسرے مصرعے کا مطلب یہ ہے کہ گیند کی طرح زخم اُٹھانے والا ہو جا۔ بلّے کی طرح زخم پہنچانے والا نہ بن۔ خلاصہ یہ کہ خلق میں آرام سے رہ مگر کسی کو آزار مت دے۔ قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ ملامت کی برداشت اسی وقت ہو گی جب آدمی اپنی تعریفیں سن سن کر متکبر نہ ہو گیا ہو گا اس لیے تعریف کرنے والوں اور جھوٹی خوشامدیوں کی صحبت سے پرہیز کرنا بہتر ہے اور یہی وجہ ہے کہ مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے بندہ بننے کو فرمایا اور آقا بننے کو منع کیا۔ اس لیے کہ لوگ بے وجہ تعریف بھی اسی کی کرتے ہیں جس کو حاکم یا متمول دیکھ لیتے ہیں۔

marfat.com

۴۳۶ــــ
ورنہ چوں لطفت نہ ماند واں جمال
از تو آید آں حریفاں را ملال

۴۳۷ــــ
آں جماعت کت ہمی دادند ریو
چوں بہ بینندت بگویندت کہ دیو

---

۴۳۶ ترجمہ: ورنہ جب وہ لطف اور جمال تجھ میں نہ رہے گا تو تجھ سے ان حریفوں کو ملال ہوا کرے گا۔

شرح: لفظ ورنہ لفظ سلطان سے استثنا ہے یعنی لوگوں سے تعریف سن سن کر اپنے آپ کو بادشاہ خیال نہ کرو ورنہ وہ ہی لوگ جو آج تیری خوشامد کر رہے ہیں۔ زوال دولت کی حالت میں تجھ کو ذلیل و خوار سمجھیں گے اور انہیں خواہ مخواہ تجھ سے ملال ہوگا کہ کبھی میاں ایسے تھے جو ہم سے تعریفیں کراتے تھے آج جوتیاں چٹخاتے پھرتے ہیں یہ ضروری بات ہے کہ لوگ امیروں کو حالت زوال میں بمقابلہ اس حیثیت کے عوام غریبوں کے زیادہ ذلیل سمجھنے لگتے ہیں اور ان پر آوازہ کستے اور پھبتیاں اڑاتے ہیں۔

۴۳۷۔ ترجمہ: وہ جماعت جو تجھے مکر و فریب دیتی ہے وہ تجھے دیکھ کر تجھ سے رعایت و مروّت نہ دیکھیں گے تو تجھے دیو کہیں گے۔

شرح: یعنی زوال دولت و نعمت کے وقت جب توصلہ نہ دے سکے گا تو انہیں خوشامدگویوں کی جماعت جو فریب دے دے کر اور تعریف کے قصیدہ پڑھ پڑھ کر تجھ سے فائدہ حاصل کیا کرتے تھے تجھے شیطان کہنے لگیں گے۔

marfat.com

۳۴۱ ——— جملہ گوئیندت چو بینندت بدر
مردہ از گور خود بر کردہ سر

۳۴۲ ——— ہمچو امرد کہ خدا نامش کنند
تا بدیں سالوس دردامش کنند

۳۴۱۔ ترجمہ: جب تمہیں دیکھیں گے تو تمام کہیں گے دور باش (اور کہیں گے، کہ مردہ اپنی قبر سے نکل آیا ہے۔

شرح: لفظ بدر بمعنی بر دروازہ ہے یا بمعنی بیرون شو۔ مطلب یہ کہ جب زوال دولت کے باعث خوشامدگویوں کو تو انعام نہ دے سکے گا تو وہ تیری ہجو کرنے لگیں گے اور جہاں دیکھیں گے یہ کہیں گے ہٹ ہٹ دور ہو چل دفع ہو اور تجھ پر یہ پھبتیاں اڑیں گی کہ قبر میں سے مردہ کفن پھاڑ کر چلا آیا ہے اس لیے اول ہی سے خوشامدیوں کی خوشامد کا خوگر نہ ہونا چاہیئے۔

۳۴۲۔ ترجمہ:

بے ریش لڑکے کی طرح کہ اسے گویا خدا کہتے ہیں تاکہ اس فریب سے اسے اپنے دام میں لائیں۔

شرح:

یعنی ان ممدوحوں کا حال جو مدح کرنے والوں کے فریب میں آجاتے ہیں۔ اس خوبصورت بے ریش کی طرح ہے جسے لوٹی اپنا خدا یعنی مالک کہہ کر پکارتے ہیں اور یہ کہا کرتے ہیں کہ اے شاہد رعنا تو ہماری جان ومال عقل وخرد اور دین وایمان کا مالک ہے۔ اس قسم کے فریب دے کر اسے شکار کر لیتے ہیں۔ اسی طرح ممدوح اپنی نسبت خوشامدیوں کی مدح کے بڑے بڑے الفاظ سن کر ان کے فریب میں آجاتا ہے اور انجام کار پشیمان ہوتا ہے۔

marfat.com

۳۴۳
چوں بہ بدنامی بر آید ریش او
دیو راننگ آید از تفتیش او

۳۴۳۔ ترجمہ: جب بدنامی سے اس کی داڑھی نکل آتی ہے تو شیطان کو بھی اس کی تلاش میں شرم آتی ہے۔

شرح: یعنی جب دہی لڑکا لوطیوں کے فریب میں آکر بدنام ہوگیا اور اسی بدنامی کی حالت میں داڑھی نکال لایا تو سارے چاہنے والے نفرت کرنے لگے اور شیطان کو گمراہ کرنے کے لیے اس کی جستجو سے شرم آنے لگی۔ کیونکہ اب وہ خود مجسم شیطان ہوگیا ہے اور تمام آدمی اس سے ازراہ نفرت پناہ مانگنے لگے ہیں۔ یہی حال ممدوح کا ہوتا ہے کہ جب دولت نہیں رہتی تو خوشامدگوئی اور مدح کرنے والے سب الگ ہوجاتے ہیں اور نفرت سے دیکھتے ہیں۔

لواطت کی مذمت ضمناً لواطت کا ذکر آگیا ہے اسی لیے فقیر یہاں اس کی مذمت میں چند روایات درج کرتا ہے۔

۱۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بڑا ڈر مجھ کو اپنی امت پر قوم لوط کے فعل کا ہے۔

۲۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کسی قوم میں لواطت بکثرت ہوجاتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس قوم سے اپنا ہاتھ اٹھا لیتا ہے اور اس کی کچھ پرواہ نہیں کرتا کہ یہ قوم کسی جنگل میں ہلاک کردی جائے۔

۳۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سات قسم کے گنہگاروں پر ساتوں آسمان کے فرشتے لعنت کرتے ہیں یہ لعنت بھی اس کثرت سے ہوتی ہے کہ ملعون کو تباہ کرنے کے لیے کافی ہے۔ ان میں سب سے پہلے

marfat.com

۴۳۴ — دیو سوے آدمی شد بہر شر
سوے تو ناید کہ از دیوے بتر

۴۳۵ — تا تو بودے آدمی دیو از پئیت
می دوید و می چشانید از مئیت

سوگند خستہ: بہر پر لواطت کرنے والا۔ یہ تین بار فرمایا۔

۴۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چند اشخاص پر لعنت فرمائی کہ انہوں نے زمین کے نشانات مٹائے۔ ان میں ایک لواطت کرنے والا بھی اور اس کے لیے تو تین بار لعنت فرمائی۔

۵۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "تین شخصوں کا لا الٰہ الا اللہ" بھی قبول نہیں ہے (۱) اغلام کرنے اور کرانے والا۔ (۲) وہ دو عورتیں جو آپس میں ناجائز تعلق رکھتی ہیں۔ (۳) بادشاہ ظالم" (طبرانی، یعنی چونکہ کلمہ شہادت موجبِ جنت ہے لیکن یہ لوگ محروم ہیں جب تک تائب نہ ہوں۔

۶۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس مرد کی طرف دیکھنا بھی پسند نہیں کرتا جو کسی مرد یا عورت سے لواطت کرے (ترمذی نسائی وغیرہما) باقی ابحاث و روایات فقیر کی کتاب "اسلامی آداب" میں پڑھیے۔

۴۳۴۔ ترجمہ: شیطان آدمی کے پاس بہکانے کو جاتا ہے تیرے پاس نہ آئے گا تو شیطان سے ...

شرح: یہاں سے مضمون سابق کی طرف اشارہ کرتے ہوئے عام نصیحت شروع ہوتی ہے یعنی اس بات کو سمجھ لیجئے کہ شیطان آدمی کے بہکانے کو آتا ہے اور جس حالت میں کہ تو خود شیطان سے بھی بدتر ہے تجھے کیا بہکائے گا بلکہ تیری طرف تو رخ بھی نہ کرے گا شیطان آدمیوں کے گمراہ کرنے کے لیے ہے نہ کہ شیطان کو بہکانے کے لیے۔

marfat.com

۴۳۶ — چوں شدے در خوے دیوے استوار
می گریزد از تو دیو اے نابکار

۴۳۷ — آنکہ اندر دامنت آویخت او
چوں چنیں گشتی ز تو بگریخت او

۴۳۵۔ ترجمہ: جب تک تو آدمی ہے شیطان تیرے پیچھے دوڑتا ہے اور تجھ کو اپنی شراب پلاتا ہے۔

۴۳۶۔ ترجمہ: جب کہ تو شیطانی خصلت میں پختہ ہوگیا تو اے نابکار تجھ سے شیطان بھاگتا ہے۔

شرح: شراب شیطان سے گناہوں کی لذتیں مراد ہیں یعنی اے شخص جس وقت تک تو آدمی تھا شیطان تیرا پیچھا کیا کرتا تھا۔ تاکہ تجھ کو طرح طرح کے گناہوں کے مزے چکھا کر گمراہ کرے مگر اب جبکہ تو خود شیطانی خصلتوں میں مضبوط اور شیطنت میں پختہ کار ہوگیا یعنی شیطان مجسم بن گیا تو اصلی شیطان تیرے پاس سے بھاگ گیا ہے کیونکہ اسے اب تیرے گمراہ کرنے کی ضرورت نہیں رہی۔ شاگرد استاد سے بڑھ گیا یا خود استاد ہوگیا تو تعلیم کسے دی جائے۔ پس اے نابکار شخص اپنی حالت پر غور کر اور گناہوں کی لذتوں میں پڑکر خود شیطان نہ بن۔ خدا کا خوف ہر حال میں بہتر ہے۔

۴۳۷۔ ترجمہ:
وہ جو کہ تیرے دامن سے وابستہ تھا۔ جب تو ایسا ہوگیا تو تجھ سے بھاگ گیا۔

شرح:
یعنی وہ شیطان جو تجھ سے تعلق رکھتا تھا اور تیرا دامن پکڑ پکڑ کر تجھے گناہوں کی طرف کھینچے لیے جاتا تھا۔ جب اس نے یہ دیکھا کہ تو ایسا ہوگیا یعنی خود شیطان مجسم بن گیا ہے تو تیرا دامن چھوڑ کر بھاگ گیا۔ اب اسے تیرے بہکانے کی ضرورت نہیں رہی۔ یہ شعر اس

marfat.com

تفسیر ماشاء اللہ کان ولم یشا لم یکن

آیت کی طرف اشارہ ہے :

كَمَثَلِ الشَّيْطَانِ اِذْ قَالَ لِلْاِنْسَانِ اكْفُرْ فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّنْكَ اِنِّیْٓ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ ۔

یعنی منافقوں کی مثال ایسی ہے جیسے کہ شیطان پہلے تو انسان سے یہ کہتا ہے کہ تو کافر ہو جا اور جب وہ کافر ہو جاتا ہے تو یوں کہہ دیتا ہے کہ میں تجھ سے بری ہوں کیونکہ میں اس خدا سے ڈرتا ہوں جو تمام جہان کا پروردگار ہے ۔

اس شعر کے دوسرے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ خوشامد کرنے والے جو پہلے بلا کی طرح لپٹے رہتے تھے زوال دولت کے وقت رفوچکر ہو گئے ۔

ترجمہ : اس عقیدہ کے بیان میں کہ جس چیز کو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے وہ موجود ہوتی ہے اور جسے نہیں چاہتا وہ نہیں ہوتی ۔

شرح : ہم اہلسنت کا عقیدہ ہے کہ اس کی مراد مشیت اور ارادہ سے جدا نہیں ہوتی معتزلہ کا یہ عقیدہ ہے کہ کبھی کبھی خدا کا ارادہ غیر جازم بھی ہوتا ہے مگر یہ عقیدہ آیت فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ سے مردود ہے ۔ کیونکہ آیت سے صاف ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے ارادہ کو ضرور فعل میں لے آتا ہے ۔ اس پر صیغہ فعّال مبالغہ ہے جس سے معتزلہ کے قول کا رد بطور مبالغہ ہو گیا ۔ ایسے ہی شیعہ کا عقیدہ ہے جیسے معتزلہ کا ہے ۔ یہ مسئلہ اسی لیے گھڑا گیا ہے کہ تقیہ پر

marfat.com

۴۳۸ —— اینہمہ گفتیم لیک اندر بسیچ
بے عنایات خدا ہیچیم ہیچ

صفحہ گذشتہ سے ——

شیعہ مذہب کا دارومدار ہے اور چونکہ تقیہ ایک سفید جھوٹ ہے اسی لیے انہوں نے اس کا نام بدل کر اللہ تعالیٰ کا طریقہ کار بنایا تاکہ اگر کوئی اعتراض ہو تو اس پہ ہو اور ڈر کے مارے اللہ تعالیٰ کو مورد طعن کوئی نہیں بنا سکے گا۔ اس طرح ان کے تقیہ کی لاج رہ جائے گی۔ فقیر نے اپنی کتاب "آئینہ شیعہ مذہب اور چشمہ نور افترا میں" بہت کچھ لکھا ہے۔ یہاں پر صرف ایک روایت: اصول کافی صفحہ ۲۳۲ میں ابوحمزۃ الثمالی کہتا ہے کہ :

عن ابی حمزۃ الثمالی قال	میں نے سنا کہ امام باقر علیہ السلام
سمعت اباجعفر علیہ السلام	ثابت سے فرماتے تھے کہ اللہ نے
یقول یا ثابت ان اللہ تبارک	یہ امر (یعنی ظہور مہدی) ۷۰ ہجری
و تعالیٰ قد کان وقت ھذا	میں پہلے سے مقرر کیا تھا مگر جب
الامر فی السبعین فلما	حسین علیہ السلام کو قتل کیا گیا تو اللہ تعالیٰ
ان قتل الحسین صلوٰۃ اللہ علیہ	اہل دنیا سے ناراض ہوا۔
اشتد غضب اللہ علی	اور اس نے ظہور مہدی کے وقت
اھل الارض فاخرہ الی	کو ٹال دیا اور ۱۴۰ھ مقرر کر دیا۔
اربعین و مائۃ فحدثنا	یہ حدیث ہم نے تم سے بیان کی
کم فاذعتم الحدیث	تم نے اس حدیث کو مشہور کر دیا
فکشفتم قناع الستر	اور اس راز کا پردہ فاش کر دیا تو اللہ
ولم یجعل اللہ بعد	نے ۱۴۰ھ میں بھی ظہور مہدی کو

(بقیہ بر صفحہ آئندہ)

marfat.com

ذلک وقتا عندنا — ملتوی کر دیا اور اب اللہ نے اس کا

قال ابو حمزۃ فحدثت — کوئی وقت ہمارے لیے مقرر نہیں

بذلک ابا عبد اللہ فقال — کیا۔ ابوحمزہ کہتا ہے کہ میں نے یہ

قد کان ذلک ۔ — حدیث میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام

سے بیان کی انہوں نے فرمایا کہ بیشک

یہی ہوا ۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ اللہ کی رائے ہمیشہ پلٹا کھاتی ہے اور اس نے اپنی رائے بدل کر ائمہ کی بات بھی بگاڑ دی۔ قتل حسین کی پہلے سے خدا کو خبر تھی مگر شاید اللہ کو پہلے سے یہ معلوم نہ ہوگا کہ اس حادثہ کی وجہ سے لمبے عرصہ آجاوے گا۔ اسی وجہ سے سنہ کو تبدیل کر دیا۔

۴۳۸۔ ترجمہ : یہ سب کچھ ہم نے کہا لیکن اپنے ارادہ سے نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کی عنایات کے بغیر ہم کچھ نہیں ۔

شرح : بسیچ بمعنی ارادہ و قصد و آمادگی و تیاری۔ یعنی ہم نے اسرار وحدت و معرفت اور طریقہ وصول الی اللہ وغیرہ کا ذکر مفصل طور پر کر دیا ہے لیکن ہم اس ارادہ میں بلا الطاف خداوندی صرف اپنی ہمت سے کامیاب نہیں ہو سکتے کیونکہ اس کا ارادہ تمام ارادوں پر غالب ہے۔ قرآن مجید میں ہے : وَاللّٰہُ غَالِبٌ عَلٰٓی اَمْرِہٖ ۔

خلاصہ یہ کہ نیکیوں کی طرف دل کو پھیرنے اور گناہوں سے بچانے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ انسان اپنی ہمت سے کچھ نہیں کر سکتا۔ اسی لیے طالب ہدیٰ کے لیے ضروری ہے کہ ہمیشہ خدا تعالیٰ سے نیک توفیق مانگتا رہے اور اپنی دعا میں اِہْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ کو ہمیشہ شامل رکھے ۔

marfat.com

۴۳۹ ــــــــ بے عنایات حق و خاصانِ حق
گر ملک باشد سیاہستش ورق

۴۴۰ ترجمہ۔ خدا اور خاصان خدا کی عنایت کے بغیر اگر فرشتہ ہو تو بھی اس کا عملنامہ سیاہ رہیگا۔

شرح : خاصان حق سے انبیاء اولیاء مراد ہیں جن کی کتابوں اور ملفوظات یا فیض صحبت سے راہ معرفت معلوم ہوتی ہے اور ملک بمعنی انسان ملکی صفات اور ورق بمعنی نامۂ اعمال ہے۔ یعنی بلا الطاف خداوندی وبلا ارشاد انبیاء و اولیاء ہرگز سیدھا رستہ معلوم نہیں ہو سکتا۔ جب تک حق اور خاصان حق کی عنایتیں شامل حال نہ ہوں گی۔ تمام عبادت و ریاضت بیکار ہو جائے گی۔ اور باوجود ملکی صفات اور فرشتہ خصلت ہونے کے انسان کا نامۂ اعمال سیاہ ہو جائے گا۔ یہی سبب ہے کہ کافر اپنی ریاضت و عبادت سے کوئی اخروی فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔ گو دنیا میں اوصاف ذمیمہ کو چھوڑ کر فرشتہ بن گیا ہو۔ سچ ہے : ؎

؎ خلاف پیمبر کسے رہ گزید
کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

فرشتوں کو بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فیض نصیب ہوا

بعض شارحین نے تو ملک سے مجازی معنی فرشتہ صفت مراد لیا ہے۔ گو کسی حد تک یہ معنی صحیح ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ ملائکہ بھی ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فیض یافتہ ہیں۔ چنانچہ حدیث شریف حضرت جبرائیل علیہ السلام سے ثابت ہے۔ شفا قاضی عیاض رحمہ اللہ

حدیث شریف دیکھئے۔

marfat.com

۴۴۰۔ اے خدا اے قادر بے چند و چون
واقف بر حال بیرون و درون

۴۴۱۔ اے خدا اے فضل تو حاجت روا
با تو یاد ہیچکس نبود روا

۴۴۰۔ ترجمہ: خدا وندا تو بے چند و چوں ہے اور تو قادر ہے تو ظاہری باطنی حالات سے باخبر ہے۔

شرح: یہاں سے مولانا رحمۃ اللہ علیہ نیکیوں کی توفیق پر قائم رہنے کے لیے بدرگاہِ خدا مناجات کرتے ہیں۔ بے چند و چوں بمعنی بے نہایت۔ یعنی اے خدا تو ہر شے پر قادر ہے اور ہمارے ظاہر و باطن کا حال تجھے من و عن روشن ہے۔ تو ہمارے دل میں نیکیوں کا عشق پیدا کر دے اور ظاہری اعضاء کو اپنے احکام بجالانے کی طرف مائل کر اور باطنی حواس کو نیک توفیق عطا فرما۔ بعض نسخوں میں یہ شعر یوں ہے:

اے خدائے قادر بے چون و چند — از تو پیدا شد چنیں قصر بلند

قصر بلند سے آسمان مراد ہے جو ظاہری طور پر عالیشان اور بلند ہے یا انسان ذی مرتبہ کی طرف اشارہ ہے۔

۴۴۱۔ ترجمہ: اے خدا جب کہ تیرا فضل حاجت روا ہے تو تیرے ہوتے دوسرے کی یاد جائز نہیں۔

شرح: یعنی اے خدا جب تیرا فضل حاجت روائی کرنے والا ہے تو تیرے ذکر کے ساتھ کسی اور کا ذکر کرنا یا دوسرے کی یاد کرنا جائز نہیں۔

(باقی اگلے صفحہ پر)

marfat.com

۴۴۲ —— قطرہ دانش کہ بخشیدی زپیش
متصل گردان بدریا ہائے خویش

۴۴۳ —— ایں قدر ارشاد تو بخشیدہ
تا بدیں بس عیب ما پوشیدہ

۴۴۲۔ترجمہ: قطرہ دانش کو جو تو نے پہلے سے ملا رکھا ہے اور اسکو اپنے دریا سے ملا۔

شرح: قطرہ دانش سے مراد علم ہے اور خدا کے علم کو دریا سے تعبیر کیا گیا ہے۔ پیش سے روز ازل اور دریا ہائے خویش سے معرفت کے سمندر مراد ہیں۔ یعنی اے خدا تو نے جو روز ازل میں مجھ کو علم عنایت فرمایا ہے یہ تیرے علم کے مقابلہ میں ایسا ہے جیسا سمندر کے مقابلہ میں قطرہ پس تو اس قطرہ کو بھی اپنی معرفت کے دریا میں ملا لے۔ خلاصہ مطلب یہ کہ میرا علم دنیوی امور کو چھوڑ کر تیری معرفت سے متعلق ہو جائے اور ہماری فنا تیری ذات باقی سے مل کر بقا ہو جائے۔

۴۴۳۔ترجمہ: تھوڑا سا ارشاد تم نے بخشا ہے جس کے سبب سے بہت سے عیب ہمارے چھپ گئے۔

شرح: ایں قدر ارشاد سے تھوڑا سا علم مراد ہے جس کی توضیح آئندہ شعر میں آئے گی یعنی یہ تیری بخشش ہے کہ گو تو نے ہمیں تھوڑا سا علم عنایت فرمایا ہے مگر اس سے بھی ہمارے ہزاروں عیب چھپ گئے ہیں۔ علم سے مراد عقل و دانش ہے جس کی بدولت انسان حیوان مطلق سے ممتاز ہے اور وہ تمام عیب چھپے ہوئے ہیں جو حیوانوں میں پائے جاتے ہیں۔ صرف علم و عقل ہی ایسی چیزیں ہیں جن کی بدولت انسان اور حیوانوں میں امتیاز ہو سکتا ہے۔

marfat.com

۴۴۴— قطرۂ علم است اندر جان من
وا رہانش از ہوا و خاک تن

۴۴۵- پیش ازاں کایں خاکہا خسفش کنند
پیش ازاں کیں بادہا نشفش کنند

۴۴۴. ترجمہ: میری جان میں علم کا ایک قطرہ ہے۔ اسے ہوا اور تن کی خاک سے خدا محفوظ رکھے۔

شرح: ہوا سے خواہش نفسانی اور خاک تن سے لذائذ جسمانی مراد ہیں یعنی اے خدا میرے قطرۂ علم کو ہوائے نفسانی اور خاک لذائذ جسمانی سے الگ رکھ سکیں ایسا نہ ہو کہ اس قطرہ کو یہ ہوا (خواہش نفسانی) اڑا دے۔ یا وہ خاک اپنے اندر جذب کرلے۔ یعنی اے خدا میری قوت علمی خواہشات نفسانی اور لذائذ جسمانی کے حاصل کرنے میں صرف نہ ہو۔ لذائذ جسمانی کو خاک تن اس لیے کہا کہ تمام لذتیں انجام کار خاک ہونے والی ہیں۔ یا خاک تن سے مراد خود جسم ہے یعنی اے خدا میرے قطرۂ علم کو ہوائے نفسانی اور خاک جسم سے بچالے یعنی میرا علم نفس امارہ کی خواہشیں پوری کرنے یا پرورش جسم سے متعلق نہ ہو۔ مطلب دونوں کا ایک ہے۔

۴۴۵. ترجمہ: قبل اس کے کہ خاک میں دھنسا دیں۔ اس سے پہلے کہ اسے ہوائیں جذب کردیں۔

شرح: یہ گذشتہ شعر کے دوسرے مصرعہ سے متعلق ہے۔ یعنی اے خدا اس سے پہلے کہ قطرۂ علم کو خاکہائے جسم چوس لیں اور نفسانی ہوائیں جذب کرلیں تو اپنے دریائے معرفت میں ملالے۔ یعنی میرا قطرۂ علم تیرے دریائے علم سے فیض یاب ہوتا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ آدمی کا علم خدا کے علم سے اسی وقت فیضیاب ہوسکتا ہے کہ دنیوی امور سے متعلق نہ ہو۔

marfat.com

۴۴۶ـــــ گر چہ چوں نشفش کند تو قادری
کش از ایشاں واستانی واخری

۴۴۷ـــــ قطرہ کو در ہوا شد یا کہ ریخت
از خزینہ قدرت تو کے گریخت

ورنہ جو علم صرف دنیا کمانے کے لیے ہے وہ خدا سے دور رکھتا ہے۔ ؎
علمیکہ از حق بود یارے بود
علمیکہ از دنیا بود مارے شود

۴۴۶ ترجمہ: اگرچہ وہ اسے خشک کر دے تب بھی تو قادر ہے کہ تو اسے واپس تیار کرے۔
شرح: یعنی اے خدا اگرچہ تو اس بات پر قادر ہے کہ قطرہ کو جذب یا فنا کر دینے کے بعد خاک یا ہوا سے واپس لے لے اور ان سے چھین کر پھر قطرہ کو قطرہ کی صورت میں لے آئے مگر میں تو یہی دعا کرتا ہوں کہ میرا قطرۂ علم اس خاک یا ہوا سے الگ ہی رہے۔ یہ شعر اپنے ماقبل کے شعر سے متعلق ہے۔

۴۴۷۔ ترجمہ: قطرہ جو ہوا میں ملا یا گر گیا تو وہ بھی تیری قدرت سے کہیں نہ جا سکا۔
شرح: یہاں سے حسب مناسبت بیان سابق اللہ تعالیٰ کی قدرت کا ذکر شروع ہوا ہے کہ وہ معدوم کو موجود اور موجود کو معدوم کرنے کی قدرت رکھتا ہے۔ مثلاً پانی کا ایک قطرہ جس کو ہوا نے فنا یا خاک نے جذب کر لیا ہے گو وہ حسب ظاہر معدوم ہو گیا ہے مگر اللہ تعالیٰ کے خزانۂ قدرت سے غائب نہیں ہو سکتا۔ وہ اپنے حکم سے اس قطرے کو ہوا اور خاک سے فوراً نکال سکتا ہے۔

marfat.com

گر در آید در عدم یا صد عدم -
چوں بخوانیش او کند از سر قدم ۴۴۸

صد ہزاراں ضد ضد را می کشند
بازشان فضل تو بیرون می کشد ۴۴۹

از عدمہا سوے ہستی ہر زماں -
ہست یارب کارواں در کارواں ۴۵۰

خاصہ ہر شب جملہ افکار و عقول
نیست گردد غرق در بحر نغول ۴۵۱

۴۴۸ - ترجمہ : اگر عدم میں کیا (بلکہ) صد عدم میں بھی چلا جائے - جب تو اسے بلائے تو سر کے بل حاضر ہو -

شرح : یعنی وہ قطرہ ایک عدم کیا معنی اگر سو عدم میں نابود ہو جائے تو تیرے ایک اشارہ میں پیروں سے چل کر کیا بلکہ سر کے بل دوڑتا ہوا فوراً حاضر ہو - کیونکہ تیرے حکم اور کلمۂ کن کے سامنے ان کی کیا مجال ہے -

خلاصہ یہ کہ تمام موجودات اور معدومات تیرے حکم کے پابند ہیں اور اس سے سر مو تجاوز نہیں کر سکتے -

۴۴۹ - ترجمہ : لاکھوں ضدیں ضدوں کو مار ڈالتی ہیں مگر پھر ان کو تیرا فضل زندہ کر دیتا ہے

شرح : یعنی اگرچہ دنیا میں لاکھوں ضدیں ایسی ہیں جو اپنی ضدوں کو مار ڈالتی ہیں مثلاً پانی آگ کو بجھا دیتا ہے اور ہوا پانی کو فنا کر دیتی ہے لیکن اے خدا تیرا فضل اور تیری قدرت

marfat.com

ایسی ہے کہ پھر ان معدوم شدہ چیزوں کو موجود کر سکتی ہے اور از سر نو زندگی بخشتی ہے۔

۴۵۰۔ ترجمہ: عدم سے ہستی کی طرف ہر وقت اے اللہ قافلہ پر قافلے روانہ ہو رہے ہیں۔

شرح: یعنی اے پروردگار عدم سے ہستی کی طرف تیرے حکم سے ہر روز کیا ہر وقت قافلہ پر قافلے چلے آتے ہیں تو ایک کلمہ کن سے کروڑوں معدومات کو آناً فاناً میں موجود کر دیتا ہے۔ چنانچہ اس کی دوسری مثال آئندہ شعر میں ہے۔

۴۵۱۔ ترجمہ: خصوصاً ہر رات کو تمام فکریں اور عقلیں نیست ہو کر گہرے سمندر میں غرق ہو جاتا ہے۔

شرح: بحر نقول یا گہرے سمندر سے عالم خواب مراد ہے یعنی ہر رات کو جب انسان سو جاتا ہے تو اس کی فکر اور عقل یا تمام انسانوں کی فکریں اور عقلیں نیند کے گہرے سمندر میں غرقاب ہو کر نیست و نابود ہو جاتے ہیں لیکن صبح کو جب وہ بیدار ہوتے ہیں تو وہ ہی فکریں اور عقلیں جو رات سوتے وقت معدوم ہو چکی تھیں پھر اپنی اپنی جگہ لے لیتی ہیں اور وہ ہی کام دیتی ہیں جو سونے سے پہلے دیتی تھیں۔ مثلاً ایک شخص نہایت مصیبت کی حالت میں ہے جب وہ سو گیا تو مصیبت کے محسوس کرنے والے تمام حواس معطل ہو گئے۔ بس مصیبت بھی معطل ہو گئی لیکن جب صبح کو بیدار ہوا تو پھر وہ ہی خیالات تھے وہ ہی مصیبت تھی اسی کا رونا تھا گویا خواب کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ نے اس مصیبت کی حالت کو معدوم کر دیا تھا اب بیداری کے سبب پھر پیدا کیا۔

دوسرے معنی یہ ہیں کہ دریائے عمیق سے اسرار الٰہی مراد ہیں اور افکار و عقول سے عاشقان الٰہی کی عقلیں فکر مراد ہیں جن کو بالتخصیص رات کے وقت یاد الٰہی میں زیادہ استغراق ہوتا ہے۔ اس صورت میں یہ مطلب ہے کہ اے خدا یوں تو ہر چیز کو عدم سے وجود کی طرف لے آتا ہے لیکن خاص کر اپنے عاشقوں کو جن کی عقلیں اور فکر شب کے وقت نیست ہو کر دریائے استغراق میں غائب ہو جاتے ہیں پھر وجود میں لے آتا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر عاشقان الٰہی شب کی طرح صبح کو بھی استغراق میں ہی رہیں تو مخلوق کو ہدایت کرنے والا کون ہو۔ کچھ تو اس حکمت

marfat.com

۴۵۲ — باز وقتِ صبح چوں اللہیان
بر زنند از بحر سر چوں ماہیان

۴۵۳ — در خزاں بیں صد ہزاراں شاخ و برگ
از ہزیمت رفتہ در دریائے مرگ

کے لیے اور پھر اس واسطے کہ اسرار الہی کا عام طور پر اظہار نہ ہو جائے اللہ تعالیٰ اپنے عاشقوں کو ہر صبح کے وقت نیست سے ہست کر دیتا ہے۔

ف: باوجودیکہ اللہ تعالیٰ بے انتہا معدومات کو ہر وقت موجود کرتا رہتا ہے لیکن عاشقان الٰہی یا ان کی عقل کو نیست کر کے ہست کرنا عدم و وجود کے نہایت باریک معنی رکھتا ہے اور عاشقوں کی تخصیص مولانا قدس سرہٗ نے ان کی فضیلت کے سبب کی ہے کیونکہ تصنیف مثنوی سے اسرار اور اہل اسرار کا تذکرہ مقصود ہے۔ ظاہری قصہ سمجھانے کے لیے صرف بطورِ مثال لائے جاتے ہیں۔

۴۵۲۔ ترجمہ: پھر صبح کے وقت جب اللہ والے مچھلیوں کی طرح دریا سے سر نکالتے ہیں۔

شرح: یہ شعر گذشتہ سے مربوط ہے اور اللہیان منسوب بسوئے اللہ یعنی اللہ والوں کے معنوں میں ہے۔ یعنی وہ تمام افکار و عقول جو شب کو سوتے وقت نیست و نابود ہو گئے تھے۔ صبح کے وقت اللہ والوں کی طرح پھر ہست ہو گئے اور جس طرح اللہ والے صبح کے وقت استغراق سے عالم شہود میں آجاتے ہیں یا مچھلیاں دریا سے سر نکالتی ہیں اسی طرح رات کے سونے والے صبح کو بیدار ہو جاتے ہیں اور نئی زندگی حاصل کر لیتے ہیں۔

۴۵۳۔ ترجمہ: دیکھیے خزاں میں لاکھوں شاخیں اور پتے شکستگی سے دریائے موت میں ڈوب جاتے ہیں۔

marfat.com

زاغ پوشیدہ سیہ چوں نوحہ گر

۴۵۴ —— در گلستاں نوحہ کردہ بر خضر

باز فرمانِ آید از سالار دہ

۴۵۵ —— مر عدم را کانچہ خوردی بازدہ

شرح : یہاں سے معدومات کو موجود کرنے کی دوسری مثال شروع ہوتی ہے۔ یعنی اے عزیز خزاں کے موسم کو دیکھئے کہ اس میں لاکھوں شاخیں اور پتے خزاں کے لشکر سے شکست کھا کر دریائے مرگ میں ڈوب جاتے ہیں یعنی فنا ہو جاتے ہیں لیکن فصل بہار میں ان فنا ہونے والوں کو پھر خلوت ہستی مل جاتی ہے۔

۴۵۴ - ترجمہ : سیاہ پوش کوا نوحہ گر کی طرح باغ میں سبزہ پر نوحہ کرتا ہے۔

شرح : پوشیدہ سیاہ بمعنی سیاہ پوش و خضر بمعنی سبزہ یعنی موسم خزاں میں دیکھ لو کہ زاغ نوحہ گروں کی طرح سیاہ لباس پہن کر باغ میں سبزہ کا ماتم کر رہا ہے کیونکہ موسم خزاں میں گل نہیں رہتا بلبل نہیں رہتے درختوں میں اجاڑ ہو جاتا ہے تو پھر کوا جو کالا سیاہ ہے وہ گویا کالے کپڑے پہن کر نوحہ گروں کی سی شکل بنا کر ماتم کیا کرتا ہے بلکہ کبھی کبھی کوا پٹ پھاڑ کر شاخ پر بیٹھ کر کائیں کرنے لگتا ہے گویا وہ کالے کپڑے پہن کر سبزہ کا ماتم کرتا ہے۔

۴۵۵ - ترجمہ : پھر ملک کے سردار کا حکم آتا ہے بالخصوص عدم کے لیے کہ جو کچھ تو نے کھایا ہے واپس کر دے۔

شرح : دہ بمعنی گاؤں کبھی ملک کے واسطے بھی آتا ہے اور یہ دونوں شعر قطعہ بند ہیں۔ سالار دہ سے اللہ تعالیٰ مراد ہے یعنی موسم خزاں میں شاخ و برگ گل و بلبل سب معدوم ہو گئے تھے لیکن جب فرمانروائے ملک کا حکم عدم کے نام پہنچا کہ جو کچھ تو نے کھایا پیا تھا وہ سب ادا کر دے تو وہ فوراً گھنا مان گیا اور وہ تمام چیزیں جو معدوم ہو چکی تھیں سب اسی وقت موجود ہو گئیں۔ خلاصہ یہ کہ عدم نے جس چیز کو نابود کیا وہ سب اس کے حکم

marfat.com

۴۵۶ــــ آنچه خوردی دادہ اے مرگ سیاہ
از نبات و ورد و از برگ و گیاہ

۴۵۷ــــ اے برادر عقل یک دم باخود آر
دمبدم در تو خزاں ست و بہار

۴۵۶۔ ترجمہ: اے مرگ سیاہ جو کچھ تو نے کھایا۔ ہے وہ اگل دے مثلاً سبزہ۔ گھاس۔ ط۔ب وغیرہ۔

شرح: یہ شعر اسی قطعہ بند کا تتمہ ہے یعنی خزاں کے بعد اللہ تعالیٰ یہ کہتا ہے کہ اے عدم اور اے موت تو ان پھولوں اور سبزہ و گھاس جن کو کھا چکی ہے پھر موجود کر دے۔ چنانچہ یہ حکم پاتے ہی عدم اشیاء فنا کو پھر موجود کر دیتا ہے اور ذرا تامل نہیں کرتا۔ خزاں دور ہوتی ہے اور بہار آجاتی ہے۔

فائدہ: بعض نسخوں میں وار واقع ہے یعنی دوا جیسے گاؤزبان گل بنفشہ وغیرہ۔ ان اشعار میں آیت فانظروا الی آثار رحمۃ اللہ کیف یحیی الارض بعد موتہا ان ذلک لمحی الموتی و ہو علی کل شئی قدیر۔ کی طرف اشارہ ہے۔

۴۵۷۔ ترجمہ: اے عزیز تھوڑی دیر کے لیے عقل سے کام لے کہ تو دمبدم خزاں اور بہار میں ہے۔

شرح: یہاں سے مولانا صاحب نے ظاہری خزاں و بہار کا ذکر چھوڑ کر معنوی خزاں و بہار کا تذکرہ شروع کیا۔ اس شعر میں خزاں سے اوصاف نفسانی اور اخلاق ذمیمہ اور بہار سے اوصاف روحانی اور اخلاق حسنہ مراد ہیں اور مطلب یہ ہے کہ اے بھائی تھوڑی دیر کے واسطے اپنی عقل کو ٹھکانے کر کے دیکھ تو سہی کہ خود تیری ذات میں خزاں و بہار موجود ہے۔ اگر تجھ میں روحانی اوصاف موجود ہیں تو سمجھ لے کہ تیرے اوپر بہار کا عالم ہے ورنہ دوسری صورت میں خزاں کے آثار ہیں

marfat.com

باغ را سبزہ تر و تازہ بہ بین
۴۵۸ — پُر ز غنچہ و ورد و سرو یاسمین

زانبہی برگ پنہاں گشتہ شاخ
۴۵۹ — زانبہی گل نہاں صحرا و کاخ

۴۵۸۔ ترجمہ: باغ کو سبز اور تر و تازہ دیکھ۔ کلی اور پھول سرو اور چنبیلی سے بھرا ہوا دیکھ۔

شرح: یعنی جو لوگ عاشقان الٰہی ہیں ان کے دل کا باغ بہار عرفان کے سبب سے ہمیشہ سبز اور تر و تازہ رہتا ہے اور اس میں شریعت کے غنچے طریقت کے پھول حقیقت کے سرو اور معرفت کی یاسمین ہر وقت شگفتہ اور موجود رہا کرتے ہیں۔ اس باغ کو خزاں سے کچھ سروکار نہیں۔ اس گلشن کو نسیم الطاف الٰہی ہمیشہ شگفتہ کرتی رہتی ہے۔ بعض نسخوں میں پہلا مصرع یوں ہے: ع

باغ دل را تازہ و سر سبز بین

۴۵۹۔ ترجمہ: پتوں کی کثرت سے شاخیں چھپ جاتی ہیں۔ گل کی بہتات سے جنگل و مکان پوشیدہ ہو جاتے ہیں۔

شرح: انبہی مخفف ہے انبوہی سے بمعنی انبوہ شدن یعنی کثرت مطلب یہ کہ عاشقوں کے باغ دل میں ایسی بہار آئی کہ پتوں کی کثرت سے شاخوں کو ڈھانک لیا اور پھولوں کی کثرت سے جنگلوں اور مکانوں کو پوشیدہ کر لیا یعنی عاشقوں کے باغ دل کا فیضان عام ہو گیا کوئی شاخ یعنی طالب اس سے محروم نہ رہا۔ ہر صحرا اور مکان (شخص ناقابل استعداد و قابل استعداد) اس باغ کے پھولوں سے پر بہار ہو گیا۔

(باقی بر صفحہ آئندہ)

marfat.com

۴۶۰ــــــ این سخنہائے کہ از عقل کل ست
بوے آن گلزار سرو سنبل ست

۴۶۱ــــــ اے برادر یکدم از خود دور شو
با خود آؤ غرق بحر نور شو

صفحہ گذشتہ سے : دوسرے معنی یہ ہیں کہ عارف کے گلشن دل پر محبت خداوندی کی ہوا چلی اور اس کی شاخ یعنی علم پر حکم خداوندی کے پتے غالب آگئے کیونکہ حکم خداوندی کے روبرو ہر شخص کا علم نیست و نابود ہے پھر اس میں معرفت کے پھول کھلے اور ان پھولوں نے جنگل اور مکان سب کو ڈھانک لیا کیونکہ عارف کا تصرف تمام موجودات پر ہوتا ہے یا یہ معنی ہیں کہ حکم الٰہی سے موسم بہار میں پتوں کی کثرت کے سبب شاخیں اور پھولوں کی کثرت کے سبب جنگل اور مکان پوشیدہ ہو جاتے ہیں اور در و دیوار کوہ و دشت صحرا و مکان سے اس کی قدرت کا جلوہ نظر آتا ہے۔

۴۶۰۔ ترجمہ : یہ باتیں کہ عقل کل سے پہنچی ہیں اسی سرو و سنبل کے گلزار کی خوشبو ہیں۔

شرح : عقل کل کنایہ از جبرائیل و عرش اعظم یا عقل معاد یعنی یہ باتیں جو عرش اعظم یا غیب کے عالم سے ہمارے ذہن میں آتی ہیں یا حضرت جبرائیل جن کا القا کرتے ہیں سر بسر گلزار معرفت کے پھولوں کی خوشبوئیں ہیں یا صحن سنبلستان اسرار کی نکہتیں ہیں۔ جن سے عاشقان الٰہی کا دماغ تر و تازہ ہوتا ہے اور جہاں کہیں مثنوی میں ہم نے باغ یا گلزار وغیرہ کا ذکر کیا ہے اس سے مراد وہی گلزار معرفت ہے طالب کو چاہیئے کہ فرع سے اصل کی طرف رجوع کرے۔

۴۶۱۔ ترجمہ : اے برادر دم لحہ بھر خودی سے دور ہو اور ہوش میں آکر بحر نور میں غرق ہو جا۔

marfat.com

۴۶۲ ـــــــ بوے گل دیدی کہ آنجا گل نبود
جوش مل دیدی کہ آنجا مل نبود

شرح : خودی سے دور ہونا غفلت اور خود نمائی کو چھوڑ دینا ہے۔ صوفیوں کے نزدیک خودی کے چھوڑ دینے کا نام باخودی یعنی عقلمندی ہے۔ جو لوگ خود نما خویشتن بین اور خود پسند ہیں وہ بے خود یعنی محض بے وقوف ہیں۔ مطلب شعر یہ ہے کہ اے شخص خودی کو چھوڑ کر ایک دم کے لیے باخود ہو جا اسی خودی اور غفلت کے چھوڑنے سے تو با خدا بن جائیگا اور دریائے نور یعنی بحر اسرار الہٰی میں غرق ہو جائے گا اور تیرے سینے میں وہ تمام علوم آجائیں گے جن کی خوشبو سر معرفت ہے۔ ایسے اسرار کی انہیں لوگوں کو اطلاع دی جاتی ہے جو دنیا سے بیخود ہیں۔

۴۶۲ - ترجمہ : گل کی خوشبو سونگھی کہ اس جگہ گل نہ تھا اور تو نے شراب کا جوش دیکھا کہ اس جگہ شراب نہ تھی۔

شرح : اس کے معنی کئی طرح ہو سکتے ہیں۔ اول یہ کہ اے شخص تو نے اسرار الہٰی کے متعلق عقل کل کی بتائی ہوئی باتیں سن لیں اور ان پھولوں کی خوشبو لے لی۔ حالانکہ پھول تیرے پاس نہ تھے اور اظہار اسرار کی شراب کا جوش تو نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ حالانکہ شراب تیرے پاس نہ تھی جب کہ باغ معرفت کے پھولوں کی خوشبو اور معرفت کی شراب ایسی تیز ہے کہ تیرے دماغ تک اثر پہنچا رہی ہے تو اس گل اور اس مل کا طالب کیوں نہیں بنتا کہ یہ خوشبو اور یہ جوش اس کی ادنیٰ فرع ہے وہ گل و مل ترک خودی سے ہاتھ لگتا ہے۔

(باقی اگلے صفحہ پر)

marfat.com

۴۶۳ — بو قلاوز ست و رہبر مر ترا
می برد تا خلد کوثر مر ترا

۴۶۴ — بود دل ے چشم باشد نور ساز
شد ز بوے دیدۂ یعقوب باز

دوسرے معنی یہ ہیں کہ دونوں مصرعوں میں لفظ "دیدی" بمعنی نہی ہے ۔ اس صورت میں یہ مطلب ہوا کہ اے مخاطب جب تو خودی کو چھوڑ دے گا تو یہ مرتبہ ہو جائیگا کہ جہاں گل نہ ہو گا وہاں سے بوے گل اور جہاں شراب نہ ہو گی وہاں سے جوش شراب کو معلوم کر سکے گا یعنی اسرار حقیقت کو بلا قید دیکھ لے گا ۔

تیسرے معنی یہ ہیں کہ دونوں مصرعوں میں استفہام انکاری ماننا چاہیئے یعنی اے مخاطب کہیں تو نے ایسا دیکھا ہے کہ پھول تو نہ ہوں اور پھولوں کی خوشبو آ رہی ہو ہرگز نہیں دیکھا یا شراب تو نہ ہو اور اس کا جوش یا کیفیت نظر آ رہی ہو یہ ہرگز نہیں ہو سکتا ۔ بس تو جس طرح تو بوے گل کو بغیر گل اور جوش مُل کو بغیر مل معلوم نہیں کر سکتا کیونکہ بو اور جوش اعراض میں سے ہیں اور اعراض بلا محل قائم نہیں رہ سکتے ، اسی طرح بوے اسرار کو بلا غرقِ بحر نور حاصل نہیں کر سکتا اور بحر نور میں غرق ہونا مرشد کامل کی خدمت پر موقوف ہے ۔ اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ انسان کامل کا دل اسرار اور معرفت کا خزانہ ہے ۔ اس خوشبو کو ؛ میں سے حاصل کرنا چاہیئے ۔

---

۴۶۳ ۔ ترجمہ : خوشبو تجھے راستہ دکھانے والی رہبر ہے تجھ کو کوثر اور بہشت تک لیجائے گی ۔
شرح : قلاوز بمعنی رہبر ۔ بو سے بوے عرفان اور خلد و کوثر سے مقصد اصلی یعنی مشاہدہ ذات مراد ہے یعنی خوشبوے معرفت بشرطیکہ اسرار کے پھول (مرشد کامل) ...

marfat.com

۴۶۵ — بوے بد مر دیدہ را تاری کند
بوے یوسف دیدہ را یاری کند

۴۶۶ — تو کہ یوسف نیستی یعقوب باش
ہمچو او با گریہ و آشوب باش

کی صحبت سے حاصل ہوتی ہو۔ اے مخاطب تجھے مشاہ ذات تک پہنچا دے گی کیونکہ آدمی خوشبو سونگھتے سونگھتے گلشن تک پہنچ جاتا ہے۔ یعنی جس طرح پھول کی بو سونگھنے والے کو پھول تک پہنچا دیتی ہے اسی طرح یہ گل معرفت کی خوشبو تجھ کو بہشت بریں اور حوض کوثر تک لے جائے گی۔

۴۶۴۔ ترجمہ: خوشبو آنکھوں کی دوا اور نور پیدا کرنے والی ہوتی ہے۔ بو ہی سے حضرت یعقوب کی آنکھیں کھلی تھیں۔

شرح: لفظ نور ساز دوائے چشم کا بدل یا عطف بیان یعنی محبوب کی خوشبو آنکھوں کی دوا اور ان کی روشنی کرنے والی ہوتی ہے۔ چنانچہ حضرت یوسف علیہ السلام کے کرتہ کی خوشبو سے حضرت یعقوب علیہ السلام کی آنکھیں کھل گئی تھیں۔ اسی طرح معرفت کے پھولوں کی خوشبو سے طالب دیدار کی آنکھیں کھل جاتی ہیں اور اسے اسرار نظر آنے لگتے ہیں۔

۴۶۵۔ ترجمہ: بد بو آنکھوں کو تاریک کرتی ہے اور بوے یوسف آنکھ کو مدد بخشی ہے۔

شرح: بوئے بد سے گناہوں کے متعلق اور بوئے یوسف سے قرآن و حدیث کے متعلق باتیں مراد ہیں یعنی گمراہیوں کی باتیں اور برے افعال آنکھوں کی روشنی اور دل کا نور کھو دیتے ہیں اور پیغمبروں و دلیوں کے کلام آنکھوں کی روشنی کا باعث ہوتے ہیں۔ جن سے طالب کو تمام اسرار نظر آنے لگتے ہیں۔

marfat.com

تو کہ شیریں نیستی فرہاد باش

۴۶۷ ـــــــــــ

چوں نہ لیلیٰ چو مجنوں گرد فاش

بشنو ایں پند از حکیم غزنوی ـــــــــــ ۴۶۸

تا بیابی در تن کہنہ نوی

۴۶۶۔ ترجمہ: تو یوسف نہیں ہے تو یعقوب ہو جا۔ ان کی طرح گریہ وزاری میں رہ۔

شرح: یعنی اگر تو یوسف نہیں ہے تو یعقوب بن کر ان کی طرح فراق محبوب میں ہمیشہ گریہ وزاری کر۔ تاکہ نتیجہ میں وصال میسر آ جائے۔

۴۶۷۔ ترجمہ: تو کہ شیریں نہیں ہے تو فرہاد بن جا۔ جب لیلیٰ نہیں ہو سکتا تو مجنوں کی طرح رسوا ہو۔

شرح: یوسف و شیریں اور لیلی سے مطلوب اور یعقوب اور فرہاد اور مجنوں سے طالب مراد ہے یعنی اے شخص اگر تو شیریں نہیں ہے تو فرہاد بننے کی کوشش کر اور اگر لیلی نہیں بن سکتا تو مجنوں کی طرح بے صبر و رسوا رہ تاکہ تجھے لوگ عشق محبوب میں دیوانہ سمجھنے لگیں اور تیرا عشق مکمل ہو جائے۔

اس میں اس حدیث شریف کی طرف اشارہ ہے:

لا یکمل ایمان العبد حتی یقول الناس انہ لمجنون۔ — یعنی مومن کامل اس وقت ہوتا ہے جب اسے لوگ مجنوں کہیں۔

ف: یوسف، شیریں اور لیلیٰ سے مطلوب اور یعقوب و فرہاد مجنوں سے طالب مراد ہے۔ یعنی اگر تمہیں محبوب یا مطلوب یا مرشد بننے کی طاقت نہیں تو عاشق یا طالب یا سالک بن جا۔ اگر ان دونوں میں کوئی بھی نہیں بن سکا تو پھر تمہیں اپنی بدقسمتی کا ماتم کرنا چاہیئے۔

۴۶۸۔ ترجمہ: حکیم غزنوی کی یہ نصیحت سن۔ تاکہ تیرے پرانے تن میں نئی جان پڑ جائے۔

شرح: غزنوی ساکن شہر غزنی حکیم سنائی اسی شہر کے رہنے والے تھے۔ دوسرے

marfat.com

ایں را شنو از جان و دل
۴۶۹
تا بہ گل بیروں شوی از آب و گل

پند او را از دل و جان گوش کن
۴۷۰
ہوش را جان ساز و جاں را ہوش کن

مصرعہ کا یہ مطلب ہے کہ اگر تو حکیم سنائی کی اس نصیحت کو جو ہم آئندہ لکھتے ہیں گوش دل سے سن لے گا تو تیرے جسم کہنہ کو تازگی حاصل ہوگی یعنی اسرار کے متعلق ایک نئی بات معلوم ہو جائے گی یا قلب کو خزانۂ انوار اور نفس کو شباب امرار حاصل ہوگا۔ بدن میں نئی جان پڑ جائے گی۔ روح کو تازگی حاصل ہوگی۔ نوی بمعنی تازگی ہے۔

۴۶۹۔ ترجمہ: رباعی کو جان و دل سے سن لے تاکہ تو آب و گل سے بالکل علیحدہ ہو جائے۔

شرح: حکیم سنائی کے چار مصرعے جو آئندہ سطور میں لکھے جائیں گے۔ چونکہ اصلاحی رباعی کے وزن پر نہیں ہیں۔ اسی لیے یہاں لفظ رباعی لغوی معنوں میں ہے جس سے مراد چار مصرعے ہیں اور دوسرے مصرعہ کا یہ مطلب ہے کہ اگر تو حکیم سنائی کے ان چار مصرعوں کو سن کر ان پر عمل کرے گا تو آب و گل یعنی جسم عارضی کی قید سے نکل کر روح مجرد بن جائے گا۔ کیونکہ ان مصرعوں میں فنا اور بقا کی معنوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

۴۷۰۔ ترجمہ: ان کی نصیحت کو جان و دل سے سن کر فہم کو جان بنا اور جان کو ہوش میں لا۔

شرح: مولانا قدس سرہٗ شوق دلانے کے لیے حکیم سنائی کے انہیں چار مصرعوں کی تعریف میں یہ فرماتے ہیں کہ،

اے مخاطب! حکیم سنائی کی پند کو جان و دل سے سن اور اس نصیحت کو ہوش کے لیے بمنزلہ جان اور جان کے لیے بمنزلہ ہوش سمجھ۔ مطلب یہ کہ حکیم موصوف کی نصیحت نہایت قابلِ قدر ہے اور وہ یہ ہے: آگے پڑھیے:

marfat.com

تفسیر قولِ حکیم سنائی قدس سرہٗ

۴۷۱ — ناز را روے بباید ہمچو ورد
چوں نداری گرد بد خوے مگرد

۴۷۲ — عیب باشد چشم نا بینا و ناز
زشت باشد روئے نا زیبا و ناز

ترجمہ: حضرت حکیم سنائی قدس سرہٗ کی تفسیر۔

۴۷۱۔ ترجمہ: ناز کرنے کو گلاب سا چہرہ چاہیے۔ ایسا نہیں ہے تو بدخو کے پاس مت بیٹھ

۴۷۲۔ ترجمہ: اندھی آنکھ اور پھر اس پر ناز کرنا عیب ہے۔ بری صورت پر نخرے کرنا بھی نامعقول ہے۔

شرح: حکیم سنائی کے وہ چاروں مصرعے یہی ہیں جن کی تعریف گزر چکی ہے۔ ان کے ظاہری معنی یہ ہیں کہ اے مخاطب ناز کرنے اور محبوب سے ملنے کے لیے گلاب کے پھول کے مانند چہرہ ہونا چاہیے۔ کیونکہ ناز انہیں لوگوں کو زیبا ہے جو اچھی صورت رکھتے ہیں۔ بدصورتوں کا ناز بالکل بیجا اور غمزہ بے محل ہوتا ہے۔ بدصورت کو بدخو ہونا ہرگز زیبا نہیں۔ اے شخص اگر تو اچھی صورت نہیں رکھتا تو بدخوئی کے گرد ہرگز نہ پھر۔ تیرے ناز کسی سے نہ اٹھ سکیں گے بدصورتی کے ساتھ بدخوئی بھی ہو تو اس کی مثال ایسی ہے جیسا کوئی اندھا کسی محفل میں بیٹھ کر غمزہ و ناز کرنے لگے۔

خلاصہ یہ کہ بدصورت کا تکلف سے معشوق بننا عیب اور سخت نازیبا ہے اور مناسب یہ ہے کہ جس میں شان معشوقی نہ ہو اس کو عاشق بننا چاہیے اور معنوی مطلب یہ ہے کہ آدمی پر

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

marfat.com

۴۷۳ ــــــ پیش یوسف نازش و خوبی مکن
جز نیاز و آہ یعقوبی مکن

۴۷۴ ــــــ معنی مردن ز طوطی بد نیاز
در نیاز و فقر خود را مردہ ساز

بر نفس کا مرتبہ پہچاننا فرض ہے۔ حدیث شریف میں ہے:

من عَرَفَ نَفۡسَہٗ فَقَدۡ — جس نے اپنے نفس کو پہچانا اس نے

عرف ربہ۔ — اپنے رب کو پہچان لیا۔

اور نفس کو پہچاننا سوا اس کے اور کوئی معنی نہیں رکھتا کہ آدمی جب غور سے دیکھے گا تو اپنی ذات کو فانی خیال کرے گا اور جب اس نے اپنے آپ کو فانی خیال کیا تو ذات باقی کی معرفت حاصل ہو گئی انسان فانی ہو کر خود کو باقی رہنے والا خیال کرے گا تو ایسی مثال ہو جائے گی جیسے کوئی اندھا یا بدصورت اپنے آپ کو حسین سمجھ کر ناز بیجا کیا کرتا ہے۔

خلاصہ مطلب یہ ہے کہ بدصورت معشوق بننا نہایت نازیبا اور بمنزلہ عیب کے ہے بس جس میں شان محبوبی نہ ہو اس کو عاشق بننا چاہیئے۔ معشوقیت کی تحریص کرنا ہرگز شایان نہیں۔ اسی قانون پر اللہ والوں میں بعض ایسے بھی ہوتے ہیں جو اپنے حسن ولایت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے سامنے ناز کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کی نازبرداری فرماتا ہے۔ جیسا کہ تفسیر روح البیان میں فقیر نے متعدد حکایات و روایات بیان کیے ہیں۔

۴۷۳۔ ترجمہ: یوسف کے سامنے ناز و خوبصورتی نہ جتنا۔ سوائے نیاز اور آہ یعقوبی کے کچھ نہ کر۔

شرح: یعنی یوسف کے سامنے ناز اور خوبصورتی نہ دکھلا۔ کیونکہ اس کے حسن کے مقابلہ میں تیرا حسن کوئی چیز نہیں اس لیے وہاں سوائے نیاز مندی اور حضرت یعقوب کی سی آہ کے ناز و کرشمہ

marfat.com

۴۷۵ــــــ تا دم عیسیٰ ترا زندہ کند
ہمچو خویشت خوب و فرخندہ کند

۴۷۶ــــــ در بہاراں کے شود سر سبز سنگ
خاک شو تا گل بروید رنگ رنگ

۴۷۷ــــــ سالہا تو سنگ بودی دلخراش
آزموں کن یک زمانے خاک باش

کا موقع نہیں۔ اس موقع پر یوسف سے شاہدِ حقیقی مراد ہے یعنی اللہ تعالیٰ ناز و غرور کو پسند نہیں کرتا اور نہ اس کے سامنے سوائے نیاز مندی کے ناز چل سکتا ہے۔ اس لیے ناز کو چھوڑ کر اس کی جناب میں حضرت یعقوب کی طرح ہمیشہ عجز و نیاز اور آہ و زاری کیا کرتا کہ تیرا دلی مقصد حاصل ہو۔

۴۷۴۔ ترجمہ: طوطی کا مر جانا نیاز کے معنی تھے۔ نیاز و فقر میں اپنے آپ کو مردہ بنالے۔

شرح: یعنی اس طوطی کا مر جانا جس کی داستان ختم ہونے کو ہے معنوی طور پر اللہ تعالیٰ کے سامنے عجز و نیاز کا اظہار تھا ورنہ واقع میں طوطی مرا نہ تھا۔ لیکن اس ترکیب سے وہ قیدِ قفس سے رہائی پا گیا۔ علیٰ ہذا القیاس جو اس پر عمل کرے گا وہ قیدِ جسم عارضی سے ضرور رہائی پا جائے گا۔

۴۷۵۔ ترجمہ: تاکہ دم عیسیٰ تجھ کو زندہ کر دے اور اپنی طرح خوش و خرم کرے۔

شرح: دم عیسیٰ سے لطف خداوندی یا مرشد کامل مراد ہے یعنی اے مخاطب تو اگر طوطی کی طرح نیاز و فقر کی حالت میں مرے گا تو لطف الٰہی یا مرشد کامل تجھ کو از سر نو زندہ کر کے مرتبہ

(بقیہ آئندہ صفحہ پر)

marfat.com

در بیان ایں شتو یک داستان

۴۷۸ —— تا بدانی اعتقاد در استان

صفحہ گذشتہ سے

بقا بعد الفنا عنایت فرمادے گا اور اپنی ذاتِ بابرکت کی طرح تجھ کو خوش و خرم بنا دے گا۔

۴۷۶ ۔ ترجمہ : موسمِ بہار میں پتھر سبز نہیں ہوتا۔ خاک بن تا کہ تجھ میں سے طرح طرح کے پھول اُگیں۔

شرح : یعنی اے عزیز نیاز و فقر کی حالت میں جیتے جی اپنے آپ کو مردہ بنا لے تا کہ دمِ عیسٰی الطف رحمانی و نفخہ ربانی تجھے از سرِ نو زندہ کر دے یعنی مرتبہ بقا بعد الفنا عنایت فرمائے اور اپنی ذات کی طرح بابرکت بنا دے۔

۴۷۷ ۔ ترجمہ : تم برسوں تک دلخراش پتھر رہے ہو بطور آزمائش تھوڑے دنوں کیلئے خاک ہو جا۔

شرح : یعنی عرصہ دراز تک تم پتھر بنے رہے اس سے تمہیں کوئی خاص حاصل نہیں۔ اب ہمارے کہنے پر مٹی ہو جا یعنی متواضع و منکسر المزاج ہو جا پھر دیکھ تیرے اندر کیا رونق آتی ہے اور کتنے فوائد نصیب ہوتے ہیں۔ آزمون بمعنی آزمائش یعنی میرے اس بتائے ہوئے کو بھی آزما کے دیکھ لے۔

---

۴۷۸ ۔ ترجمہ : اسی بیان میں ایک اور داستان سماعت فرمائیے تا کہ تمہیں سچے لوگوں کے اعتقاد معلوم ہوں۔

شرح : یعنی ہم تمہیں اس ضمن میں ایک کہانی سناتے ہیں کہ اس نے نیاز اور عاجزی سے کیا پایا۔ اس سے تمہیں معلوم ہوگا کہ سچے لوگوں کے اعتقادات یوں ہیں اور ان سے فوائد نصیب ہوتے ہیں۔

marfat.com

داستان پیر چنگی کہ درعہد عمر از خداوند تعالیٰ در گورستان در روز بے نوائی چنگ میزد

ترجمہ: ایک سارنگی ساز بوڑھے کی داستان جو سیدنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بحالت مفلسی گورستان میں بیٹھ کر اللہ واسطے سارنگی بجاتا تھا۔

ربط: داستان پیر چنگی کو قصہ طوطی و سوداگر سے یہ ربط ہے کہ اس قصہ میں موتوا قبل ان تموتوا یعنی مرگ اختیاری کی ہدایت کی گئی ہے اس کے طفیل طوطی نے قفس تاجر اور تاجر نے قفس جسم عارضی سے نجات پاکر ابدی زندگی حاصل کی ہے اور پیر چنگی کو بھی اسی فانی ہونے کے باعث گناہوں سے نجات اور اس کی نیک نیتی کے سبب حیات جاودانی حاصل ہوئی۔ چنانچہ یہ باتیں اس داستان میں اچھی طرح ذہن نشین ہو جائیں گی نیز پیر چنگی کے حالات اور اس کی امداد کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے الہام سے معلوم ہو جائے گا کہ خدا اس شخص کی دونوں جہان میں مدد کرتا ہے جو اس پر پورا بھروسہ رکھے اور جس کی نیت درست اور اعتقاد مضبوط ہو۔ ایک حدیث کے یہ الفاظ ہیں۔

اللّٰهُمَّ لا تکلنی الیٰ نفسی

یعنی اے خدا تو مجھے میرے نفس
کے سپرد نہ کر۔

اور میرے تمام کاموں میں میرا سچا مددگار بن اور یہ ظاہر ہے کہ خدا کی مدد انہیں کاموں میں ہوتی ہے جو نیک نیتی سے محض خدا کے واسطے ہوں۔

marfat.com

تعارف امیر المومنین سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ

قبل از بیان داستان پیرِ جنگی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا تعارف ضروری ہے تاکہ ان کے اسلام پر جان قربان کرنے کا واقعہ ذہن میں ہو۔

جب سیّدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کلمۂ شہادت پڑھ کر اسلام قبول کر لیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم سے عرض کی کہ مجھے اجازت دیجئے کہ میں کفّار مکّہ کے اس اجتماع میں جاکر اعلان کر آؤں جہاں وہ آپ کے قتل کی خبر کے منتظر بیٹھے ہیں اور ساتھ ہی میرے جوشِ ایمان کا امتحان ہو جائے گا۔ حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو اجازت فرمادی تو آپ نے جاکر کفار مکّہ کے مجمع میں پکار کر کہا:

"حقیقت کا تمہارے سامنے اظہار کرتا ہوں۔ میں توحید و رسالت کا بدل اقرار کرتا ہوں"۔

کتاب اللہ پر قرآں پر ایمان لایا ہوں
خدائے واحد و رحمان پر ایمان لایا ہوں
کوئی جھٹلائے مجھ کو یا کرے میرا یقین کوئی
محمد ہیں رسول اللہ اس میں شک نہیں کوئی
یہ سُن کر زلزلہ سا آگیا ایوانِ باطل میں
بہت صدمہ ہوا دل کی امیدیں رہ گئیں دل میں
اٹھے سب طیش کھا کر پل پڑے اس مردِ غازی پر
کیا ان گیدڑوں نے حملہ اس شیرِ حجازی پر
مگر وہ مردِ میدانِ وفا غالب رہا سب پر
خدا غالب ہوا۔ نامِ خدا غالب رہا سب پر

marfat.com

اس کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے تمام مجمع کو شکست دے کر اور منتشر کر کے دربار نبوی میں حاضری دی جہاں پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رفقاء کے ساتھ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے منتظر تھے۔ ان رفقاء کے نام مندرجہ ذیل میں:

ام المومنین خدیجۃ الکبریٰؓ۔ زید بن حارثہؓ۔ سعید بن زیدؓ۔ فاطمہ بنت خطابؓ۔ ابو بکر بن قحافہؓ۔ علی بن ابی طالبؓ۔ نعیم بن عبداللہؓ۔ ارقم بن ارقمؓ۔ جناب بن الدولتؓ۔ بلال بن رباحؓ۔ حمزہؓ بن عبد المطلب۔ عثمانؓ بن عفان۔ حیبؓ بن سنان رومی۔ عمروؓ بن عبسہ۔ عبداللہؓ بن حذافہ۔ عثمان بن مظعون۔ خارجہ بن خلیفہ حذیفہ۔ طلحہ بن عبیداللہ۔ ابوسلمہ عبداللہ ان کی بیوی ام المومنین ام سلمہ بنت ابو اسیہ۔ حشام بن ابو حذیفہ۔ عبداللہ بن ابی ربیعہ۔ سعد بن ابی وقاص۔ مصعب بن عمر۔ زبیر بن عوام۔ سعید بن عاصی۔ عتاب بن عبید۔ جبیر بن مطعم بن عدی۔ رکانہ بن عبد عزیمہ۔ قیس بن مخرمہ۔ عوف بن اثاثہ المعروف مسطح ابو عبیدہ عامر بن عبداللہ بن جراح۔ ابو سلمہ ابو الاسود عمیر بن وقاص۔ جعفر بن ابو طالب ان کی بیوی اسماء بنت عمیس۔ واقد بن عبداللہ۔ یاسر۔ عمار یاسر۔ سمیہ بو فکیہہ لبینہ۔ نہدیہ۔ زنیرہ اور عامر غلام۔ ان میں چالیس کی تعداد عمر بن الخطاب نے پوری کی۔ پھر ان کی بیوی زینب بنت مظعون اور بیٹا عبداللہ اور عبداللہ بن مسعود مسلمان ہوئے۔ رضوان اللہ علیہم اجمعین۔

چونکہ نماز کا وقت ہو چکا تھا لوگ وضو کر رہے تھے۔ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا کہ یہ تیاری کیسی ہے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جواباً فرمایا کہ ہم کو اب نماز ادا کرنا ہے۔ جسے ہم مسجد الحرام کی بجائے اسی مکان میں ادا کرتے ہیں کیونکہ کفار مکہ مزاحمت کرتے ہیں۔ عمر فاروقؓ نے عرض کیا کہ اب عمر مسلمان ہو چکا ہے۔ عمر کی جو تلوار کفر کی حمایت میں چلتی تھی اب وہ اسلام کی حمایت میں چلتی رہے گی۔ اور خدا کے سوا اب ہمیں کسی کا خوف و خطر نہیں ہے۔ آپؐ ہم اور سارے مسلمان میرے ساتھ بیت اللہ میں چلیں۔ ہم سب وہیں نماز ادا کریں گے۔ کفار مکہ میں سے جو بھی شرارت یا مزاحمت کرے گا میں اس کا سر کاٹ کر رکھ دوں گا۔ یہ سن کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم

اس شان کے ساتھ کہ دائیں طرف حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حمزہؓ تھے۔ آپ کے آگے عمر فاروقؓ اور بائیں بازو پر حضرت سعدؓ بن وقاص۔ طلحہؓ بن عبیداللہ تھے۔ بقیہ مسلمان آگے پیچھے تھے گویا یہ ایک چاند تھا جو ان ستاروں کے درمیان روشن ہوتا ہوا بیت اللہ میں نماز ادا کرنے کے لیے جا رہا تھا اور فاروقؓ اعظم کی آج ننگی تلوار کو دیکھ کر کفر کے بادل صاف چھٹتے ہوئے نظر آ رہے تھے کسی بڑی سے بڑی طاقت کو جرات نہ تھی کہ ان ستاروں اور شمس الضحیٰ کی طرف نظر اٹھا کر تو دیکھ سکے۔ فاروقؓ اعظم کی یہ ایمانی طاقت تھی کہ آج کفار مکہ کے سامنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو لیلۃ البدر کی شکل میں مقام ابراہیم پر لا کھڑا کر دیا اور تمام مسلمانوں نے بلا خوف، نماز باجماعت ادا کی جس سے کفر کو شرمندگی کے ساتھ سرنگوں ہونا پڑا۔ بے شک ہمارا ایمان ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ مسلمان ہو چکے تھے۔ مگر بچہ ہونے کی وجہ سے اس وقت اسلام اور مسلمانوں کی وہ مدد نہ کر سکے۔ جو فاروقؓ اعظم نے کی۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اسلام لانے کے وقت دربارِ نبوی کا دروازہ بتلایا تھا مگر اس انداز سے کہ آپ نے حضرت ابوذر غفاریؓ سے وعدہ لے لیا تھا کہ اگر راستے میں تم سے کوئی پوچھے تو تم مجھے اپنا ساتھی نہ بتلانا اور جہاں میں جوتی کے تسمے کو ٹھیک کرنے کے بہانے سے ٹھہروں بس سمجھ لینا کہ یہی دربارِ نبوی ہے۔ پس معلوم ہوا کہ حضرت فاروقؓ اعظم بقول شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مراد تھے۔ آپ کو اللہ سے دعائیں کر کے مانگا تھا اور جس لیے مانگا تھا فاروقِ اعظمؓ نے فوراً ہی جرأت و بہادری کے ساتھ ایک ایک مظلوم مسلمان اور ان کی نصرت میں جان کی بازی لگا دی۔

marfat.com

سارنگی بجانے والے کی کہانی

سیدنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ایک خوش آواز سارنگی ساز رہتا تھا جس کی آواز سے بلبل بھی مست ہو جاتا تھا۔ اس کی اچھی آواز ہزاروں خوشیاں پیدا کرتی تھی۔ اس کی آواز مجمع اور مجلس کو آراستہ کرتی تھی۔ اس کا گانا مردہ جسم میں روح پھونک دینے کا سا اثر رکھتا تھا۔ اس کی آواز سے عجیب عجیب خیالات پیدا ہوتے تھے۔ جب تک وہ جوان رہا اس کی آواز بھی جوان رہی اور لوگوں کی خوشی اور مسرت کو دوبالا کرتی رہی مگر جونہی بوڑھا ہو گیا تو اس کی لطیف اور جان فزا آواز مکروہ اور دلخراش بن گئی۔ اس کی وہ آواز جو تمام دنیا کے لیے باعث رشک تھی۔ ایک بوڑھے گدھے کی سی ہو گئی۔ ایک وہ وقت تھا جب وہ اسی آواز کی قدر کی وجہ سے خوشحال اور خوش بخت تھا۔ مگر وہ جب کہ وہ بالکل کمزور اور بوڑھا ہو گیا تو روٹی کا بھی محتاج ہو گیا۔ جب اس بوڑھے سارنگی ساز نے اپنا زبون حال دیکھا تو وہ خدا تعالیٰ کے حضور گڑگڑا کر کہنے لگا۔ اے میرے خدا میں نے ستر سال تک تیری نافرمانی کی۔ حالانکہ تو نے مجھ کمینے پر بہت سی مہربانیاں کیں۔ میں ہی بدقسمت تھا کہ اپنی عیش و عیاشی میں اور اپنے غرور میں تجھے بھول بیٹھا تھا۔ اے خدا میں نے آج تک اپنے نفس کے لیے سارنگی بجائی ہے مگر اب جب تک زندہ ہوں تیری یاد میں سارنگی بجاؤں گا۔ اس بوڑھے نے سارنگی اٹھائی اور خدا کی تلاش میں مدینے کے قبرستان کی طرف آہیں بھرتا ہوا چل دیا۔ قبرستان میں پہنچ کر کچھ دیر خوب خدا کی یاد میں سارنگی بجاتا رہا۔ پھر سارنگی سرہانے رکھ کر ایک قبر پر گر پڑا۔ اسے وہیں نیند آ گئی اور بے ہوش ہو کر وہیں سو گیا۔

سیدنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خواب میں ہاتفِ غیب نے کہا کہ اے عمر (رضی اللہ عنہ) ہمارے فلاں (سارنگی والے) بندے کو نجات دلا۔ قبرستان میں جا۔ وہاں قبرستان

marfat.com

ہیں ہمارا خاص اور معزز بندہ سو رہا ہے۔ اے عمر (رضی اللہ عنہ) بیت المال سے سات سو دینار لے اور اس کے پاس لے جا اور اس کو کہہ کہ تو ہمارا خاص معزز بندہ ہے۔ یہ سات سو دینار تمہارے گانے کا عوض ہے۔ انہیں لے اور خرچ کر۔ جب تم سے ختم ہو جائیں تو پھر ہمارے پاس آ۔

سیدنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ خواب سے بیدار ہوئے اور دینار لے کر قبرستان کی طرف دوڑے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تمام قبرستان میں دوڑتے رہے مگر وہاں سوائے اس بوڑھے سارنگی ساز کے اور کوئی بھی نہ تھا۔ انہوں نے دل میں سوچا کہ خدا نے فرمایا کہ ہمارا ایک پاک شائستہ اور مبارک بندہ ہے مگر یہ ستار بجانے والا بوڑھا خدا کا خاص کیسے ہو سکتا ہے؟ ایک دفعہ وہ پھر قبرستان کے ارد گرد دوڑے کہ شاید خدا کا خاص بندہ مل جائے دوسری بار بھی ان کو بوڑھے کے بغیر کوئی نہ ملا اور ان کو یقین ہو گیا کہ اس بوڑھے کے سوا اور کوئی دوسرا نہیں۔ سیدنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس بوڑھے کے پاس آئے اور نہایت ادب سے بیٹھ گئے۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ وہاں بیٹھے تو ان کو چھینک آئی اور بوڑھا جاگ اٹھا۔ اس نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھا اور حیران ہو کر کانپنے لگا۔ اس نے وہاں سے جانے کا ارادہ کر لیا حضرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس بوڑھے کے چہرے کو دیکھا کہ وہ بہت حیران اور شرمندہ ہو گیا ہے اور اس کا چہرہ زرد ہو گیا ہے۔ حضرت عمرؓ نے اس سے کہا۔ مت ڈر اور مت بھاگ۔ کیونکہ میں خدا کی طرف سے تمہارے لیے خوشخبری لایا ہوں تو میرے پاس بیٹھ تاکہ میں تجھے خوش قسمتی کا راز بتاؤں۔ خدا تجھے سلام کہتا ہے اور پوچھتا ہے کہ بے شمار غموں اور رنجوں سے تیرا کیا حال ہے۔ تو اپنے گانے بجانے کا معاوضہ یہ چند درہم لے اور انہیں خرچ کر۔ جب ختم ہو جائیں تو پھر یہیں آ جانا۔ جب بوڑھے نے یہ سنا تو کانپ اٹھا اور چلا کر کہنے لگا؛

اے بے مثال خدا میں شرم سے نڈھال اور پانی پانی ہو گیا ہوں۔ وہ بوڑھا شرمساری

marfat.com

کی وجہ سے اتنا رویا کہ اس کی حالت تبدیل ہوگئی۔ اس نے اپنی سارنگی زمین پر دے ماری اور ٹکڑے ٹکڑے کر دی اور سارنگی سے مخاطب ہو کر کہا۔ اے سارنگی تو میرے لیے خدا کے درمیان حجاب ہے تو ہی دراصل میرے لیے راہزن ہے۔ تو نے ستر سال تک میرا خون پیا ہے۔ پھر کہنے لگا:

اے خدا تو میرے گناہوں میں گذری ہوئی عمر پر رحم فرما۔ تو نے مجھے وہ عمر دی جس کے ایک دن کی قیمت دنیا میں کوئی نہیں جانتا۔ اے خدا میں نے اپنی عمر کا لمحہ لمحہ خرچ کر دیا اور تمام قیمتی عمر موسیقی میں ضائع کر دی۔ افسوس کہ میں راگ کے نشے میں انجام کو بھول چکا تھا۔ اے خدا میں صرف تجھ سے ہی اپنا انصاف چاہتا ہوں چنانچہ اسی طرح وہ بوڑھا روتا اور چلاتا رہا۔

سیدنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو کہا:

اے بوڑھے تیرا یہ رونا بھی تیری عقلمندی اور ہوشیاری کی علامت ہے تو اپنے ماضی اور مستقبل کو خدا تعالیٰ کے حوالے کر دے۔ وہ بوڑھا ایک تر و تازہ روح کی طرح رونے اور ہنسنے سے خاموش ہوگیا۔ اس کی ظاہری جان چلی گئی اور ایک باطنی جان اس میں پیدا ہوگئی۔ اس کی موجودہ زندگی اور گذشتہ زندگی میں زمین و آسمان کا فرق پیدا ہوگیا۔ وہ سراسر خدا تعالیٰ کے جمال میں غرق ہوگیا۔ جب بوڑھے کی حالت یہاں تک پہنچی تو بوڑھا اور اس کی جان حیرت کے دریا میں غرق ہوگیا اور ہمیشہ کے لیے ترک دنیا یعنی وصال حق سے سرشار ہوگیا۔

فوائد: ۱۔ عاجزی و انکساری ہی اللہ تعالیٰ کو پسند ہے۔

۲۔ دنیا میں کتنے ہی مصائب آئیں رحمت حق سے ناامید نہ ہو۔

۳۔ ہزاروں سال تک گمراہی کے بعد بھی اگر انسان اپنے کیے پر پچھتائے اور آئندہ کے لیے خدا کے سامنے سربسجود ہو جائے تو وہ خدا کا برگزیدہ ہو جاتا ہے۔

marfat.com

سارنگی ساز ستر برس تک خدا کی یاد سے غافل رہا مگر جونہی اس نے خدا کی درگاہ میں اپنی عاجزی و انکساری ظاہر کی۔ خدا کی مہربانیاں اور رحمتیں نازل ہوگئیں۔ انسان کو چاہیئے کہ وہ اپنے کسی کرتب اور کمال کو نشے میں اپنے حقیقی معبود کو نہ بھولے۔ یادِ خدا میں گریہ و زاری کرنے سے انسان کو اپنی منزل کا صحیح راستہ دکھائی دینے لگتا ہے۔ اسی پہ پلیے فرماتا ہے: ؏

باز آ باز آ ہر آنچہ ہستی باز آ

marfat.com

آں شنیدستی کہ در عہد عمر
۱۔ بود چنگی مطربے با کر و فر

بلبل از آواز او بے خود شدے
۲۔ یک طرب ز آواز خویش صد شدے

۱۔ ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے کے ایک سارنگی ساز مراسی کی کہانی تو نے سنی ہے جو کہ بڑی آن والا تھا۔

شرح: با کر و فر سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ چنگ نواز بڈھا پہلے بڑے ساز و سامان والا تھا مگر جب اس پر مفلسی آئی تو قبرستان میں جا بیٹھا اور یہ ارادہ کر لیا کہ میں بے مزدوری لیے اللہ واسطے لوگوں کو چنگ سنایا کروں گا۔ یہ شخص گو اپنے فعل کی برائی سے جاہل تھا لیکن چونکہ نیت اچھی رکھتا تھا اس لیے اللہ نے اس پر رحم کیا۔

تحقیق: شراح نے لکھا کہ وہ سارنگی ساز فعل کی برائی سے جاہل تھا لیکن نیک نیتی کا اسے صلہ ملا۔ لیکن میرا ذوق کہتا ہے کہ وہ فعل برا نہیں بلکہ مباح تھا اگر ایسا ہے تو پھر تمام برے اعمال نیک نیتی سے صالح ہوں۔ حالانکہ ایسا نہیں۔

۲۔ اس کی آواز سے بلبل بے خود ہو جاتا تھا اور اس کے نغمہ سے ایک خوشی سو گنا زائد ہو جاتی تھی۔

شرح: اس کی آواز سے بلبل باوجود خوشنوائی کے بے خود ہو جاتا تھا اور ذوق و شوق میں دگنا اضافہ ہو جاتا تھا غرضیکہ وہ بہت بڑا بہترین خوش آواز اور نغمہ سنج تھا کہ دوسرے خوشنوا اسے اپنا امام فن مانتے تھے۔

marfat.com

۳ — مجلس و مجمع دمش آر استے
وز نوائے او قیامت خاستے

۴ — ہمچو اسرافیل کا وازش بفن
مردگان را جان در آرد در بدن

۳۔ ترجمہ: اس کی آواز مجلس و مجمع کو رونق دیتی اور اس کی نان سے قیامت برپا ہوتی تھی۔
شرح: دم بمعنی آواز۔ یعنی اس کی آواز باعث آرائش انجمن تھی۔ جو محفلوں میں قیامت برپا کر دیتی تھی۔ یا یہ معنی ہیں کہ جس طرح قیامت کے دن روحیں نئے سرے سے جسموں میں آجائیں گی اسی طرح اس کی آواز دلوں میں نئی طرح کے ذوق و شوق پیدا کرتی تھی۔ یا یہ مطلب ہے کہ جس طرح قیامت کے دن ہر روح اپنے خاص جسم کو ڈھونڈ لے گی۔ اسی طرح اس کی آواز کے اثر سے ہر طالب اپنے مطلوب کو اور ہر عاشق اپنے معشوق کو ڈھونڈتا تھا کیونکہ سماع اور خوش آوازی میں مطلوب کے یاد دلانے کا اثر بالخاصہ ہے اس سے صوفیا کرام کے سماع کی اباحت کا پتہ چلتا ہے لیکن وہ سماع جو صوفیانہ ہو سو فیا نہ ہو تو ناجائز ہے۔

۴۔ ترجمہ: اس کی آواز اسرافیل کی طرح اپنے فن میں مرے مُردوں کے جسموں میں جان ڈالتی تھی۔
شرح: فن بمعنی صنع قدرت الٰہی۔ یعنی جس طرح حضرت اسرافیل کی آواز فعل قدرت الٰہی کے باعث صور پھونکنے کے وقت تمام مردوں کی روحوں کو جسموں میں داخل کر دے گی۔ اسی طرح اس کی آواز مردہ دلوں کو زندگی اور افسردہ خاطروں کو تازگی دیتی تھی۔ سینوں میں مسرت تازہ اور دلوں میں جدید شوق پیدا کرتی تھی۔

(بقیہ بر صفحہ آئندہ)

marfat.com

۵ــــــــ یا رسائل بود اسرافیل را
کز سماعش پر بر ستی فیل را

صفحہ گذشتہ سے:

یعنی جس طرح حضرت اسرافیلؑ کی آواز قیامت کے دن صور پھونکنے کے وقت تمام مردوں کی روح داخل کر دے گی اسی طرح اس کی آواز اپنے فن میں ایسا کمال رکھتی تھی کہ جس سے مردہ دلوں کو زندگی اور روح کو مسرت پہنچتی تھی۔

۵۔ ترجمہ: یا (اس کی آواز) اسرافیلؑ کے پیغام تھے کہ جس کے سننے سے ہاتھی کے پر نکل آتے تھے۔

شرح: لفظ رسائل یا تو جمع رسالت ہے بمعنی مکتوبات و نامہ ہا و پیغامہا۔ یعنی اُسکی آواز مردوں کے زندہ کرنے میں گویا اسرافیل کے پیغام تھے جن کے سننے سے ہاتھی کے پر نکل آتے تھے یعنی ذوق و شوق صد چند ہو جاتا تھا۔ یا یہ سمجھئے کہ لفظ یار موصوف ہے اور سائل اس کی صفت یعنی اس کی آواز اسرافیلؑ کا یار سوال کنندہ تھی۔ مطلب یہ کہ اس کی آواز نے مردوں کے زندہ کرنے کی صفت کو اسرافیل سے لبطور مستعار مانگ رکھا تھا۔ یا لفظ سائل سیلان سے مشتق ہے یعنی اس کی آواز اسرافیلؑ کا ہمدم اور اس کے پاس آنے جانے والا یار تھا اور زندہ کر دینے کی صفت اس میں اثر صحبت اسرافیل سے پیدا ہو گئی تھی۔ بعض نسخوں میں "یا سیلے بود اسرافیلؑ را" ہے۔ اس صورت میں معنی ظاہر ہیں کیونکہ سیل بمعنی ہمزبان ہے۔ اس کو یا رسائل پڑھ کر یار کو موصوف اور سائل کو اس کی صفت ماننا مہمل معلوم ہوتا ہے اور اس سے کچھ مطلب نہیں نکلتا۔ رسائل لفظ رسیل کی جمع ہے۔ جس کے معنی ہمزبان کے ہیں لیکن یہ ترکیب درست نہیں کیونکہ فاعل کی جمع فعیل نہیں آتی۔ ہماری رائے میں

(بقیہ بر صفحہ آئندہ)

marfat.com

یا چو داؤد از خوشے نغمہا
۶ — حال سرائدے سوے بستان خدا

سازد اسرافیل روزی نالہ را
۷ — جان دہد پوشیدہ صد سالہ را

صفحہ گذشتہ سے :

اس شعر کا یہ مطلب صحیح ہے۔ گو شاعرانہ مبالغہ سے خالی نہیں کہ اس بوڑھے چنگ نواز کی آواز گویا حضرت اسرافیل کے پیغام تھے جس کے سننے سے مردہ زندہ ہوتے اور ہاتھی کے پر لگ جاتے تھے۔ خلاصہ یہ کہ انسان تو انسان حیوان بھی اس کی آواز سے بیخود ہو کر کودتے اور رقص کرنے لگتے تھے۔

۶۔ ترجمہ: وہ اس کے نغمے داؤد علیہ السلام کے نغموں جیسے تھے کہ ارواح کو باغ الٰہی کی طرف لے جاتے تھے۔

شرح: بستانِ خدا سے انسان کا اصلی وطن مراد ہے۔ (امداد)

۷۔ ترجمہ: جس دن حضرت اسرافیلؑ آواز دیں گے تو سو برس کے بوسیدہ جسموں میں جان پڑ جائے گی۔

شرح: بوسیدہ بمعنی کہنہ و فرسودہ۔ دراصل بیلے تے فارسی ہے مگر بائے عربی کے ساتھ مشہور ہو گیا ہے یعنی جس طرح اسرافیل کی آواز ایک دن پرانی اور ریزہ ریزہ ہڈیوں میں جان ڈال دے گی اسی طرح اس کی آواز کا حال تھا۔ ان اشعار میں پیر چنگی کی آواز کی صفت میں شاعرانہ مبالغہ کیا گیا ہے۔

marfat.com

۸ — اولیا را در درون ہم نغمہاست
طالباں را زاں حیات بے بہاست

۹ — نشنود آں نغمہا را گوشِ حس
کز ستمہا گوشِ حس باشد نجس

---

۸ - ترجمہ : اولیاؤں کے دلوں میں بھی نغمے ہیں ۔ طالبوں کو جن سے بیش قیمت زندگی ملتی ہے ۔

شرح : یعنی انبیاء و اولیاء کے ظاہری نغمے یعنی احادیث و ملفوظات جن پر خلق خدا کی ہدایت منحصر ہے لیکن ان کے علاوہ انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے باطنی نغمے یعنی اسرار و معارف بھی عنایت ہوتے ہیں جن سے طالبان حق کو جاودانی زندگی نصیب ہوتی ہے۔ بوڑھے کے نغمہ کے ذکر سے مولانا قدس سرہٗ نے اولیاء کے دل کے نغموں کا ذکر شروع فرمایا ہے

ف : ظاہر نغموں سے کلام لفظی اور باطنی سے کلام نفسی مراد ہے بعض نسخوں میں اولیاء کی بجائے لفظ انبیاء ہے ۔

۹ - ترجمہ : ان نغموں کو گوشِ حس سے نہیں سنا جا سکتا کہ سخن سے گوشِ حس نجس ہو جاتا ہے ۔

شرح : یعنی انبیاء و اولیاء کے نغموں کو ظاہری کان نہیں سن سکتے کیونکہ یہ کان دنیوی باتیں اور ناجائز نغمے سنتے سنتے نجس ہو گئے ہیں ۔ کلام نفسی جو سراسر پاک ہے ناپاک کانوں میں نہیں سما سکتا ۔

marfat.com

۱۰ــــــ
نشنود نغمہ پری را آدمی
کو بود اسرار پنہاں عجمی

۱۱ــــــ
گرچہ ہم نغمہ پری زیں عالم ست
نغمہ دل برتر از ہر دو دم ست

۱۰۔ ترجمہ: پری کے نغمہ کو آدمی نہیں سُن سکتا کیونکہ وہ پریوں کے بھید سے ناواقف ہوتا ہے۔

شرح: یہ شعر مضمون سابق کی توضیح ہے۔ بطور تمثیل۔ یعنی چونکہ آدمی پریوں کے اسرار سے ناواقف ہے اس لیے ان کے نغموں کو نہیں سن سکتا۔ علیٰ ہذا القیاس نافہم اشخاص سے یہ بات بالکل بعید ہے کہ وہ اولیا کے اسرار اور ان کے باطنی نغموں سے واقف ہو سکے

۱۱۔ ترجمہ: اگرچہ پری کا نغمہ بھی اسی عالم کا ہے لیکن دل کا نغمہ ان دونوں سے برتر ہے۔

شرح: اس شعر کا پہلا مصرعہ گذشتہ شعر کے پہلے مصرعہ سے متعلق ہے یعنی اگرچہ نغمۂ پری بھی اسی جہان دنیا میں موجود ہے لیکن عدم جنسیت کے باعث آدمی اسے ہرگز نہیں سن سکتا۔ پھر نغمۂ باطنی تو ان دونوں نغموں یعنی آدمی اور پری کی باتوں سے برتر ہے اسے انسان کب سن سکے گا۔

نکتہ: انسان کامل کا نغمہ چونکہ عالم ملکوت سے تعلق رکھتا ہے اسی لیے نغمہ پری سے برتر ہے یہ بھی یاد رہے کہ نغمہ باطنی کی کیفیت گوش دل سے اور گوئیندہ کی حقیقت نور باطن سے معلوم ہو سکتی ہے۔ گوش حسی اور عقل انسانی ان اسرار کے سمجھنے سے قاصر ہے۔

marfat.com

۱۲ —— که پری و آدمی زندانی اند
ہر دو در زنداں ایں نادانی اند

۱۳ —— معشرالجن سورہ رحمٰن بخوان
تستطیعوا تنفذوا را بازدان

۱۴ —— سورۂ رحمٰن بخواں اے مبتدی
تاسوی بر سر پریاں مہتدی

۱۲۔ ترجمہ: آدمی اور پری ہر دونوں زندانی ہیں دونوں اس نادانی کے قیدخانہ میں سے ہیں۔

شروع: یعنی نغمہ اولیاء نغمہ انسان و پری سے اس لیے برتر ہے کہ یہ دونوں قید خانہ وجود عارضی میں محبوس اور اسیر غفلت اور اس نادانی (فریب دنیا) کے زنداں میں مقید اور آخرت سے غافل ہیں اور اولیاء اللہ ان تمام قیدوں سے آزاد ہو کر صرف اسی ایک کے ہو لیے ہیں۔ ع

بریدہ زہمہ باخدا گرفتار است

اس لیے ان کے نغمے اعلیٰ درجہ کے ہیں جن کے مطالب ہر کس نہیں سمجھ سکتا۔

۱۳۔ ترجمہ: معشرالجن کو سورۂ جن سے پڑھیے۔ تستطیعوا و تنفذوا کو پھر سمجھ لے۔

۱۴۔ ترجمہ: اے مبتدی سورۂ رحمٰن پڑھیے تاکہ تم پریوں کے بھید پر آگاہ ہو جاؤ۔

شرح: یہ مضمون سابق یعنی نغمہ ہائے اولیاء کی برتری پر قرآنی حجت ہے۔ سورۂ رحمٰن میں یہ آیت ہے: یامعشر الجن والانس ان استطعتم ان تنفذوا من اقطار السمٰوٰت والارض فانفذوا لا تنفذون الا بسلطٰن۔

marfat.com

نغمہائے اندرون اولیا
۱۵ اولا گوید کہ اے اجزاے لا

ہین ز لائے نفی سرہا برزنید
۱۶ ایں خیال و وہم سر بیرون کنید

صفحہ گذشتہ سے : یعنی اے جن و انسان کی جماعت اگر تم آسمانوں اور زمین کے کناروں سے باہر نکل جانے کی طاقت رکھتے ہو تو نکل جاؤ یا تمام علوم علویات اور سفلیات حاصل کرنے پر قادر ہو تو حاصل کر لو۔ لیکن بلا قوت و غلبہ تم ہرگز ایسا نہ کر سکو گے۔ حالانکہ تم میں نہ قوت ہے نہ غلبہ البتہ خدا کی مشیت سب کچھ کر سکتی ہے۔ یہ آیت اس بات کی طرف اشارہ کر رہی ہے کہ جب ماسوای بعض تمام جسمانیات کا علم بلا انعام الٰہی نہ کسی انسان کو ہو سکتا ہے نہ جن و پری کو تو نغمۂ اولیاء و انبیاء ان کے کانوں تک کب پہنچ سکتا ہے جو محض روحانی اور کیفیت غیبی ہے اور جب انسان نغمہ پری کو جو اسی دنیا میں موجود ہی نہیں سن سکتا تو نغمہ باطنی کو کیونکر معلوم کر سکتا ہے۔

خلاصہ : انسان گوش ظاہری کو معطل کر کے گوش باطنی پیدا کرے اور خدا سے روحانی قوت کا طالب رہے۔ ورنہ نغمۂ اندرونی سے محروم رہے گا۔

۱۵۔ ترجمہ : اولیاء اللہ کے باطنی نغمے پہلے کہتے ہیں کہ اے اجزاء خالی۔

۱۶۔ ترجمہ : خبردار تم لائے نفی سے سر نکالو۔ اسی خیال و وہم کو باہر ڈالو۔

شرح : یہ شعر قطعہ بند ہے یعنی اولیاء اللہ کے نغموں کا مضمون یہ ہے کہ اے آدمیو! تم سب کے سب دنیا میں پھنس کر عالم کون و مکان کے صدمے سہتے سہتے بوسیدہ اور نکمے ہو گئے ہو گر باطنی نغمے تمہاری پرانی ہڈیوں میں جان ڈال سکتے ہیں لیکن تم انہیں ن س سکتے بس تو وہ روح جو ہمیشہ باقی رہنے والی تھی گویا تم میں ڈالی ہی نہیں گئی اور اہل اللہ کے نزدیک تم ہنوز پیدا ہی نہیں ہوئے۔

marfat.com

۱۷ ـــــــ کار ایشانست زاں سوئے بری
گر ددت جو جوئی رہبری

۱۸ ـــــــ اے ہمہ بوسیدہ در کون و فساد
جاں باقی تا مہز پیمدو نزاد

۱۷۔ ترجمہ: ان کا کام اس کی طرف سے ہے۔ تجھ کو معلوم ہو جائے اگر تو رہبری ڈھونڈے۔

شرح: یعنی اولیاء اللہ کے جمیع افعال اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں اور جانب الہٰی تمام عیوب سے بری ہے۔ (لفظ بری صفت ترا نسو ہے) جب تو اس رستہ کو ڈھونڈے گا اور اس منزل میں پرواز کرے گا تو تجھ پر بھی اولیاء کے اسرار ظاہر ہو جائیں گے (بری جوئی پر معطوف ہے بحذف حرف عطف) نیز ممکن ہے کہ پہلے مصرعہ میں پری بیائے فارسی ہو اور دوسرے میں بیائے عربی یعنی اولیاء کا کام اللہ تعالیٰ کی طرف سے پرواز کرتا ہے یعنی وہ عالم ملکوت سے اسرار معرفت لے کر ہر وقت دنیا کی طرف آتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ اللہ ان کے دل میں الہام کرتا ہے تو بھی اگر ان کے اسرار کو جستجوئے قلبی سے ڈھونڈیگا تو منزل مقصود کا راستہ مل جائے گا۔ اس صورت میں پری یعنی پرواز حاصل بالمصدر ہے۔

۱۸۔ ترجمہ: اے کون و فساد میں بوسیدہ لوگو، تم میں باقی رہنے والی جان پیدا نہیں ہوتی۔

marfat.com

۱۹— گر بگویم شمہ زانہا
جانہا سر بر زنند از دخمہا

۲۰— گوش را نزدیک کن کاں دور نیست
لیکن نقل بتو دستور نیست

۱۹۔ ترجمہ : اگر میں ان اولیاء کے اسرار سے ایک بیان کروں تو مردے اپنے مدفنوں سے باہر نکل آئیں۔

حل لغات : دخمہ بالفتح بمعنی گنبد مدفن۔ و گور خانہ آتش پرستان۔ یہاں مطلق قبر مراد ہے یعنی اگر نغمۂ اولیاء کا تھوڑا سا حال کہہ دیا جائے تو مردے زندہ ہو کر قبروں سے نکل آئیں۔ مطلب یہ کہ مردہ دل اولیاء اللہ کے نغموں سے نئی زندگی در جہالت کی موت کے بدلے میں حیات علمی حاصل کر سکتے ہیں۔

۲۰۔ حل لغات : گوش سے گوش دل اور نزدیک کرنے، صاف کرنا مراد ہے اس لیے کہ اس طرح سے معانی غیب سے قریب تر ہو جاتے ہیں۔ لفظ دستور بمعنی قاعدہ و آئین و رخصت یہاں سب معانی صحیح ہیں۔

ترجمہ (۲۰) : دل کے مکان کو صاف کر اس لیے کہ وہ دور نہیں ہے لیکن اسے دوسروں تک نقل کرنے کی اجازت نہیں۔

شرح : نغمۂ اسرار اگر سننے کی تمنا ہو تو اسے دل کے کانوں کو صاف کرنے کے بعد سُنا جا سکتا ہے اور فی الواقع وہ نغمات اتنا دور بھی نہیں صرف کانوں پر غفلت کے پردے پڑے ہیں اور یہ ظاہری کان ان کے سننے کے اہل نہیں اور نہ انہیں ایسی طاقت حاصل ہے۔

دوسرے مصرعہ میں بتایا گیا ہے کہ جب تمہیں یہ اسرار حاصل ہو جائیں تو پھر انہیں

marfat.com

۲۱۔ ہین کہ اسرافیل وقت اند اولیا
مردہ از زیشاں حیاتست و نما

۲۲۔ جانہائے مردہ اندر گور تن
بر جہد ز او از شان اندر کفن

صفحہ گذشتہ سے: دوسروں تک پہنچانے کی اجازت نہیں۔ اس شعر میں مصرعہ اوّل کا موضوع وہی ہے جو ہم کہتے ہیں کہ اللہ والوں کے لیے قرب و بعد کی کوئی قید نہیں۔ وہ دور والی آواز کو بھی قریب سنتے ہیں اور قریب والی تو قریب ہے ہی۔ جیسا کہ ہمارے اکابر کی تصانیف اور فقیر اویسی کی کتاب "حاضر و ناظر" میں تصریحات موجود ہیں۔ دوسرے مصرعہ کا معنی ظاہر ہے کہ جب اسرار ربانی کسی کو نصیب ہو جاتے ہیں پھر اسے دوسروں تک بلا اجازت پہنچانے کی اجازت نہیں ہوتی۔ حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

کانرا کہ خبر شد خبرش باز نیامد

۲۱۔ ترجمہ: اولیاء اللہ وقت کے اسرافیل ہیں مُردے کو ان سے حیات و نمو ملتی ہے۔

شرح: یعنی اولیاء اسرافیل وقت ہیں جو مُردگان غفلت و جہل کو علم معرفت کی زندگی عنایت فرماتے ہیں اور در حقیقت حقیقی زندگی یہی ہے جو بطفیل اولیاء اللہ طالبان حقیقت کو ملتی ہے۔

۲۲۔ ترجمہ: مردہ جانیں بدن کی قبروں میں ان کی آواز سے کفن میں متحرک ہوتے ہیں۔

شرح: جانہائے مردہ سے مردگان جہل اور کفن سے غفلت مراد ہے یعنی اولیاء کی آواز سن کر وہ روحیں جو جہالت کی موت مرکر قبر میں دفن ہیں کفن سے باہر نکل آتی ہیں اور غفلت کو چھوڑ کر نئی زندگی حاصل کر لیتی ہیں۔

marfat.com

۲۳ — گویداین آواز اوا ہا جداست
زندہ کردن کار آواز خداست

۲۴ — ما بمردیم و بکلے کاستیم
بانگ حق آمد ہمہ برخاستیم

۲۳۔ ترجمہ: کہتا ہے کہ آوازیں دیگر آوازوں سے جدا ہے۔ زندہ کرنا خدا تعالیٰ کی آواز کا کام ہے۔

شرح: لفظ اوا ہا آواز ہا کا مخفف ہے اور گوید کا فاعل وہی مردہ ہے وہی جو نغمہائے اولیا سے زندہ ہوا ہے یعنی جو شخص کلام اولیاء سے زندہ ہوگیا ہے وہ کہتا ہے کہ یہ آواز جس نے مجھے زندہ کیا ہے انسانی آواز سے جدا ہے کیونکہ زندہ کرنا آواز خدا کا کام ہے تو بس گویا اولیاء کا کلام درحقیقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔

۲۴۔ ترجمہ: ہم مرگئے اور بالکل فنا ہو گئے۔ خدا کی آواز آئی اور ہم تمام اٹھ کھڑے ہوئے۔

شرح: یہ بھی انہیں زندہ ہونے والوں کا کلام ہے۔ جو یہ کہتے ہیں کہ ہم تو جہل کی موت کے سبب مردہ ہو گئے اور بالکل فنا ہو گئے تھے مگر جب حق کی آواز جس سے کلام اولیاء مراد ہے ہمارے کانوں میں پہنچی تو ہم کو حیات علمی عطا ہو گئی یا یہ کہ ہمیں کلمات کاملین نے جہالت کی موت سے بچا لیا ورنہ ہمارے مرجانے میں کوئی شک نہیں تھا۔

marfat.com

۲۵ — بانگ حق اندر حجاب و بے حجیب
آن دہد کو داد مریم را ز غیب

۲۶ — اے فناتا نیست کردہ زیر پوست
باز گردید از عدم ز آواز دوست

۲۵۔ ترجمہ : حق کی آواز بے پردہ اور بے حجاب وہ عطا کرتی ہے جو مریم کو غیب سے عطا کیا تھا
شرح : لفظ حجیب حجاب کا امالہ ہے ۔ آواز حق کو ظاہر و باطن اس لیے کہا گیا کہ وہ دو طور پر ہوتی ہے ایک بالواسطہ اور دوسری بلاواسطہ ۔ بالواسطہ وہ جو بذریعہ فرشتہ سنائی دے اس کو وحی کہتے ہیں۔ دوسری بلاواسطہ وہ جس کو القا یا الہام کہتے ہیں ۔ اوّل انبیاء سے مخصوص ہے ۔ دوسری میں انبیاء اور اولیا دونوں شامل ہیں ۔

اب مطلب یہ ہے کہ آواز حق خواہ وہ بالواسطہ ہو یا بلاواسطہ وہ برکت عطا فرماتی ہے جو حضرت مریم کو غیب سے عطا فرمائی تھی ۔ یعنی جس طرح حضرت مریم کے قلب کو نور نبوت عیسوی سے اور شکم مبارک کو مولود مسعود سے پُر نور کیا تھا اسی طرح انبیاء اور اولیاء کے قلوب کو کلامِ نفسی سے منور بناتی ہے ۔

۲۶۔ ترجمہ : اے کہ تم زیر پوست فنا نہیں ہوتے ہو، عدم سے دوست کی آواز کے ساتھ پھر لوٹ آؤ ۔
شرح : یعنی انبیاء اور اولیاء کی آواز ان کے صحیفے اور الہامات جو فی الواقع کلام الٰہی ہیں یہ کہتے ہیں کہ اے غافلو تم کو فنا نے جہل کے پردے میں معدوم کر دیا ہے ۔ فنا سے وہی خلو معرفت مراد ہے جس کا ذکر پہلے ہو چکا ۔ اب تم اس جہل کی موت سے حیات علمی کی طرف پھر آجاؤ اور خدا کی آواز کو جو اولیاء کی زبان سے نکل رہی ہے پہچان لو ۔ تاں بمعنی شما ۔

marfat.com

۲۷— مطلق آں آواز خود از شہ بود
گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

۲۷۔ ترجمہ: وہ آواز مطلق خدا کی ہوتی ہے اگر اس کے بندہ کے حلق سے نکلے۔

حل لغات: شہ سے اللہ تعالیٰ اور عبداللہ سے انبیاء و اولیاء مراد ہیں۔ حاجی امداد اللہ قدس سرہٗ کی مثنوی کے حاشیہ میں ہے کہ عبداللہ سے قطب الاقطاب مراد ہوتا ہے اس لیے کہ وہ عبد ذات ہوتا ہے وہ صفات کی عبدیت سے فارغ، لیکن یہاں مطلق کامل مراد ہے۔ ولی ہو یا نبی (علیہ السلام) اور مطلق آواز بمعنی کلام نفسی جو حرف و صوت کی قید سے آزاد ہے۔

شرح: یعنی انبیاء و اولیاء جو کچھ کہتے ہیں وہ اپنی طرف سے نہیں کہتے بلکہ ان کا ہر مقولہ منجانب اللہ ہوتا ہے اس لیے وہ اسی کا کلام ہے گو بندہ کی زبان سے نکلے۔

ف: اس شعر کا مصرعہ اول یوں مشہور ہے:

'گفتہ او گفتہ اللہ بود'

لیکن جیسے اکثر نسخوں میں ہے وہ بھی اس مصرعہ کے منافی نہیں بلکہ عین مناسب ہے جیسے ہمارا عقیدہ ہے۔ اولیاء اللہ خدا نہیں لیکن اس کے جلووں سے جدا بھی نہیں۔ چنانچہ احادیث کا خلاصہ مولانا قدس سرہٗ ذیل کے دو شعروں میں ملخص کرتے ہیں جو آگے آرہا ہے۔

marfat.com

۲۸ــــــــ گفت او را من زبان و چشم تو
من حواس و من رضا و خشم تو

۲۹ــــــــ رو کہ بی یَسْمَعُ وَ بِی یُبْصِرُ توئی
سر توئی چہ جائے صاحب سر توئی

۲۸۔ ترجمہ: اس سے کہہ دیا کہ میں تیری زبان اور آنکھ ہوں میں ہی جملہ حواس اور میں ہی تیری رضا اور غصّہ ہوں۔

شرح: یعنی شاہِ حقیقی نے اپنے بندۂ خاص سے کہہ دیا ہے کہ میں تیری زبان اور آنکھ ہوں اور میں ہی تیرے حواس اور تیری رضا و خشم بن جاتا ہوں۔ تیرے تمام افعال میری طرف منسوب ہیں اور اس میں شک نہیں کہ انبیاء و اولیاء کی مہربانی خدا کی مہربانی اور ان کا غضب بے شک خدا کا غضب ہے۔ اس دعویٰ کی دلیل میں مندرجہ ذیل روایات بخاری شریف اور مشکوٰۃ و دیگر صحاح ستہ میں ہیں۔

۲۹۔ ترجمہ: جا کہ تو بی یَسْمَعُ اور بی یُبْصِرُ ہے، تو ہی سر ہے بلکہ تو ہی صاحب سر ہے

شرح: یہ حدیث قدسی ہے کہ لا یزال یتقرب الی العبد بالنوافل حتی احبتہ فاذا احبتہ کنت سمعہ و بصرہ و یدہ و رجلہ و لسانہ و بی یبطش و بی یمشی و بی ینطق۔

یعنی ہمیشہ نفل پڑھنے کے ساتھ بندہ میرا مقرب ہوتا ہے یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں اور جب میں اس سے محبت کرتا ہوں تو اس کی بینائی و سماعت اور ہاتھ و پاؤں اور اعضاء ہو جاتا ہوں کہ وہ مجھ سے ہی سنتا اور مجھ سے ہی دیکھتا اور مجھ سے ہی کام کرتا

marfat.com

اور چلنا اور بولتا ہے گویا اللہ تعالیٰ اپنے کامل بندہ سے یہ کہتا ہے کہ اے انسان جا اور طلب معرفت میں کوشش کر کیونکہ تو جامع صفات اور بمصداق بے یسمع و بے یبصر ہے جیسا کہ حدیث شریف کے مضمون سے معلوم ہو چکا۔

دوسرے مصرعہ کا یہ مطلب ہے کہ تو سرالٰہی ہے باعتبار اس کے کہ اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے کہ میں مومنوں کے ٹوٹے ہوئے دلوں میں رہتا ہوں بلکہ تو عین سر ہے۔ حدیث قدسی میں یہ بھی ہے کہ:

الانسان سرّی من اسراری۔ یعنی انسان میرے اسرار میں سے ایک بھید ہے۔

انسان میں قوت محرکہ و آخذہ و متکلمہ و سامعہ وغیرہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں۔ انسان کامل انہیں عین قوائے حقیقت جانتا ہے اور اپنے آپ کو فانی، اور ناقص انسان چونکہ مشاہدۂ عین سے محروم ہے۔ اسی لیے اس قوت کو طبعی و اعتنائی خیال کرتا ہے۔ اسے یہ معلوم نہیں کہ اس کا باطن عین حق ہے۔

ف: حدیث دو قسم ہوتی ہے:

۱۔ نبوی۔

۲۔ قدسی۔

نبوی: حدیث نبوی وہ حدیث جو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہو۔

قدسی: حدیث قدسی وہ جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو۔

یاد رہے کہ یہ حدیث قدسی ہمارے مسلک اہلسنّت کے بیشمار دلائل و مسائل کی حامل ہے۔

فقیر نے اس کی تشریح میں تالیف مسمی بہ "نور الصفا فی الفناء بعد البقا" لکھی۔ اس کا مطالعہ کیجیے۔

marfat.com

تفسیر مَن کَانَ لِلّٰہِ کَانَ اللّٰہُ لَہٗ و بیان آں

۳۰۔ چوں شدی من کان للّٰہ از ولہ
حق ترا باشد کہ کان اللّٰہ لہ

ترجمہ: اس حدیث کی تفسیر کہ جو خدا کا ہو جائے خدا اس کا ہو جاتا ہے اور اس کا مفصل بیان۔

شرح: حدیث مذکورہ بالا حدیث قدسی ہے جیسا کہ ذیل کا مضمون دلالت کرتا ہے۔

۳۰۔ ترجمہ: جب تو عشق کے باعث خدا کا ہو گیا ہے تو حق بھی تیرا ہے جیسا کہ کَانَ اللّٰہُ لَہٗ سے ثابت ہے۔

شرح: وَلَہ بمعنی حیرت و استغراق و جنون و سرگشتگی و عشق یعنی اے انسان جب تو عشقِ حقیقی حیرت و استغراق کے باعث مصداق من کان للّٰہ کا ہو گیا۔ یعنی تو نے اپنے تمام امور اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیئے تو یاد رکھ کہ اللہ تعالیٰ بھی تیرا ہو گیا۔

بعض نسخوں میں حق ترا باشد کی جگہ من ترا باشم ہے۔ اس صورت میں یہ شعر گویا کلام قدرت ہے۔ بزبان مولانا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اے میرے بندہ جب تو مصداق من کان للّٰہ کا ہو گیا تو میں تیرا ہو گیا۔ کیونکہ میں نے اپنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دے دی ہے کہ مَنْ کَانَ لِلّٰہِ کَانَ اللّٰہُ لَہٗ۔ چونکہ انبیاء علیہم السلام عموماً اور رسول مقبول خصوصاً اور ان کے خلفاء مصداق مَنْ کَانَ لِلّٰہ ہیں۔ اس لیے اس حدیث سے انبیاء اور اولیاء کا اتحاد ذاتی من وجہٍ ثابت ہے مگر عبد میں چونکہ من وجہ شان عبدیت بھی ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ کبھی ان کو باعتبار اتحاد خطاب کرتا ہے اور کبھی باعتبار عبودیت۔

(البقیہ بر صفحہ آئندہ)

marfat.com

۳۱ —— گہ توئی گویم ترا گاہے منم
ہر چہ گویم آفتاب روشنم

صفحہ گذشتہ سے: خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب بندے یعنی ولی کامل کو فرماتا ہے کہ اے انسان جب تو عشقِ الٰہی کر کے حالت بیخودی و استغراق میں خدا کا ہو گیا یعنی تو نے اپنے سب کام اسی کے سپرد کر دیئے تو حدیث مذکورہ بالا کے موافق گویا خدا تیرا ہو گیا اور ہر حالت میں وہی تیرے تمام افعال کا کارساز ہوگا۔

۳۱۔ ترجمہ: کبھی میں تجھے کہتا ہوں کہ تو ہی ہے اور کبھی کہتا ہوں کہ میں ہی ہوں۔ میں جو کچھ کہوں آفتاب روشن ہوں۔

شرح: یہ قول اللہ تعالیٰ کا ہے وہ فرماتا ہے کہ اے میرے مقبول بندے کبھی میں تجھ کو توئی کہتا ہوں یعنی تجھے کبھی اپنا غیر بتاتا ہوں اور کبھی منم کہتا ہوں یعنی اتحاد کا دعویٰ کرتا ہوں چنانچہ آیات: انک لا تھدی الخ اور واللہ یعلم انک لرسولہ مغایرت پر دلالت کرتا ہے اور ما رمیت اذ رمیت اتحاد پر۔ بلکہ اس میں اثبات مغایرت اور وحدت دونوں پائے جاتے ہیں اور دوسرے مصرعہ کا یہ مطلب ہے کہ جو کچھ میں کہوں میرے لائق ہے کیونکہ میں آفتابِ روشن ہوں لیکن شہود کثرت مانع شہود وحدت نہیں ہو سکتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء اور اولیاء کا اللہ کی طرف بلانا گویا اللہ تعالیٰ ہی کا بلانا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے: وَاللّٰہُ یَدْعُوْا اِلٰی دَارِ السَّلَامِ اور اتحاد حقیقی پر یہ آیت بھی دلالت کرتی ہے: اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰہَ۔ یعنی اے پیغمبر جو لوگ تم سے بیعت کرتے ہیں اس سے اتحاد کے معنی صاف ظاہر ہیں اور پہلی آیتوں کا یہ مطلب ہے کہ اے نبی تم جس کو چاہو ہدایت نہیں کر سکتے البتہ خدا جس کو چاہے ہدایت دے سکتا ہے اور خدا خوب جانتا ہے معلوم ہوتا ہے کہ خدا اور چیز ہے اور نبی اور شے۔

marfat.com

۳۲ــــــــ
ہر کجا تابم ز مشکوٰتت دمے
حل شد آنجا مشکلات عالمے

۳۲۔ ترجمہ : جس جگہ دریچہ سے میں ایک دم چمکوں ، اس جگہ ایک عالم کی تمام مشکلات حل ہو جائیں ۔

حل لغات : مشکوٰۃ بمعنی طاق جس کا ترجمہ ہم نے دریچہ کیا ہے۔ قاعدہ ہے کہ مکان میں سورج کی روشنی دریچہ یا روشندان سے پڑتی ہے چونکہ اس سے پہلے شعر میں گویا اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو آفتاب سے تشبیہہ دی ہے ۔ اسی لیے یہاں دریچہ کے ذریعے سے اپنی روشنی ڈالنے کی طرف اشارہ کیا ہے ۔ دریچہ سے مراد مظہر ہے ۔

شرح : یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں جس مظہر میں اپنے اسماء صفات کے ساتھ تھوڑی دیر کے لیے تجلی کرتا ہوں تو اس کی تمام مشکلیں حل ہو جاتی ہیں۔

حل مشکلات عالم کے یہ معنی ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ صفت محیؔ کے ساتھ ظاہر ہوتا ہے تو زمین سے نباتات پیدا ہوتے اور بچہ پر ماں کے پیٹ سے صحیح و سالم نکلنے کی مشکل آسان ہو جاتی ہے ۔ اور جب صفت ممیت کے ساتھ ظاہر ہوتا ہے تو جانکنی کی اور جب صفت ودود کے ساتھ ظاہر ہوتا ہے تو عشق کی اور جب صفت رزاق کے ساتھ ظاہر ہوتا ہے تو فقر و احتیاج کی مشکل حل ہو جاتی ہے ۔ وغیرہ ۔

marfat.com

۳۳ — ظلمتے را کافتابش بر نداشت
از دم گردد آں ظلمت چو چاست

۳۴ — ہر کجا تاریکی آمد ناسزا
از فروغ ما شود شمس الضحیٰ

۳۳۔ ترجمہ: وہ ظلمت جس کو آفتاب دور نہیں کر سکتا۔ ہمارے دم سے ایسی ظلمت چاشت کی طرح روشن ہو جاتی ہے۔

شرح: تاریکی اور ظلمت سے کفر وعصیاں اور جہالت کے اندھیرے مراد ہیں جن کو آفتاب فلک کی روشنی زائل نہیں کر سکتی اور فروغ ما اور دم ما بمعنی ارشادات انبیا و خلفا و ملفوظات اولیاء و کلمات انسان کامل ہیں کیونکہ یہ لوگ کامل طور پر مظہر اسمائے صفات اور آفتاب توحید ہیں۔ ان کا قول مقولہ حق ہے اس صورت میں یہ معنی ہیں کہ انبیاء کے ارشادات اور اولیاء کے ملفوظات اندھیروں کو آفتاب روشن اور ظلمت کو سراسر نور بنا دیتے ہیں اور اگر ان دونوں شعروں کو مقولہ حق کہا جائے تو مطلب خود ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ادنیٰ تجلی تمام ظلمتوں کو دفع اور اس کا دم یعنی کلام تمام اندھیروں کو زائل کرنیوالا ہے۔

۳۴۔ ترجمہ: جس جگہ نامبارک تاریکی پھیل گئی ہو، ہمارے فروغ سے وہ جگہ ایک پہر دن چڑھے کے موافق ہو جاتی ہے۔

شرح: ضحٰی بمعنی چاشت جس سے ایک پہر یا سوا پہر دن چڑھا ہوا مراد ہے چونکہ اس وقت آفتاب کی روشنی روبہ ترقی ہوتی ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جس جگہ جس مظہر میں نامبارک تاریکی پھیل گئی ہو یعنی لوگوں میں کیسی ہی کفر و جہالت سرایت کر گئی ہو ہمارے فروغ سے وہ سب اس طرح روشن ہو سکتی ہے۔ جیسے شمس الضحیٰ چاشت کے وقت کا آفتاب تیز اور روشن ہو جاتا ہے۔

marfat.com

۳۵ ——— آدمی را او ز خویشش اسما نمود
دیگران را ز آدم اسما میکشود

۳۶ ——— خواہ از آدم گیر نورش خواہ ازو
خواہ از خم گیری خواہ از سبو

۳۵۔ ترجمہ: آدمی کو ہی اس نے اسماء سکھائے دوسروں کو آدمی سے وہ اسماء مکشوف ہوئے۔

شرح: یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم (انسان کامل) کو اپنے اسمائے حسنیٰ بذاتہٖ معلوم کرائے (بخویش بمعنی بنفسہ ہے) اور انسان غیر کامل کو اسی انسان کامل کے ذریعہ سے بتائے نتیجہ یہ نکلا کہ تمام رسول اور ان کے سچے جانشین یعنی خلفاء واولیا خلیفۃ اللہ اور حق وخلق کے مابین بمنزلہ برزخ ہیں کیونکہ انسان کامل کا مقولہ گویا فرمان الٰہی ہوتا ہے اگرچہ انسان کامل یعنی اولیاء وانبیا صورت میں مختلف اور متعدد ہیں مگر حقیقت میں سب متحد ہیں۔ سب کا کلام کلام الٰہی ہے۔ اسی لیے ایک نبی کا منکر گویا سب کا منکر ہے کیونکہ خاتم النبیین تک تمام انبیاء نے وہی کلام الٰہی سنایا ہے جو اوّل اوّل حضرت آدم علیہ السّلام نے سنایا تھا۔ کلامِ الٰہی میں اگر امتیوں نے تصرف نہ کیا ہو تو خواہ اس کا نام توریت ہو یا انجیل، یا زبور ہو یا قرآن، سب کو یکساں ہدایت کرسکتا ہے۔ کیونکہ حقیقت انبیا باعتبار اشاعت توحید وہدایت بالکل متحد ہے اور اسی اتحاد معنوی کو آئندہ دو شعروں میں بطور تشبیہ بیان کیا گیا ہے۔

۳۶۔ ترجمہ: وہ نور آدم علیہ السلام سے لو یا خود ذات سے پانی خم سے لو یا مٹکے سے۔

marfat.com

۳۷ —— کین کدو باخم بہ پیوست ست سخت
نے چو تو شاد آں کدوے نیک بخت

۳۸ —— نور خواہ از مہ بجو خواہی ز خور
نورِ مہ ہم ز آفتابست اے پسر

۳۷۔ ترجمہ : اس لیے کہ کدو کو خم سے قوی رابطہ ہے۔ کدو نیک بخت تیری طرح خوش نہیں۔

شرح : کدو سے ذات انبیا و اولیاء اور خم سے ذات جناب باری تعالیٰ مراد ہے تو جس طرح یہ ظاہری کدوئے شراب خم کے ساتھ محکم رابطہ رکھتا ہے اور اسی سے فیضیاب ہوتا ہے اسی طرح انبیاء و اولیاء اللہ تعالیٰ سے فیضیاب ہوتے ہیں تو انہیں اس سے جدا نہ سمجھ۔

دوسرے مصرعہ کا مطلب یہ ہے کہ وہ تیری طرح دنیوی وجسمانی لذائذ سے خوش نہیں بلکہ فنا ہو گئے ہیں اور بحر وحدت میں مستغرق ہیں۔ اسی لیے تم پر لازم ہے کہ اس کدوے شراب کو پی اور اس سے یہی سمجھ کہ میں حقیقت سے یہ شراب حاصل کر رہا ہوں۔

خلاصہ یہ کہ آدم یعنی انسان کامل سے نور حاصل ہو یا بلا واسطہ دونوں برابر ہیں۔ اس لیے مقصد یہ ہوا کہ جیسے کوئی شخص مٹکے کو انڈیل کر شراب پیئے یا پیالہ میں لے کر، ان میں فرق صرف نام کا ہو گا لیکن کام ایک ہے ایسے ہی انبیاء و اولیا، جو کچھ کہتے ہیں وہ دراصل کلام الٰہی ہوتا ہے۔

۳۸۔ ترجمہ : نور چاند سے لو یا سورج سے (ایک بات ہے) اس لیے کہ چاند کا نور بھی سورج کا نور ہے۔

شرح : یعنی کوئی شخص نہر میں سے پانی پیئے یا ٹھلیا میں سے ایک ہی بات ہے

marfat.com

۳۹ــــــــ مقتبس شوز و وچون یابی نجوم
گفت پیغمبر کہ اصحابی نجوم

۳۹۔ ترجمہ: جلدی نور حاصل کر اگر تو ستاروں کو پائے۔ پیغمبر خدا نے اصحاب کو نجوم قرار دیا ہے۔

شرح: یعنی حضرت رسول خدا شمس ہدایت ہیں اور انبیاء اولیاء سب آپ کے نور سے نور اقتباس کرتے ہیں۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے:

اصحابی کالنجوم بایہم اقتدیتم اهتدیتم — یعنی میرے اصحاب ستاروں کی مانند ہیں اے لوگو تم ان میں سے جس کی پیروی کرو گے سیدھا راستہ پاؤ گے۔

یہاں سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ آں سرور کائنات آفتاب ہدایت ہیں اور تمام انبیاء اور اولیاء اسی آفتاب سے روشنی حاصل کرنے والے۔ ان کا اتباع گویا اتباع پیغمبر ہے مگر چونکہ اس زمانہ میں صحابہ موجود نہیں ہیں۔ اس لیے لفظ نجوم سے اولیاء مراد لے کر مولانا رحمۃ اللہ علیہ عام طور پر تاکید فرماتے ہیں کہ اے شخص جہاں کہیں تجھے اولیاء مل جایا کریں ان سے فی الفور باطنی نور حاصل کیا کر۔ کیونکہ اولیاء صحابہ کے مطیع ہوتے ہیں بلکہ یوں سمجھنا چاہیئے کہ اہل باطن کے نزدیک چونکہ اولیاء روحانی طور پہ حاضرین محفل نبوت سے ہیں۔ اس لیے صحابہ کا حکم رکھتے ہیں اور اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے کہ:

من رانی فی المنام فکانما رأنی فی الیقظة — رسول اللہ صلعم فرماتے ہیں کہ جس نے مجھے خواب میں دیکھا گویا بیداری میں دیکھ لیا۔

اہل تصوف کے نزدیک خواب سے مراقبہ مراد ہے اور یہ ظاہر ہے کہ اولیاء حالت مراقبہ میں زیارت حضور سے مشرف ہوتے ہیں۔ صرف فرق اتنا ہے کہ صحابہ کرام نے جسمانیت و

البقیہ آئندہ صفحہ

marfat.com

۴۰ — گفت طوبیٰ من رآنی مصطفیٰ
ولمن یبصر لمن وجہی رآنی

۴۱ — چوں چراغے نور شمع کشید
ہر کہ دید آں را یقین آں شمع دید

صفحہ گذشتہ سے :

روحانیت ہر دونوں سے فیض پایا اور اولیاء کرام نے روحانیت سے اسی لیے انہیں صحابی کا لقب ملا اور یہ صرف ولایت سے موصوف ہوئے۔

۴۰۔ ترجمہ : حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ مژدہ باد اسے جس نے مجھے دیکھا اور اس شخص کو بھی جس نے میرے چہرے دیکھنے والے کو دیکھا۔

شرح : حدیث شریف میں ہے طوبیٰ من رآنی ، و آمن بی وطوبیٰ لمن رأی من رآنی یعنی اس کے لیے خوشحالی ہے جس نے مجھ کو یا میرے دیکھنے والے کو دیکھا۔ علماء ظاہر نے اس حدیث سے رویت چشم اور صحبت مراد لی ہے لیکن باطنی معنی یہ ہیں کہ خوشحالی ہے اس کو جس نے مجھ کو یا میرے دیکھنے والے کو چشم قلب سے دیکھا اور روحانی نسبت حاصل کی۔ یعنی یہ خوشخبری و خوشحالی صحابہ کی طرح اولیاء اللہ کو بھی شامل ہے کیونکہ اولیاء اللہ اتباع صحابہ کے باعث جز معنی یہ نہیں کہ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ظاہر صحبت نہیں رکھتے۔

۴۱۔ ترجمہ : جب کسی چراغ نے شمع سے نور لیا اور جس کسی نے اسے دیکھا اس نے یقیناً شمع کو دیکھ لیا۔

marfat.com

ہمچنیں تا صد چراغ از نقل شد

۴۲ ——— دیدن آخر لقائے اصل شد

خواہ از نور پسین بستان تو آن

۴۳ ——— ہیچ فرقے نیست خواہ از شمع جان

۴۲۔ ترجمہ: اسی طرح سو چراغ جو ایک دوسرے سے جلائے گئے آخر کا دیکھنا اصل کا دیکھنا ہے۔

یعنی اسی طرح اگر چراغ میں سو فتیلے لگا دیئے جائیں تو آخر کا دیکھنا گویا اوّل کا دیکھنا ہے

یعنی معلوم ہو جاتا ہے کہ تمام فتیلوں میں مادہ نور ایک ہی شمع یا ایک ہی جگہ سے آیا ہے۔ نیز یہ معنی بھی ہیں

کہ مثلاً ایک چراغ کو ایک شمع سے جلایا یا سو چراغوں کو ایک سے روشن کیا، مادہ نور سب نے ایک

ہی سے حاصل کیا ہے اور دیکھنے والا یہی کہہ سکتا ہے کہ ان چراغوں میں اسے ایک شمع سے روشنی حاصل

ہوئی ہے۔ اس صورت میں چراغ اور شمع کی تاویل بمعنی فتیلہ و موم غیر ضروری ہے اور مطلب یہ ہے کہ

نور ہدایت خواہ بذاتہٖ توفیق شمع حقیقی سے حاصل ہو یا انبیاء کے ارشادات سے یا تابعین و تبع تابعین

کے کلمات سے یا اولیاء اللہ کے ملفوظات سے سب کی اصل ایک ہے اور اولیاء کا تابع گویا انبیاء علیہم السلام

کی شمع ہدایت سے نور حاصل کرنے والا ہے اور انبیاء کا نور گویا نور الٰہی کا جلوہ ہے۔

۴۳۔ ترجمہ: خواہ تو اس کو پچھلے نور سے لے خواہ شمع جان سے کچھ فرق نہیں ہے۔

شرح: نور پسین سے اولیاء امت محمدی اور شمع جان سے شمع ذات الٰہی یا خود شمع

نور محمدی مراد ہے یعنی اے مخاطب تو ذات الٰہی سے نور ہدایت حاصل کرے یا شمع محمدی سے یا پچھلی

شمع یعنی اولیاء اللہ سے سب یکساں ہیں اور اس نور اور پاس نور میں کچھ فرق نہیں۔

marfat.com

۴۵ —— خواہ بین نور از چراغ آخرین
خواہ بین نورش ز شمع غابرین

۴۵۔ ترجمہ: خواہ چراغ آخر سے نور لے خواہ شمع اوّل سے روشنی حاصل کرے۔

شرح: چراغ اخرین سے اولیاءاللہ اور شمع غابرین بمعنی سابق سے وہ ہی شمع محمدی مراد ہے چونکہ نور محمدی نور اولیاء امت محمدی سے سابق تھا۔ اس لیے اسے غابر کہا گیا۔ مطلب وہ ہی ہے جو اوپر بیان ہوا یعنی چراغوں کی کثرت اتحادِ نور کو منع نہیں کر سکتی۔ چراغ ہزار ہوا کریں مگر نور ہر حالت میں ایک ہی ہوگا۔ اسی مناسبت کے لیے آئندہ حدیث منقول ہوئی ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے، نفحات الٰہی یعنی خدا کی رحمتیں جن سے اولیاء کامل مراد ہیں ہر زمانہ میں موجود رہتے ہیں۔ ان کا اتباع گویا پیغمبر کا اتباع ہے۔

marfat.com

تفسیرِ حدیث

اِنَّ لِرَبِّکُمْ فی ایامِ دھرکُمْ نفحاتٍ الا فتعرضوا الیہا

گفت پیغمبر کہ نفحتہائے حق
۴۶ ــــــ
اندریں ایام می آرد سبق

ترجمہ: اس حدیث کی تفسیر کہ بیشک تمہارے رب کی طرف سے تمہارے زمانہ کے دنوں میں نفحات ہیں تم آگاہ ہو جاؤ اور ان سے بہ تعظیم پیش آؤ۔

۴۶۔ ترجمہ: پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا کہ حق کی نفحتیں اس زمانہ میں ظاہر ہوتی رہتی ہیں۔

شرح: نفحہ بمعنی خوشبو اور نفحات جمع ہے جس سے دعوات انبیاء اور ارشادات اولیاء مراد ہیں اس حدیث کی تفسیر کا ربط مضمون ماقبل سے ہے وہاں کلام انبیاء اور ارشادات اولیاء کو نغمہ سے تعبیر کیا گیا ہے اور یہاں نغمہ سے پس حاصل یہ ہے کہ اے لوگو ہر وقت اور ہر زمانہ میں دعواتِ انبیاء اور ارشاداتِ اولیاء موجود ہیں ان کو قبول کرو اور نفحات کے ساتھ تعظیم سے پیش آؤ یا نفحات سے نعمتیں مراد ہیں۔ نعمتوں کا قبول کرنا ان کا شکریہ ہے یا نفحات سے مراد وہ کیفیت ہے جو قلبِ سالک پر وارد ہوتی ہے جس کو الہام سمجھنا چاہیئے اور جو موصل بمعرفت ہے۔

اندریں ایام سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہی زمانہ مراد ہے یعنی پیغمبر خدا نے فرمایا کہ نفحات حق جس سے دعوت انبیاء اور ارشاد اولیاء یا خدا کی نعمتیں یا اس کی رحمت کی خوشبوئیں ہر وقت اور ہر زمانہ میں نازل ہوتی رہتی ہیں۔ پس جب تک دنیا رہے گی یہ نعمتیں اور رحمتیں ہمیشہ لوگوں کو پہنچتی رہیں گی۔ لیکن یہ باطنی کیفیات ہیں جو ہر شخص کو معلوم نہیں ہو سکتیں۔

marfat.com

۴۷ گوش ہش دارید ایں اوقات را
در رباتید ایں چنیں نفحات را

۴۸ نفحہ آمد مر شما را دید رفت
ہر کرا میخواست جاں بخشید ورفت

---

۴۷ ۔ ترجمہ : ان وقتوں پر کان لگائے رہو اور ایسے نفحات کو لے جاؤ ۔

شرح : یعنی اے لوگو تم اپنے زمانہ کے وقتوں کی طرف کان لگائے رہو ۔ (متوجہ رہو) اور نفحات کو قبول کرو کیونکہ نفحات الٰہی جو ہر وقت پائے جاتے ہیں گوش عقل سے ہی معلوم ہوتے ہیں اگر اوقات کو ضائع کر دو گے تو ان نعمتوں سے محروم رہ جاؤ گے ۔

فائدہ : اگر حسب تشریح سابق نفحات سے ارشاد اور دعوت مراد ہے تو معنی یہ ہوں گے کہ انبیاء کی دعوت اور اولیاء کے ارشادات کو قبول کرو اور کسی وقت کو ان کے اتباع سے خالی نہ جانے دو اور اگر نعمتیں مراد ہیں تو معنی یہ ہوں گے کہ بعض نعمتیں گوش عقل یعنی سننے سے تعلق رکھتی ہیں مثلاً وعظ اور قرآن ان سے کسی وقت کو خالی نہ جانے دو اور اگر مراد واردات مطلب ہیں تو گوش ہوش بمعنی گوش دل ہے یعنی دل کو کسی وقت تمیز نفحات سے غافل نہ رکھو اور یہ جانچ لیا کرو کہ یہ نفحۂ رحمانی ہے یا وسوسۂ شیطانی ۔

۴۸ ۔ ترجمہ : نفحہ آیا تم کو دیکھا اور چل دیا ۔ اس نے جس کسی کو چاہا جان بخشی اور روانہ ہوا ۔

شرح : یعنی نفحۂ الٰہی آتا ہے مگر تمہیں غافل دیکھ کر چلا جاتا ہے اور اپنے طالب کو معنوی روح (علم معرفت) عنایت فرمایا جاتا ہے ۔ اس سے معلوم ہوا کہ نفحاتِ الٰہی پے در پے آتے جاتے رہتے ہیں مگر غافل کو اس سے حصہ نہیں ملتا اور یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ نفحات سے مراد واردات قلبیہ

(بقیہ برصفحہ آئندہ)

marfat.com

۴۹ — نفخۂ دیگر رسید آگاہ باش
تا ازیں ہم وانمانی خواجہ تاش

صفحہ گذشتہ سے : ہی ہیں ان پر آنے جانے کا اطلاق بے تکلف ہو سکتا ہے نیز دعوات و ارشادات اولیا بھی ہر وقت اللہ کی طرف سے آتے ہیں لیکن آدمی کو غافل پا کر دل سے نکل جاتے ہیں اور جو مقبول بارگاہ ہیں ان کو روح تازہ عنایت فرماتے ہیں لیکن یہ معنی واردات قلب کے مطلب سے قریب قریب ہیں ۔ ہاں اگر نفحات سے مراد نعمتیں ہیں تو آنا جانا درست ہے کیونکہ نعمائے الٰہی ہر وقت آتے ہیں ۔ اگر بندے کو شکر سے غافل پاتے ہیں چلے جاتے ہیں اور اگر شاکر پاتے ہیں تو اور زیادہ ہو کر زندگی تازہ عنایت کرتے ہیں ۔ قرآن مجید میں ہے : لَئِن شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ
اور اگر نفحہ بمعنی رحمت الٰہی سے مرشد کامل مراد ہے تو بھی آنے جانے کے معنی درست ہیں کیونکہ مرشد کامل اگر طالبین کو مستعد اور قابل تلقین پاتا ہے تو راز معرفت سے آگاہ کر کے انہیں نئی زندگی عطا فرما دیتا ہے ورنہ جہاں خدا لے جائے چلا جاتا ہے ۔

۴۹ ۔ ترجمہ : دوسرا نفحہ آئے گا خبردار رہ ، تاکہ اس سے محروم نہ جاؤ اے بندۂ خدا ۔

شرح : یعنی اے طالب نفحات افسوس تو نے پہلے ارشادات و دعوات یا نعمتوں کو قبول نہ کیا اور نہ یہ کیفیت قلبی میں تمیز کر سکا ۔ لیکن چونکہ نفحات متواتر آتے ہیں اس لیے دوسرے نفحہ کو قبول کر ورنہ اس سے محروم ہو جائے گا ۔ خواجہ تاش بمعنی شریک خواجہ حرف ندا خواجہ تاش سے پہلے محذوف بھی ہے ۔ اس میں مولانا قدس سرہٗ نے ترغیب دلائی کہ اے بندۂ خدا یا شریک امت مصطفیٰ یا اے مرید شیخ کامل تو خواجہ تاش ہے یعنی جس طرح اور بندگان خدا یا امتان مصطفیٰ یا مریدان مرشدان کاملین ہیں ایسے ہی تو ہے ۔ پھر کیا وجہ ہے کہ دوسروں کی طرح تو نعمات کو قبول نہیں کرتا ۔ اب بھی ہوشیار ہو اور مرشد کامل کی اتباع کر تاکہ تمہیں نفحات الٰہی سے حصہ نصیب ہو ۔

marfat.com

۵۰ــــــ
جان آتش یافت زاں آتش کشی
جان مردہ یافت در خود جنبشی

۵۱ــــــ
جان ناری یافت از وے انطفا
مردہ پوشید از بقائے او قبا

۵۰۔ ترجمہ: اسی آتش کش سے جان کو لقمہ مل گیا۔ اس پر مردہ جان نے اپنے میں حرکت پائی۔

حل لغات۔ بعض نسخوں میں جان آتش کی بجائے جان ناری ہے جس سے وہ جان مراد ہے جو آتش شہوت و غضب کی طرف منسوب ہو یا وہ جو مجسم آتش نفسانی ہے۔

شرح۔ خلاصہ یہ کہ ارشادات انبیاء اور دعوات اولیاء سے جان آتش نفسانیہ کو ایک ایسا لقمہ مل گیا جو آتش کش تھا یعنی اس نے نار غضب و شہوت کو بالکل بجھا دیا اور وہ نار گویا نور بن گئی اور روح جو معاصی کے باعث مردہ ہو گئی تھی وہ متحرک فی امور الدین ہو گئی اور اس کے تمام ظلمانی صفات نورانی اور روحانی صفات سے بدل گئے۔

۵۱۔ ترجمہ: جان ناری کو اس سے بجھنا مل گیا، مردہ نے اس کی بقا سے قبا پہنی۔

شرح: خلاصہ یہ کہ اس نغمہ سے آتشی جان کی آگ بجھ جاتی ہے یا مردہ باوجود مر جانے کے اس کا لباس پہنتا ہے یعنی اسے دائمی بقا نصیب ہو جاتی ہے۔

بعض نے جان ناری کا ترجمہ دوزخی اور جان ناری کا بجھنا، ملنے سے بہشت مل جانا مراد لیا ہے۔

marfat.com

۵۲ ــــــ تازگی و جنبش طوبیٰ است ایں
ہمچو جنبشہای خلقان نیست ایں

۵۳ ــــــ گر افتد در زمین و آسمان
زہرہ شاں آب گردد در زماں

۵۲۔ ترجمہ: یہ تازگی اور جنبش اور سرسبزی ہے اور مخلوق کی جنبشوں کی طرح نہیں۔

شرح: نغمہ ربانی سے جو روح کو جنبش، تازگی اور سرسبزی نصیب ہوتی ہے وہ ایسی جنبش اور تازگی نہیں ہے جو مخلوق یا درختوں کو دنیا میں حاصل ہے یعنی دنیا کی مخلوق کو غم و خوشی کا اور درختوں کو خزاں و بہار کا کھٹکا رہتا ہے مگر وہ تازگی جو نغمہ ربانی سے حاصل ہے اسے کسی شے کا کھٹکا نہیں وہ ہر حالت میں ابدی مسرت میں ہے۔

۵۳۔ ترجمہ: اگر زمین آسمان پر پڑ جائے تو اسی وقت ان کا پتہ پھٹ جائے۔

شرح: افتد کی ضمیر نغمات کی طرف ہے لیکن اگر نغمات سے واردات قلبیہ مراد لیے جائیں تو یہ شعر اس سے انطباق تام رکھتا ہے۔ کیونکہ معرفت اور ورود نور واردات حق واردات قلبیہ میں سے ہے جس کی گنجایش نہ زمین میں ہے نہ آسمان میں البتہ مومن کے دل میں ہے اور اگر دعوات تجلو لیے جائیں تب بھی معنی درست ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ دعوات انبیاء کی سمائی بھی زمین و آسمان میں کہیں نہیں ہو سکتی۔ یہ انبیاء علیہم السلام ہی کے دل ہیں کہ کلام الٰہی جیسی عالی مرتبہ چیز کے متحمل ہو سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے:

لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى	یعنی اگر ہم اس قرآن کو بالفرض کسی پہاڑ
جَبَلٍ لَّرَاَیْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا	پر نازل کرتے تو اے دیکھنے والے

marfat.com

خود زبیم ایں دم بے منتہا

۵۴ ——— باز خواں فَاَبَیْنَ اَنْ یَّحْمِلْنَہَا

ورنہ خود اَشْفَقْنَ منہا چوں بدے

۵۵ ——— گرنہ از بیمش دلے کہ خوں شدے

سفر گذشتہ اعتراف کے:

مِنْ خَشْیَۃِ اللّٰہِ تو اس پہاڑ کو خدا کے خوف سے ترس ناک اور رنجیدہ دیکھتا۔

لیکن غور کیا جائے تو دعوت کے یہ معنی واردات قلبیہ ہی سے ملتی جلتی ہیں۔ البتہ آئندہ ابیات میں نفحات کو معنی دعوات لینا تکلف اور ذوق سلیم سے بعید ہے اس لیے ہم آئندہ نفحات کو بمعنی واردات قلبیہ ہی لیں گے۔ چونکہ تقریر بالا نہایت باریک بات ہے اس لیے غور سے سمجھنی چاہیئے۔

۵۴ ترجمہ: اس دم بے انتہا کی دہشت کے لیے قرآن میں "فَاَبَیْنَ اَنْ یَّحْمِلْنَہَا" پڑھ لے۔

شرح: دم بے منتہا سے وہی نفحات الہی مراد ہیں جن کی انتہا ہی نہیں ہوتی اور جو متواتر آتے جاتے ہیں اور لفظ دم سے صاف ظاہر ہے کہ نفحات اور نفحات کے ایک ہی معنی ہیں۔ کیونکہ خوشبو دم یعنی سانس ہی سے تعلق رکھتی ہے اور لفظ بجو دم ہے اور لفظ بے منتہا اشارہ کر رہا ہے کہ نفحات واقعی طور پر بمعنی واردات قلبیہ ہے کیونکہ دعوت انبیاء و اولیاء غیر منتہی نہیں ہوتی۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ آج میں نے تمہارے دین کو کامل کر دیا ہے۔

اس آیت سے دعوت کی انتہا صریح طور پر ظاہر ہوتی ہے البتہ واردات قلبیہ بیشک غیر متناہی ہیں ۔ اس لیے نفحات کو بمعنی واردات قلبیہ ہی سمجھنا چاہیئے اور انہیں واردات قلبیہ یعنی وحی والہامات کی شان میں یہ آیت نازل ہوئی ہے :

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ	یعنی بے شک ہم نے آسمانوں اور زمین
وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ	اور پہاڑوں کے سامنے اپنی امانت
اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَ اَشْفَقْنَ	پیش کی مگر ان سب نے اس کے تحمل
مِنْهَا وَ حَمَلَهَا الْاِنْسَانُ	سے انکار کیا اور ڈر گئے اور انسان نے
اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ۔	اس کو برداشت کر لیا۔ بیشک انسان
	ظالم اور جاہل ہے کہ جس بوجھ کو زمین
	آسمان اور پہاڑ نہ اٹھا سکے اس نے اٹھالیا ،

لفظ امانت کی تفسیر میں اختلاف ہے۔ علمائے ظاہر نے امانت کو بمعنی امانت معروف و بمعنی عبادت لیا ہے اور زمین و آسمان وجبال کے انکار کرنے اور ڈر جانے سے عبادات اور امانت کی تعظیم اور علو شان مراد ہے اور علمائے باطن میں سے بعض نے امانت سے عشق الٰہی مراد لیا ہے کہ یہ ازل میں ہر نوع مخلوق کے سامنے پیش ہوا مگر سب نے انکار کیا اور انسان نے اختیار کر لیا ۔ اگرچہ تمام موجودات میں عشق الٰہی موجود ہے مگر اوروں میں اضطراری ہے اور انسان میں اختیاری کیونکہ لفظ حمل اختیار کی طرف اشارہ کر رہا ہے اور بعض نے امانت سے جامعیت مراد لی ہے اس لیے کہ انسان باعتبار مظہر جامع اسماء صفات الٰہی ہے اور اس کو مخلوقات سے وہ نسبت ہے جو قلب کو تمام جسم سے ۔ مگر مولانا[رح] نے نفحات سے واردات قلبیہ ہی مراد لیے ہیں ، جن میں عشق الٰہی سب سے بڑا نغمہ ہے اور جس کی برداشت زمین و آسمان اور پہاڑ بھی نہیں کر سکتے ۔

آیت متذکرہ صدر میں لفظ ظلوم و جہول سے جو انسان کی صفت ہے مذمت بھی ثابت ہوتی ہے اور ایک قسم کی محبت بھی پائی جاتی ہے۔ مذمت کی شق تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان کے اوپر افسوس کرتا

marfat.com

ہے کہ اس نے ایسی امانت کا بار اپنے سر پہ تو لے لیا کہ جس کو زمین و آسمان و پہاڑ بھی برداشت نہیں کر سکتے تھے مگر اس کی حفاظت اور قدر نہیں کی اور محبت کی شق یہ ہے کہ انسان ایسا سادہ لوح نادان مخلوق ہے کہ جس نے اس میری امانت کو برداشت کر لیا یا خوشی سے اختیار کیا جس کے اختیار کرنے میں بڑی بڑی مخلوق جیسے آسمان زمین اور پہاڑ بھی پہلوتہی کر گئے تھے۔ یہ الفاظ ایسے ہی ہیں جیسے کوئی آقا اپنے کسی چھوٹے ملازم کی تعریف اس بات پہ کیا کرتا ہے کہ علاوہ خدمت کے اس نے ایک ایسا بڑا کام جس کی تعویض کو اعلیٰ درجہ کے ملازموں نے بھی پسند نہیں کیا تھا۔ محض سادہ لوحی سے اپنے ذمہ لے لیا ہے۔

خلاصہ یہ کہ یہ زیادہ عنایت کے قابل ہے۔ مولانا رح کی غرض یہ ہے کہ یہ دم بے انتہا یعنی نعمات یا الہامات یا عشق الٰہی ایسی عظیم الشان چیزیں ہیں کہ آسمان اور زمین اور پہاڑ ان کی برداشت سے انکار کر گئے اور ان سے ڈر گئے۔ اے انسان تو نے تو ان کو قبول کر لیا ہے۔ پس تو ان کے حقوق پورے طور پہ ادا کر ورنہ تیرا خطاب ظلوم جہول ہوگا۔

دوسرا شعر جو آیت متذکرہ الصدر کا تتمہ ہے۔ اس کا یہ مطلب ہے کہ اگر زمین و آسمان اور پہاڑ اس گراں بار امانت کو اٹھا سکتے تو قرآن شریف میں اَشْفَقْنَ مِنْهَا نازل نہ ہوتا جس کے پہاڑوں کا دل خوف سے خون ہو کر بہہ جاتا ہے۔ یہ انسان کا کمال ہے کہ اس نے اس بار گراں کو اٹھا لیا۔

۵

ہر کہ گردن می کشد زیں بارہا | باشد از نفوبین برد بارہا
گر کنی بار امانت را قبول | از کشیدن پس نبا ید ملول
روز اول خود فضولی کردۂ | وان فضولی از جہولی کردۂ
کوششے کن اے پسر غافل مباش | چوں بلیٰ گفتی کاہل تن مباش

مدح و ذم کے علاوہ اور تفصیل دیکھنا مطلوب ہے تو اسی آیت کے تحت فقیر کی تفسیر "فیوض الرحمٰن" پڑھیے۔

marfat.com

۵۶ —— دوشش دیگر گونہ ایں میداد دست
لقمہ چندیں بر آمد رہ بہ بست

۵۶۔ ترجمہ : یہ کل دوسری طرح سے سامنے آیا چند لقمے آئے جن سے در بند ہوگیا۔

شرح : اس کا اشارہ نفحہ کی طرف ہے اور یہ شعر بجز اس کے کہ نفحہ بمعنی واردہ قلبیہ لیا جائے۔ دوسرے معنوں میں چسپاں نہیں ہو سکتا۔ دوسرے مصرعہ میں لقمہ سے مراد واردہ نفسانیہ ہے جو لذات جسمانی کی طرف کھینچتا ہے جیسا کہ حضرت واسطی نے فرمایا کہ دنیا کی لذت سے پرہیز کر اس لیے کہ وہ اہل صفا کے لیے عطا یعنی پردہ ہے اور حضرت حاجی امداد اللہ رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ یہ نفحات حقانی انبیاء و اولیاء علی نبینا و علیہم السلام میں ہیں اور ہر انسان میں موجود ہیں لیکن عام انسان سے ظلمات لقمہ اور دنیوی اسباب سے اس کے انوار پوشیدہ ہوگئے اور یہ نفس ناطقہ جو کہ بمنزلہ نعمان کے ہے۔ اس دنیا کے کانٹے سے اس باغ کی سیر اور اس کی خوشبو سے دور و مہجور ہوگیا اور فرمایا کہ مصرع اول میں اپنے حال کی طرف اور منسوب فرمادیا ورنہ ان کے کمال و فضل سے ایسا ہونا ممکن نہیں یا یوں کہئیے کہ چونکہ مولانا کا حال بعینہٖ ان کا حال ہوتا ہے اس لیے کچھ بعید نہیں کہ ان پر ایسا واقعہ پیش آیا ہو جسکو انہوں نے صاف صاف کہہ دیا ہے کہ طالب کو آگاہی ہو جائے جیسا کہ مولانا عبدالغفور شرح نفحات میں لکھتے ہیں کہ صوفی پر گاہ گاہ ایسے واردات وارد ہوتے ہیں لیکن آنے والے ابیات پہلی تقریر کی تائید کرتے ہیں۔

marfat.com

۵۷ — بہر لقمہ گشت لقمانی گرو
وقت لقمانی ست اے لقمہ برو

۵۸ — از برائے لقمہ ایں خار خار
از کف لقمان برو آر ید خار

۵۷۔ ترجمہ: لقمہ کے لیے لقمانی گرو ہوگئی۔ اے لقمہ چل یہ لقمانی کا وقت ہے۔
شرح: یہ شعر مضمون سابق کا تتمہ ہے یعنی واردات نفسانی کے آتے ہی تمام لقمانی یعنی دانائی مقید لذات جسمانی ہوگئی لیکن وارد دیگر یعنی الہام رحمانی نے کہا کہ یہ عمر دو روزہ ہے دانائی کا وقت ہے اے وارد نفسانی نکل اور حریم دل سے باہر چلا جا۔ کیوں کہ نیکیاں بدیوں کو دفع کر دیتی ہیں۔
ف: حضرت حاجی امداد اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ لقمان سے جان و روح مراد ہے۔ اس لیے کہ وہ بھی دانائی دانا ہے (بحر العلوم)

۵۸۔ ترجمہ: یہ کشمکش لقمہ کی ہوس سے ہے۔ لقمان کے تلوے سے یہ کانٹا نکال۔
شرح: پہلے مصرعہ میں خار خار بمعنی رنج والم و کشمکش ہے اور دوسرے میں بمعنی کانٹا اس سے قافیہ درست ہوگیا۔ لقمہ کے بعد حرف ربط راست یعنی محذوف ہے اور لقمان بمعنی روح ہے جو حضرت لقمان کی طرح فی ذاتہ دانا ہے۔ یعنی یہ رنج والم اور یہ دنیوی کشمکش فقط خواہش حظ نفسانی کے لیے ہے جو ہرگز نہ ہونی چاہیے۔ اے لوگو روح کی کف پا سے اس کانٹے کو نکال ڈالو تاکہ وہ عالم ملکوت تک پرواز کر جائے۔
ف: حاجی امداد اللہ رحمہ اللہ کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ یہ بیت بطریق استفہام انکاری ہے چنانچہ بیت مابعد اس کی مؤید ہے۔

marfat.com

۵۹ —— در کف او خار و سایش تیز نیست
لیک تان از حرص آں تمیز نیست

۶۰ —— خار دان آں را کہ خرما دیدۂ
زانکہ بس نان کور و بس نادیدۂ

---

۵۹ ترجمہ: اس کی ہتھیلی میں خار کیا بلکہ سایہ بھی ٹھیک نہیں۔ لیکن تجھے بوجہ حرص اس کی تمیز نہیں۔
شرح: یعنی چونکہ روح کے کف پا میں کانٹا ہے۔ اس لیے اس کا سایہ تیز نہیں ہے یعنی جسم جو سایۂ روح ہے محبت الٰہی کی طرف نہیں دوڑتا۔ کیونکہ مظل یعنی روح جب پابند خار ہو گئی تو ظل یعنی جسم میں سرعت کہاں رہی۔ مثلاً جب آفتاب ابر میں ہو تو دھوپ زمین پر نہیں دوڑ سکتی۔ لیکن اے لوگو تم کو بسبب حرص لذائذ نفسانی اس بات کی تمیز نہیں کہ روح کے پاؤں میں کانٹا ہے یا نہیں۔ بعض نسخوں میں بجائے تیز لفظ نیز موجود ہے یعنی تمہاری روح کے پاؤں میں کانٹا ہے حالانکہ کانٹا تو درکنار کانٹے کا سایہ بھی کف پائے روح کے لیے مناسب نہیں گویا حظوظ نفسانی کے متعلق تمام مشغلوں کو چھوڑ دینے کو بطور مبالغہ بیان کیا گیا ہے۔
۶۰۔ ترجمہ: جس کو تو خرما دیکھتا ہے اس کو خار جان۔ اس واسطے کہ تو بڑا نان کور اور بڑا نادیدہ ہے۔
شرح: یعنی اے مخاطب تو جس لذت نفسانی کو خرما جانتا ہے اس کو روح کے حق میں خار سمجھ اور اس بات کو جان کہ تو نہایت درجہ نان کور (کافر نعمت و ناشکر گزار) ہے کہ روح جیسی چیز کی قدر نہیں جانتا اور اسے کانٹے کھلا رہا ہے اور نہایت ندیدہ اور حریص ہے کہ خار کو خرمہ سمجھ رہا ہے یا نان کور کے یہ معنی ہیں کہ تجھے روٹی یعنی کھانے کی چیزیں نہیں دکھائی دیتیں بلکہ تو خار کو نان سمجھ کر لذات نفسانی پر جان دیتا ہے اور نذائے روح یعنی معرفت کو چھوڑ بیٹھا ہے۔

marfat.com

۶۱ — جان لقمان کہ گلستان خداست
پائے جانش لبستہ خارے چراست

۶۲ — اُشتر آمد ایں وجود خار خوار
مصطفیٰ زادے بریں اشتر سوار

۶۱۔ ترجمہ: جان دانا جو کہ خدا کا گلزار ہے اس جان کا پاؤں خار سے کس لیے بند ہے۔

شرح: جان لقمان میں یا تو اضافت توضیحی ہے یا اس سارے لفظ سے مراد انسان ہے یعنی روح یا انسان جو دانائی میں بمنزلہ لقمان ہے۔ بیشک اسرار و معارف خداوندی کا باغ ہے اس میں کانٹے کا کیا ذکر۔ یہ لذات نفسانی کے کانٹوں سے زخمی کیوں ہے۔ اس کو تو سراسر مورد تجلیات الٰہی اور مصدر واردات رحمانی ہونا چاہیئے۔

۶۲۔ ترجمہ: یہ وجود کانٹے کھانے والے اونٹ کی طرح ہے اور مصطفیٰ زادہ اسی اونٹ پر سوار ہے۔

شرح: خار خوار یعنی کانٹے کھانے والا اور مصطفیٰ زادہ سے روح مراد ہے۔ اس لیے کہ حاجی امداد اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا ہے کہ حضرت محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلّم کی روح ابو الارواح ہے۔

اشتر خوار یا کانٹے چبانے والے اونٹ سے جسم خاکی مراد ہے جو لذات نفسانی کے کانٹے کھاتا رہتا ہے اور انہیں پر مائل ہے اور مصطفیٰ زادے سے اولاد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہے جس کا اشارہ روح مومن کی جانب ہے چنانچہ حدیث شریف میں ہے:

انا من نور اللّٰہ والمومنون من نوری۔ — یعنی رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم فرماتے ہیں کہ میں خدا کے نور سے ہوں اور مومن

marfat.com

۶۳ —— اشترا تنگ گل بر پشت تست
کز نسیمش در صد گلزار دست

صفحہ گذشتہ سے: مطلب صرف یہ ہے کہ جسم کثیف جو خار خوار شتر کی مانند ہے۔ اسیر اولاد مصطفیٰ یعنی روح سوار چلی جارہی ہے۔

ف: یہ حقیقت ہے کہ جیسے آدم علیہ السلام ظاہری اجساد کے اعتبار سے ابوالبشر ہیں ایسے ہی حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم ابوالارواح ہیں جیسا کہ تاریخ الخمیس کی حدیث متعلق بہ ندائے آدم "یا ابنی ظاہرا یا ابای معنیً" میں ہے۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہٗ اس کی ترجمانی میں فرماتے ہیں۔

اس حدیث شریف کی تائید آیت قرآنی بہ قرأت ابن مسعود سے بھی ہوتی ہے۔ قال اللہ تعالیٰ: "وازواجہ امہاتہم، وھو اب لھم" مزید تفصیل فقیر کی تفسیر "فیوض الرحمٰن" تحت آیت "ویسئلونک عن الروح" میں پڑھیے۔ حاجی امداد اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس شعر کے تحت لکھا کہ: "مصطفیٰ زادے سے مصطفیٰ زادہ مراد ہیں اس لیے کہ حدیث شریف میں ہے کہ ارواح مومنان از رشاش نور محمدی پیدا ہوئے ہیں۔

۶۳ ترجمہ: اے اونٹ تیری پیٹھ پر گل کی گٹھری لدی ہوئی ہے کہ جس کی خوشبو سے تجھ میں سو گلزار پیدا ہیں۔

شرح: تنگ بالفتح بمعنی خروار۔ یہاں تنگ گل سے وہی روح اور گلزار بمعنی گلشن انوار جیسے معارف ہے اور گل سے روح اور اشتر سے وہی جسم کثیف مراد ہے۔ مردہ ریگ وہ دنیا جس میں بھول بھی نہ اگ سکیں۔

مطلب یہ کہ اے جسم تیری پیٹھ پر پھولوں کی ایک گون لدی ہوئی ہے۔ یہ اشارہ روح کی

(بقیہ برصفحہ آئندہ)

marfat.com

میل تو سوئے مغیلا نست و ریگ
۶۴ تا چہ گل چینی ز خار مردہ ریگ

اے بگشتہ زیں طلب بر کو بکو
۶۵ چند گوئی ان گلستان کو و کو

صفحہ گذشتہ سے:

طرف ہے اور ان پھولوں کی خوشبو سے گویا تیرے پاس سو گلزار موجود ہیں۔ پس افسوس کہ تو گلزار کو چھوڑ کر ببولوں کے کانٹوں لذات نفسانی کی طرف اور ریگ یعنی طول کی جانب مائل ہو رہا ہے تو ہی بتا کہ ان کانٹوں اور مردہ ریگ سے کون سے پھول چنے گا اور کیا فائدہ اٹھائے گا۔

۶۴۔ ترجمہ: تیری خواہش کانٹوں اور ریتے کی طرف ہے تو مردہ ریگ سے کیا خاک پھول چنے گا۔

شرح: مولانا قدس سرہٗ ناصحانہ طور فرماتے ہیں کہ اے مخاطب گویا تیرے پاس سو گلزار موجود ہیں بایںہمہ افسوس ہے کہ تو گلزار کو چھوڑ کر کانٹوں (لذات نفسانی) کی طرف دوڑا چلا جاتا ہے اور تیرے پا نوریت (حظوظ جسمانی) میں دھنسے جاتے ہیں۔ اس سے تجھے اور تیرے سوار کو تکلیف پہنچتی ہے۔ یہ تو بتا کہ جس ریگ شور یا خار زار (لذات جسمانی) کی طرف تیرا میلان طبع ہے اس سے تو کس قسم کا تمہیں فائدہ نہ ہوگا۔

۶۵۔ ترجمہ: اے کہ تو اس طلب میں جا بجا پھر رہا ہے کب تک کہے جائے گا کہ وہ گلزار کہاں ہے۔

شرح: یعنی اے اونٹ صفت مخاطب تو جو گلزار معرفت کو جا بجا ڈھونڈتا پھرتا ہے یہ تیری غفلت ہے تو لوگوں سے کب تک پوچھتا پھرے گا کہ گلستان الٰہی کہاں ہے۔ اے نادان روح کے پاؤں میں سے پہلے لذات نفسانیہ کا کانٹا نکال ڈال پھر تجھ کو فوراً گلستان الٰہی نظر آ جائیگا۔

marfat.com

۶۶ — پیش ازیں کایں خار پا بیروں کنی
چشم تاریک ست جولاں چوں کنی

۶۷ — آدمی کو می نگنجد در جہاں
در سر خارے ہمگیرد نہاں

۶۶۔ ترجمہ: پہلے اس سے کہ تو اس پاؤں کے کانٹے کو نکالے، چشم نابینا ہے جولانی کس طرح کرے گا۔

شرح: جب تک تو روح کے پاؤں سے لذت نفسانی کا کانٹا نہ نکال لے گا۔ گلستان الٰہی کی طرف ہرگز نہیں کر سکتا کیونکہ جب تک تجھے اپنے پاؤں کا کانٹا ہی محسوس نہیں ہوتا تو گلستان الٰہی کیا خاک نظر آئے گا۔ البتہ کانٹا نکلنے کے بعد تیری آنکھیں کھل جائیں گی اور یہ معلوم ہو جائے گا کہ گلستان معرفت خود تیری ذات میں پنہاں تھا۔

۶۷۔ ترجمہ: وہ آدمی جو اس جہان میں نہیں سما سکتا وہ کانٹے کی نوک میں پوشیدہ ہو جائے۔

شرح: چونکہ انسان جامع حقیقت انسانی اور مظہر اسماء الٰہی ہونے کے باعث بجائے خود عالم اکبر ہے اور دنیا آدمی کے مقابلہ میں عالم اصغر اور یہ ظاہر ہے کہ عالم اکبر عالم اصغر میں نہیں سما سکتا۔ اسی بحث میں انسان کو مخاطب کر کے مولاناؒ نے مثنوی ہذا کے دفتر چہارم میں یہ شعر لکھا ہے: ؎

پس بصورت عالم صغریٰ توئی
پس بمعنی عالم کبریٰ توئی

مگر بایں ہمہ نہایت تعجب ہے کہ لذت نفسانی کے ایک کانٹے نے اسے اپنے اندر چھپا کر یا الجھا کر عالم ملکوت کی سیر سے روک رکھا ہے اور خار لذت اس کے لیے باعث حجاب معرفت ہو گیا ہے

ف: (سوال) جب عالم اکبر انسان کامل عالم اصغر میں نہیں سما سکتا تو حضور علیہ السلام کے

(بقیہ بر صفحہ آئندہ)

marfat.com

۶۸ — مصطفیٰ آمد کہ سازد ہمدمی
کلّمینی یا حمیرا کلّمی

۶۹ — اے حمیرا آتشی اندر نہ تو نعل
تا ز نعل تو شود ایں کوہ لعل

صفحہ گذشتہ سے : تشریف لانے کا کیا مقصد ؟

(جواب): گو حقیقت محمدیہ فی الحقیقۃ کون و مکاں میں ہرگز نہیں سما سکتی مگر رشد و ہدایت کیلئے لباس بشریت عالم دنیا میں لائی گئی لیکن چونکہ دنیا بمنزلہ قید خانہ ہے اسی لیے حضور علیہ السلام کو اس کے تعلقات ناپسند تھے۔ اسی لیے اس مضمون کو مولانا نے بیان فرمایا کہ:

۶۸ - ترجمہ: حضور علیہ السلام تشریف لائے کہ ہمدمی فرمائیں۔ اسی لیے فرمایا حمیرا مجھ سے گفتگو کیجئے۔

۶۹ - ترجمہ: اے حمیرا نعل میں آگ رکھ دے تاکہ تیرے نعل سے یہ پہاڑ سرخ ہو جائے۔

شرح: حمیرا حمراء کی تصغیر ہے بمعنی سرخ رنگ اور یہ لقب سیدنا ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا لقب ہے۔ نیز حسب محاورہ اہل عرب شفقت کے وقت عموماً عورتوں سے اس لفظ کے ساتھ مخاطب ہوا کرتے ہیں۔ یہ شعر قطعہ بند ہے اور دونوں شعروں کے معنی دو طرح ہو سکتے ہیں۔

۱- یہ کہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم عالم دنیا میں اس لیے آئے کہ کسی کو اپنا مصاحب و ہمدم بنائیں اور کسی بشر سے تعلق و ہمدمی پیدا کریں کیونکہ آپ کا عالم لاہوت سے عالم ناسوت کی طرف آنا اس لیے تھا کہ متعلق بالبشریت ہوں۔ ورنہ ارشاد اور ہدایت عالم امر غیر ممکن ہو جاتا۔

marfat.com

کیونکہ بشر بشر ہی کے ساتھ مانوس ہوتا ہے اور اس کا کلام سمجھ سکتا ہے۔ اسی لیے آپ نے تعلق بشریت پیدا کرنے کے لیے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے کلمینی کلمینی کہا۔ یعنی اے عائشہ مجھ سے کلام کر کیونکہ تیرا کلام میرے لیے باعث جذب و تسخیر ہوگا اور میرے جبل وجود کو جو عالم لاہوت میں مستغرق تجلی ذات ہے عالم لاہوت کی طرف لے آئے گا اور اس سے لعل بدخشاں معرفت اور اسرار حقیقت الفاظ اور عبارات کے رنگ میں ظاہر ہوں گی۔ کیونکہ اگر میں عالم لاہوت سے عالم ناسوت کی طرف تنزل کر کے تعلقات بشری پیدا نہ کروں گا تو عالم کی ہدایت محال ہو جائے گی۔ اس صورت میں تفضیل عائشہ رضی اللہ عنہا پر رسول صلعم لازم نہیں آتی۔ البتہ دوسرے معنوں میں یہ شبہ پیدا ہوتا ہے لیکن اس کا جواب وہیں مذکور ہوگا۔

۲۔ یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب ذات حق سے ہمدمی اور اس کا مشاہدہ چاہا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ارشاد فرمایا کہ تو مجھ سے کلام کر۔ کیونکہ ام المومنین رضی اللہ عنہا کے مظہر میں ذات حق بوجہ کمال ظاہر تھی اور آپ کا کلام گویا آواز نغمات الٰہیہ تھا۔ دوسرے شعر میں نعل اندر آتش نہادن بمعنی گرمیٔ ہنگامہ و بیقرار ساختن ہے کیونکہ اہل ولایت کا قاعدہ تھا کہ جب کوئی غلام بھاگ جاتا تھا تو کسی چارپایہ کا نعل لے کر اور اس پر کچھ لکھ کر آگ میں دبا دیتے تھے۔ اس کی تاثیر سے غلام کے دل کو مولا کی طرف کشش ہوتی تھی اور وہ واپس آجاتا تھا۔ بعدہٗ اس لفظ کی اصطلاح جذب اور تسخیر اور بیقراری کے معنوں میں ٹھہر گئی۔ حاصل یہ کہ اے عائشہ رضی اللہ عنہا ہمارے شوق کو گرم کر اور ہمیں اپنے کلام سے جو فی الحقیقت نغمۂ الٰہی ہے بیقرار کرے تاکہ تیرے جذب اور تسخیر سے کوہ بدن لعل ہو جائے اور جلوۂ حق بوجہ اتم متجلی ہو۔ بلحاظ ایں معنی ان اشعار کو پہلے اشعار سے یہ ہی ربط ہوگا کہ پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ خار حظوظ نفسانی کے دور کرنے سے گلستان حق جلوہ گر ہوتا ہے۔ اور اب یہ معلوم ہوا کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں گنجائش خار محالات سے تھے اور بہ برکت رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی یہ خار دور ہو گئے تھے اور نور حق بجمیع اسماء و صفات ام المومنین رضی اللہ عنہا میں جلوہ گر تھا

marfat.com

اور رسولؐ اس کا مشاہدہ کیا کرتے تھے۔ تا ز لعل تو شود این کوہ لعل سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر حضرت عائشہؓ کے کلام اور گرمی ہنگامۂ شوق سے پہلے جلوۂ حق بوجہ تمام منجلی نہیں ہوتا تھا۔ حالانکہ یہ محال ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ :

رسولؐ ہر وقت مستغرق بحر تجلی تھے جس کو عائشہؓ کے کلام اور غیر کلام سے کچھ تعلق نہیں مگر آپ کا کلمی کلمی فرمانا حضرت عائشہؓ کے مرتبہ کا اظہار ہے اور اس بات کو معلوم کراتا ہے کہ ان میں حق بجمیع اسما و صفات جلوہ گر ہے اور ان کا کلام نفخۂ الٰہی ہے۔ بعض شارحین نے مصطفیٰ اسے نفخۂ حق اور حمیرا سے باعتبار تانیث روح مراد رکھی ہے اور ابیات سابقہ سے ان شعروں کو یوں ربط دیا ہے کہ اے روح تو لقمہ خار کب تک کھائے گی۔ دیکھ نفخۂ حق دوسری بار یہ کہتا ہوا آیا ہے کہ اے روح مجھ سے کلام کر یعنی مجھ سے مونس ہو اور مجھے قبول فرما۔ اس صورت میں دوسرے شعر کا یہ مطلب ہے کہ اے روح اس نفخۂ الٰہی کے قبول کرنے کو تیار رہ اور اس کے لیے بیقرار ہو جا تاکہ تیری اس بیقراری اور قبول نفخہ کے باعث کوہ جسم سے معرفت کے لعل پیدا ہونے لگیں۔ نفخۂ الٰہی کا دوسری بار آنا گذشتہ شعر نفخۂ دیگر رسید آگاہ باش سے ظاہر ہے۔ اس آخری مطلب سے آئندہ اشعار زیادہ مربوط ہوتے ہیں گو یہ مطلب خود بعید الفہم ہے۔

فضیلت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

اس سے بی بی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے کمالات و فضائل کا پتہ چلتا ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ان سے محبت کا ایک راز یہ تھا کہ بی بی صاحبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا میں جلوہ ہائے حق نمایاں تھے اور حضور علیہ السلام جب ان سے ہمکلام ہوتے گویا وہ حق سے گویا ہوتے۔

marfat.com

۷۔ ایں حمیرا لفظ تانیث ست و جان
نام تانیثش نہند ایں تازیان

۷۔ ترجمہ : یہ لفظ حمیرا لفظ جان اور تانیث ۔ اہل عرب اس کا نام مؤنث رکھتے ہیں ۔

شرح : دوسرے مصرعہ میں ضمیر شین لفظ جان کی طرف راجع ہے اور تازی یعنی اہل عرب ہے مطلب یہ کہ لفظ حمیرا مونث ہے نیز اہل عرب جان یعنی روح کو مونث کہتے ہیں اور اسے نام تانیث ہی کے ساتھ موسوم کرتے ہیں ۔ صرف اتنا فرق ہے کہ حمیرا مونث حقیقی ولفظی ہے اور روح مونث سماعی لیکن روح کی تانیث صرف باعتبار لفظ ہے ورنہ باعتبار معنی روح کو لاکھ مردوں کا ایک مرد سمجھنا چاہیئے اور علی ہذا القیاس حضرت عائشہ روح مصورہ ہیں ۔ ان کی تانیث ان کو عرفان سے باز نہیں رکھ سکتی اور نہ ادراک اسرار حقیقت میں کچھ ضرر پہنچا سکتی ہے ۔ یہ شعر معترض کے دہمی اعتراض کا جواب ہے جو یہ کہتا تھا کہ حمیرا اور روح دونوں مونث ہیں ۔ ان سے میدان عرفان میں کیا مردانگی ہو سکتی ہے ؟

مولانا صاحب نے جواب دے دیا کہ لفظی تانیث معنی میں کچھ اثر نہیں رکھتی ۔ نیز اس شعر کے معنی دوسری طرح بھی ہو سکتے ہیں ۔

وہ یہ کہ مولانا لفظ جان اور روح اور جان سے ذات حق مراد لیتے ہیں ۔ اس قاعدہ کے اعتبار سے یہاں بھی جان سے ذات حق مراد ہے چونکہ پہلے یہ بات معلوم ہو چکی ہے کہ حمیرا میں ذات حق کا ظہور بوجہ اتم ہے ۔ اس لیے مصرعہ ثانی توجیہہ کے ساتھ اس مضمون کی شرح ہے اور لفظ جان حمیرا پر معطوف ہے یعنی حمیرا اور ذات دونوں مؤنث ہیں اور چونکہ جنس اپنی جنس کی طرف مائل ہے اسی لیے حمیرا (عائشہ صدیقہ) بوجہ اکمل مظہر ذات ہیں اور اطلاق لفظ مذکر و مونث ذات کے حق میں برابر ہے وہ دونوں سے بری ہے ۔ یہاں یہ اعتراض وارد نہیں ہو سکتا کہ ہر مؤنث قاعدہ الجنس الی الجنس یمیل کے مطابق مظہر ذات ہو سکتی ہے کیونکہ ہر مونث میں اثر مجالست و

(بقیہ بر صفحہ آئندہ)

marfat.com

۱۷ — لیک از تانیث جاں را پاک نیست
روح را با مرد و زن اشراک نیست

صفحہ گذشتہ سے:

مکالمت و مخالطت رسول کہاں ہے اور دیگر ازواج میں فضیلت مناکحت سہی، مگر وہ شرف نظر خاص نہیں ہے جو حمیرا کو ملا تھا۔

۱۷۔ ترجمہ: لیکن تانیث سے جان کو ترف نہیں (کیونکہ) روح کو مرد و عورت سے شرکت نہیں ہے۔

شرح: اس شعر میں لفظ جان اگر بمعنی روح ہے تو مولانا کا یہ مطلب ہے کہ گو ہم مانتے ہیں کہ روح لفظا مونث اس سے اسے کچھ ضرر نہیں پہنچ سکتا کیونکہ روح کو مرد و زن کے ساتھ شرکت نہیں ہے یعنی یہ بات نہیں ہے کہ مرد میں ہو تو اس کو مذکر سے خطاب کریں اور اگر عورت میں ہو تو مونث سے بلکہ مونث ایک ایسی چیز ہے کہ جو نہ مرد ہے نہ عورت۔ اس پر جو لفظ چاہو اطلاق کرلو کیونکہ اطلاق سے فقط تعبیر مقصود ہے نہ کہ ثبوت تذکیر و تانیث اور اگر جان سے وہ ہی ذات حق مراد لیں تو یہ معنی ہیں کہ وہ تذکیر و تانیث سے پاک ہے۔ نیز ممکن ہے کہ لفظ جان سے روح معشوقہ ہونے کے سبب حمیرا یعنی عائشہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جن کا مونث ہونا ان کے مرتبہ عرفان کو ہرگز نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر اس میں تذکیر و تانیث کا کوئی فرق نہیں تو پھر یہاں پر تانیث کو ترجیح کیوں دی گئی کسی مرد سے خطاب کر کے مذکر کا صیغہ لایا جاتا۔

جواب: چونکہ مولانا کا مقصود روح کی تربیت ہے اور روح مونث ہے اسی مناسبت سے صیغہ تانیث موزوں ہے۔ دوسرے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس مقام کے اظہار کے لیے بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا سے خطاب فرمایا۔ ان کی وجہ سے بھی مونث کا صیغہ مناسبت رکھتا ہے۔

marfat.com

از مونث و ز مذکر برتر است

۲ے ——— این نہ آں جانست کز خشک و ترست

این نہ آں جانست کافزاید بناں

۳ے ——— یا گہے باشد چنیں گاہے چناں

خوش کنندہ است و خوش عین خوشی

۴ے ——— بے خوشی نبود خوشی اے مرتشی

۲ے ۔ ترجمہ ؛ مونث اور مذکر سے برتر ہے ۔ یہ وہ جان نہیں جو خشک و تر سے پیدا ہوتی ہے ۔

شرح ؛ یعنی جس روح کا ہم ذکر کر رہے ہیں اس سے روح ملکوتی یا ذات حق مراد ہے جو تذکیر و تانیث سے مبرے نہ کہ روح حیوانی جو برودت اور رطوبت سے پیدا ہوتی ہے ۔

یہ وہ جان نہیں کہ جو روٹی سے بڑھتی ہے یا وہ کہ جو کبھی ایسی ہو اور کبھی ویسی ۔

یعنی یہاں جان سے وہ روح حیوانی مراد نہیں جو غذا کی کمی بیشی سے گھٹتی یا بڑھتی یا حوادث زمانہ سے متغیر رہتی ہے بلکہ جاں سے روح ملکوتی مراد ہے یا ذات حق جس میں تغیر و تبدل اور کمی بیشی کو ہرگز دخل نہیں ۔ اس میں کسی وقت تغیر و تبدل نہیں ہوتا نہ اس کو فنا کا خوف ہے ۔

خوش کرنے والی خوش اور عین خوشی ہے ۔ اے رشوت لینے والے بغیر خوشی کے خوشی نہیں ہوتی ۔

خوش کرنے والی اور عین خوشی کا اشارہ جان کی طرف ہے ۔ پس اگر جان سے ذات حق مراد لیں تو یہ معنی ہیں کہ ذات حق اپنا جلوہ دکھا کر عشاق کو اسباب زندگانی عطا فرمانے والی اور تمام عالم کو

(بقیہ بر صفحہ آئندہ)

marfat.com

۵۷ — چوں تو شیریں از شکر باشی بود
کان شکر گاہے ز تو غائب شود

صفحۂ گذشتہ سے :
خوش رکھنے والی ہے اور خود بھی خوش ہے یعنی حسن اور جمیل بلکہ عین حسن و جمال ہے کیونکہ صفات حق عین ذات ہیں اور اگر روح ہی مراد لیں تو یہ مطلب ہوگا کہ روح ملکوتی اکتساب معرفت کے باعث عاشقان الٰہی کو مسرت بخشنے والی ہے اور اس اکتساب سے خود بھی اس قدر خوش ہے کہ عین مسرت ہوگئی ہے۔

دوسرے مصرعہ میں پہلی خوشی بمعنی مسرت اور دوسری بمعنی خوش بودن ہے۔ اور شہوت شان سے تمام مخاطب مراد ہے جو شب و روز حظوظ نفسانی اور لذات جسمانی حاصل کرنے میں منہمک ہے۔

خلاصہ مطلب یہ ہے کہ اے پابستہ لذات جسمانی ذات حق یا روح ملکوتی خوش کنندہ عالم اور عین خوشی ہے اور یہ ظاہر بات ہے کہ جب تک کسی کے دل میں مسرت نہ ہو اس کا خوش ہونا غیر ممکن ہے چنانچہ اولیاء اللہ کی باطنی مسرت کا باعث وہ ہی عین خوشی یعنی ذات الٰہی یا روح ملکوتی ہے۔

۵۷۔ ترجمہ : جب تو شکر کھا کے شیریں بنے گا تو وہ شکر کبھی تجھ سے غائب ہو جائے گی۔

شرح : لفظ بود کو مصرعہ ثانی سے متعلق کر کے ترجمہ کیا گیا ہے اور شکر سے مراد لذات نفسانی ہیں یعنی اے شخص اگر تو حظوظ نفسانی حاصل ہونے سے خوش ہوگا تو اس کا نتیجہ ناخوشی ہوتا ہے۔ اس لیے ممکن ہے کہ کبھی تجھ سے یہ لذت غائب ہو جائے۔ کیونکہ جسمانی لذتیں سر بسر فانی ہیں اور جو لذت فنا ہونے والی ہے وہ دائمی لذت کے مقابلہ میں ہیچ ہے۔

marfat.com

۷۶ ــــــ چوں شکر گردی ز تاثیر وفا
پس شکر کے از شکر گردد جدا

۷۷ ــــــ زہر محض ست آنکہ باشد بے وفا
ھَبْ لَنَا یَا رَبَّنَا نِعْمَ الوَرَا

---

۷۶ ۔ ترجمہ : جب تو وفا کی تاثیر سے شکر ہو گیا تو پھر شکر سے شکر جدا نہیں ہوا کرتی ۔
شرح : وفا سے محبت الٰہی کی طرف اشارہ ہے یعنی اے مخاطب اگر تو عشق الٰہی کر کے شکر بن جائے تو تجھ سے حلاوت روحانی علیحدہ نہ ہو گی بلکہ تو اس میں مل جائے گا کیونکہ شکر سے شکر جدا نہیں ہوتی ۔

۷۷ ۔ ترجمہ : وہ جو کہ بے وفا ہے محض زہر ہے ۔ یا رب ہمیں بہترین مخلوق عطا فرما ۔
شرح : بے وفا سے بندہ لذات جسمانی اور نعم الورا (بہترین مخلوق) سے مرشدِ کامل مراد ہے ۔ یعنی بے وفا آدمی خالص زہر ہے یا الٰہی اس کی صحبت سے بچا اور ہمیں مرشد کامل عنایت فرما ۔ بعض نسخوں میں نعم الولا ہے ۔
ولا بمعنی دوستی ہے ۔ یعنی اے خدا ہمیں بہترین دوستی (اپنی محبت) عطا کر ۔

marfat.com

۷۸ ـــــــ عاشق از حق چوں غذا یابد رحیق
عقل آنجا گم شود اے رفیق

۷۹ ـــــــ عقل جزوی عشق را منکر بود
گرچہ بنماید کہ صاحب سر بود

۷۸۔ ترجمہ: عاشق جب حق سے مست کرنے والی غذا پاتا ہے تو اے رفیق عقل اس جگہ نہایت کم ہو جاتی ہے۔
شرح: جو عاشق حق ہے اسے معشوق کی طرف سے ایسی غذا ملتی ہے جو سر بسر بے خود کرنے والی اور عقل کو کھو دینے والی ہوتی ہے۔
خلاصہ یہ کہ عشاق پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک ایسی بے خودی طاری ہوتی ہے جس سے یہ ظاہری عقل سراسر گم ہو جاتی ہے۔ پھر جدھر دیکھنے میں ادھر سے وہی نظر آتا ہے اور وہ ہر وقت محبت میں ڈوبے رہتے ہیں۔

۷۹۔ ترجمہ: جزوی عقل عشق کی منکر ہے اگرچہ وہ بظاہر صاحب سر نظر آئے۔
شرح: یعنی عقل جزئی (عقل معاش) عشق حقیقی کی منکر ہے اور اس کو محالات سے سمجھتی ہے یا جنون خیال کرتی ہے یہی باعث ہے کہ اطبا نے عشق کو امراض میں شمار کیا ہے۔ حالانکہ یہ غلط خیال ہے۔
دوسرے مصرعہ کا مطلب یہ ہے کہ اگرچہ عقل جزئی ظاہر میں صاحب سر اور واقف راز معلوم ہوتی ہے مگر فی الواقع بالکل ناواقف ہے ورنہ اس سے انکار عشق سرزد نہ ہوتا۔

marfat.com

۸۰ — زیرک و داناست امانیست نیست
تا فرشتہ لانشد اہریم نیست

۸۱ — او بقول و فعل یار ما بود
چوں بحکم حال آئی لا بود

---

۸۰ - ترجمہ : عقل مند اور دانا تو ہے لیکن نیست نہیں جب تک فرشتہ نیست نہ ہو شیطان ہے۔

شرح : اوّل لفظ نیست بمعنی فانی اور دوسرا کلمہ نفی ہے یا یہ سمجھئے کہ نفی النفی مفید اثبات ہے یعنی عقل جزئی زیرک و دانا تو ضرور ہے مگر فانی یا نیست نہیں ہے بلکہ ہست یعنی مدعی انانیت ہے اور یہی سبب ہے کہ اپنی ہستی کے مقابلہ میں عشق کو نیست جانتی ہے۔ اگر یہ اپنے آپ کو فانی سمجھتی ہے تو عاشق باقی ہوکر واصل ذات ہوجاتی۔ کیونکہ لقائے الٰہی کے سامنے فنا ہوئے بغیر قرب کی جگہ بعد حاصل ہوتا ہے اور فرشتہ شیطان بن جاتا ہے۔

دیکھ لیجئے ابلیس فقط انانیت اور اپنے دعوے (اَنَا خَیْرٌ مِّنْهُ یعنی میں حضرت آدم سے بہتر ہوں) کے سبب معلم الملکوت ہوکر ملعون کیا گیا۔

دوسرے مصرعہ میں اس طرف اشارہ ہے کہ عقل فرشتہ کے مانند یا خود فرشتہ سہی مگر چونکہ فانی نہیں ہے اس لیے شیطان ہے۔

۸۱ - ترجمہ : وہ قول و فعل ہمارا مددگار ہے لیکن بحکم عشق وہ لاشے ہے۔

شرح : یعنی عقل جزئی گو اقوال و افعال میں ہماری مددگار ہے اور اس سے اکثر اقوال و افعال مطابق شرع صادر ہوتے ہیں لیکن بحکم حال (یعنی باعتبار عشق حقیقی) بالکل ہیچ اور سربسر معدوم ہے ورنہ ہر شخص عاشق ذات ہوتا۔ لا بمعنی لاشے و معدوم ہے۔ عشق کے متعلق عقل کی باتوں کا کچھ اعتبار نہیں۔

marfat.com

لا بود چوں او نشد از ہست نیست
۸۲ — زانکہ طوعاً لا نشد کرہاً لئے ست

جان کمال ست وندائے او کمال
۸۳ — مصطفیٰ گویاں کہ ارحنا یا بلال

---

۸۲ ۔ ترجمہ : وہ چیز ہیچ ہے کہ جو ہست سے نیست نہ ہو اس لیے کہ اگر خوشی سے نیست نہ ہو گی تو جبراً نیست کی جائے گی ۔

شرح : دوسرے مصرعہ میں لفظ لئے لفظ لا کا امالہ ہے اور درستی قافیہ کے لیے آیا ہے یعنی جو عقل جزی ہست سے نیست یعنی فنافی اللہ نہ ہوئی وہ بالکل لاشے اور ناقابل اعتبار ہے کیونکہ جو چیز خوشی سے لا اور فنا نہ ہو گی وہ جبراً فنا کی جائے گی ۔

خلاصہ یہ ہے کہ جو عقل عاشق ذات نہیں وہ مقرر فنا ہو گی ۔ بعض نے عقل سے صاحب عقل مراد لیا ہے، یعنی صاحب عقل جزئی مرنے کے بعد بالکل معدوم ہو جائے گا اور عاشق الٰہی مر کر حیات ابدی حاصل کریگا بعض نسخوں میں لفظ " لئے " کی بجائے لفظ " بسے " دیکھا گیا ۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اکثر دیکھا گیا ہے کہ جو چیز فنا نہیں ہوتی وہ جبراً فنا کی جاتی ہے اس لیے جو کام جبراً اختیار کیا جائے عقلمند کو لازم ہے کہ خوشی سے اسے پہلے ہی اختیار کر لے ۔

۸۳ ۔ ترجمہ : جان کمال ہے اور اس کی آواز کمال ۔ مصطفیٰ فرمایا کرتے تھے کہ اے بلال ہمیں آرام دے ۔

شرح : یعنی انسان کامل کی روح کامل بلکہ عین کمال ہے کہ اپنی ذات میں مشاہدہ حق کرتی رہتی ہے اس لیے اس کی ندا بھی جو دراصل ندائے حق ہے کمال سے خالی نہیں ہوتی یا یہ مطلب ہے کہ جان

(بقیہ بر صفحہ آئندہ)

marfat.com

۸۴ اے بلال افراز بانگ سلسلت
زاں دمے کاندر دمیدم در دلت

صفحہ گذشتہ سے :

عشق الٰہی کے باعث کامل ہے اور اس کی نداچونکہ ندائے عاشق ہے اس لیے با اثر اور عین کمال یعنی ندائے خداوندی اور نغمہ رحمانی ہے اور دوسرے مصرعہ کا مطلب یہ ہے کہ چونکہ حضرت بلال کی روح عین کمال اور ان کی آواز نغمات الٰہیہ میں سے تھی اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انقباض طبع کے وقت ان کو حکم دیا کرتے تھے کہ اے بلالؓ ہم کو اپنی آواز اور اذان سے راحت پہنچا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ حضرت بلال عاشق کامل تھے اور ان کی آواز گویا آواز حق تھی جس کے سننے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دلی راحت پہنچتی تھی۔ چنانچہ ارحنا یا بلال سے مولانا نے اسی طرف اشارہ کیا ہے۔

۸۴۔ ترجمہ: اے بلال اپنی خوشگوار آواز کو بلند کر۔ اس دم سے جو میں نے تیرے دل میں پھونکی ہے۔

شرح: سلسل مخفف سلسال بمعنی آب شیریں و خنک یہاں بمعنی خوشگوار ہے یعنی اے بلال اپنی خوشگوار آواز کو اس نغمۂ الٰہی کے ساتھ بلند کر جو میں نے تجھ میں دم کیا ہے۔ اس دم سے نغمۂ رحمانی یا سرِ معرفت حق یا نکتۂ وحدت مراد ہے جو بذریعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت بلالؓ کے قلب مبارک میں جاگزیں تھا اور جس کی برکت سے بلال کو مرتبۂ بقا بعد الفنا حاصل تھا۔ ایسی حالت میں بمقتضائے بی یسمع و بی ینطق بلال کی آواز گویا آواز حق تھی اور یہی باعث تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی آواز کے مشتاق تھے۔

marfat.com

۸۵ اے بلال ایں گلبنت را جان سپاد
خیز بلبل وار جان می کن نثار

۸۶ زاں دمے کادم ازو مدہوش شد
ہوش اہل آسمان بیہوش شد

---

۸۵ ۔ ترجمہ : اے بلال اسی گلبن پر اپنی جان سپرد کردے ۔ بلبل کی طرح اٹھ کر جان نثار کردے ۔

شرح : گلبن (درخت گل) سے گلبن عشق الٰہی مراد ہے یعنی اے بلال اس گلبن عشق پر ۔ بلبل کی طرح اپنی جان نثار کردے ۔ اس میں یہ اشارہ ہے کہ جس طرح بلبل عشق گل میں نالاں رہتا ہے اسی طرح تو بھی زمزمہ اللہ اکبر اور نعرۂ اشہد ان لا الہ کے ساتھ نالہ کر ۔ تیری آواز خود تیرے اور دیگر سننے والوں کیلئے باعث مدہوشی ہوگی ۔

۸۶ ۔ ترجمہ : اس دم سے جس سے آدم علیہ السلام بیہوش ہوتے تھے جس سے اہل آسمان کا ہوش مدہوش ہوا تھا ۔

شرح : مدہوش بمعنی حیران عربی اور بیہوش بمعنی بے عقل فارسی لفظ ہے ۔ اسی لیے قافیہ جائز ہوگیا ۔ "دم" سے وہی نفخۂ الٰہی اور آدم سے انسان کامل اور خلیفۃ اللہ یعنی ابوالبشر حضرت آدم مراد ہیں اور احادیث و تفاسیر سے ثابت ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نفخۂ حق یعنی استفاضہ معنی نفخت فیہ من روحی کے بعد اپنی ذات میں صفات متضادہ (ملکوتی و ناسوتی) کو مجتمع دیکھ کر اور اپنے آپ کو جامع اسمائے صفات پاکر ایک مدت تک متحیر اور نفخہ حق یعنی روح کی حقیقت اور عجائبات کے معلوم کرنے میں ایک عرصہ تک حیران رہے اور کچھ حضرت آدم ہی پر منحصر نہیں بلکہ حقیقت روح کے معاملہ میں اہل آسمان یعنی ملائکہ اور جمیع پیغمبران غرق دریائے حیرت ہیں ۔ (بقیہ بر صفحہ آئندہ)

marfat.com

مصطفیٰ بیخویش شد زاں خوب صوت
۸۸ــــــــ
شد نمازش در شب تعریس فوت
سر ازاں خواب مبارک بر نداشت
۸۹ــــــــ
تا نماز صبح دم آمد بچاشت

مطلب شعر یہ ہے کہ اے بلالؓ اپنے خوشگوار آواز کو اس نغمۂ الٰہی کے ساتھ ملنیکہ جس کے اثر سے حضرت آدمؑ حیران رہے اور فرشتے بے عقل اور اس کی حقیقت سے نا واقف ہیں۔ چونکہ حضرت بلالؓ نے اپنی ہستی کو نور محمدی میں فنا کر دیا تھا اسی لیے آواز بلالؓ صوت محمدی نغمۂ ذات الٰہی تھے اور اس کو ہم ابھی ثابت کر چکے ہیں کہ نغمۂ ذات الٰہی حضرت آدمؑ کی مدہوشی اور اہل آسمان و زمین کی بیہوشی کا باعث ہے۔

۸۸۔ ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس پیاری آواز سے ایسے بیخود ہوئے کہ شب تعریس آپ کی نماز بھی فوت ہو گئی۔

۸۹۔ ترجمہ: اس خواب مبارک سے سر نہ اٹھایا جب تک کہ صبح کی نماز کے لیے دن نہ چڑھا۔

شرح: تعریس بمعنی رات کو آرام کے لیے مسافر کا اترنا۔ یہاں وہ شب مراد ہے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خیبر کی واپسی کے بعد آپ مع صحابہ کرام پچھلی رات کو سو گئے اور فرمایا اے بلالؓ تم جاگتے رہو، نماز فجر کے لیے جگا دینا۔ جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بھی حضرت بلالؓ کو اور زیادہ تاکید کر دی۔ اس کے بعد حضور علیہ السلام اور صحابہ کرام سو گئے یہاں تک کہ سورج نکل آیا۔ حضور علیہ السلام بیدار ہوئے اور حضرت بلالؓ اور جملہ صحابہ کو جگایا اور فرمایا یہاں سے چلو یہ شیطان کی جگہ ہے۔ کچھ چل کر نماز کا اہتمام کیا۔ حضور علیہ السلام نے حضرت بلالؓ کے سو جانے اور پھر اسے شیطان کی مٹھی بھرنے کا واقعہ ہے۔ یہ روایت مشکوٰۃ شریف میں تفصیل کے ساتھ مذکور ہے۔ بعض جاہل حضرات یہاں پر حضور علیہ السلام کی ناواقفی پر اعتراضات

(بقیہ بر صفحہ آئندہ)

marfat.com

کرتے ہیں اس کے تفصیلی جوابات ہم نے سوانح بلال المسمیٰ بہ ''مراۃ الجمال فی حیات البلال''
عرض کئے ہیں۔ مولانا رومی قدس سرہٗ کا مقصد یہ ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے (شب تعریس) جونہی
اذان کہی تو پھر خود بھی اور حضور علیہ السلام مع صحابہ کرام بیخود ہو گئے یہاں تک کہ نماز بھی قضا ہو گئی۔ لیکن
روایات احادیث میں یہ کہیں نہیں کہ حضرت بلال رضؓ نے تہجد یا فجر کی اذان کہی تھی جس کے سبب رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ بیخود ہو گئے تھے تو اس شعر کا یہ مطلب ہو سکتا ہے کہ رسول اور صحابہ بلالؓ کی روحی آواز
سے بیہوش ہوئے۔ چونکہ آپ بلالؓ کی آواز بارہا سن چکے تھے اور اس وقت بسبب قرب وقت فجر
انہیں کی آواز کا خیال تھا اور آواز بلالؓ فی الواقع آواز ذات حق تھی اس لیے آپ اس آواز کے خیال
سے بیہوش ہوئے اور واقعی حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی آوازیں وہ سوز و گداز تھا کہ جسے سن کر بقول
شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ ملکوتی بھی وجد میں آجاتے تھے۔ حضرت حاجی امداد اللہ رحمہ اللہ
تعالیٰ نے فرمایا کہ یہاں پر 'صوت خوب' سے آواز بلالی مراد نہیں کیونکہ اس وقت وہ خود بھی نیند میں
تھے تو پھر ان کی آواز سے مدہوشی کیسی بلکہ اس سے وہ آواز حق مراد ہے جس سے آدم علیہ السلام بیہوش
ہوئے۔ (بحر العلوم) لیکن ان دونوں تقریروں سے مولانا قدس سرہٗ کی شخصیت پر حرف آتا ہے کہ اگر حضرت
بلال رضؓ نے اذان ہی نہیں دی یا اس آواز سے آواز دیگر مراد ہے تو پھر مولانا نے حضرت بلالؓ کی طرف کیوں منسوب
کیا۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی آواز اسی لیے بہتر ہے کہ یوں کہا جائے کہ واقعی وہ آواز حضرت بلال رضی اللہ
تعالیٰ عنہ کی آواز تھی کیونکہ مولانا نے کل (اذان) بول کر جزو مراد لیا ہے اور جزو سے حضرت بلالؓ کی وہ آواز
مراد ہے جو انہوں نے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے آرام فرما جانے کے بعد نوافل کے لیے تکبیر
تحریمہ کہی یا ممکن ہے کہ انہوں نے نوافل کو قرأۃ جہر سے ادا کیا ہو۔ اس معنی پر اذان کا لغوی معنی مراد
لیا جائے یا حضرت بلالؓ کی وہ آواز مراد ہے جو ہمیشہ اذان میں ہوتی تھی یا ممکن ہے کہ انہوں نے حسب

marfat.com

دستور تہجد کی اذان کہی ہو۔ بہرحال حضرت مولانا قدس سرہ کا صوت خوب جیسا جامع کلمہ کہنا صحیح ٹھہرا جنہوں نے حضرت مولانا رومی قدس سرہٗ پر یہ الزام لگایا کہ جب اذان بلال تھی ہی نہیں تو پھر انہوں نے اذان کے متعلق کیوں فرمایا۔

بعض روایتوں میں یہ بھی ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بلال کو شیطان نے خواب میں ڈال دیا مگر مولانا کے شعر سے بات بالکل مختلف ہے جس کی توجیہہ ضروری ہے۔ وہ یوں کہ حضرت بلال تو بےخودی میں مست ہو کر گر پڑے جسے شیطان نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو غفلت کا شکار سمجھ کر مٹی بھرنا شروع کر دیا۔ اس میں حضرت بلال پر حرف نہیں آتا۔ جیسے حضور علیہ السلام کی قرأت میں شیطان نے آواز ملا کر کہا:

"تلك الغرانيق الخ"

تو نبوت کے بارے میں جب یہ کہا جاتا ہے کہ شیطان کی ذاتی شرارت سے نبوت پر اعتراض کیوں ایسے ہی ہم کہیں گے کہ حضرت بلال کے استغراق میں شیطان کا اپنے طور مٹی بھرنے سے حضرت بلال پر اعتراض کیسا اور حضور علیہ السلام کا اسی فعل کو شیطان کی طرف منسوب کرنا ایسے ہے جیسے آپ نے اس وادی کو شیطان کی وادی کہا۔ چنانچہ بعض روایتوں میں یہ بھی ہے کہ آپ نے اس وادی کو جہاں نماز قضا ہو گئی تھی وادی شیطان کہا حالانکہ اسے مقدس وادی کہنا چاہیئے تھا لیکن اس کے برعکس اسے وادیٔ شیطان کہہ دیا تو وہ صرف اس لیے کہ شیطان نے جب دیکھا کہ یہ تمام حضرات اکرام فرما رہے ہیں تو بادشاہ دینی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) ان سب کو غفلت میں سمجھ کر اپنی کارروائی دکھائی لیکن اس بدبخت کو کیا پتہ تھا کہ یہ حضرات غفلت میں نہیں بلکہ محویت میں ہیں تو جس طرح وادیٔ شیطان کہنا ان حضرات کی محویت کے منافی نہیں ایسے ہی حضرت بلال کے لیے سمجھیئے۔

بعض اہل ظواہر کہہ دیتے ہیں کہ (معاذ اللہ) نماز کی قضا نبوت پر عتاب تھا کہ آپؐ نے نیند سے جگانے کا سہارا غیر اللہ یعنی بلال پر کیا۔ حالانکہ آپؐ کو صرف اللہ تعالیٰ پر سہارا کرنا چاہیئے۔ مولانا قدس سرہٗ نے اس توجیہہ کو غلط اور سراپا غلط کہا اور شاہ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہٗ نے بھی اس توجیہہ کی

(بقیہ بر صفحہ آئندہ)

۹۰ ـــــــ در شب تعریس پیش آں عروس
یافت جان پاک ایشاں دست بوس

صفحہ گذشتہ سے:

سخت تردید کی ہے۔ فقیر اویسی غفرلہ، نے "مراۃ الجمال فی حیاۃ البلال" میں اسے وضاحت سے لکھا ہے۔

ایک بات اور یہاں ضروری ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قلب مبارک جب ہر وقت بیدار رہتا تھا تو پھر آپ نے نماز کو کیوں قضا ہونے دیا حالانکہ جس کا قلب بیدار ہو وہ کبھی غافل نہیں ہوتا وہ اپنے وقت پر کام کو سرانجام دیتا ہے۔ اس کی توجیہات فقیر نے رسالہ مذکور میں لکھ دی ہیں یہاں صرف دو توجیہوں پر اکتفا کرتا ہے۔

۱۔ مشاہدہ محبوب میں ایسے محو تھے کہ آپ ماسوی اللہ کی طرف توجہ مبذول فرمانا چاہتے ہی نہیں جیسا کہ مولانا نے آنے والے اشعار میں فرمایا۔

۲۔ امت کی خیرخواہی فرمائی کہ اگر کبھی ان کی نمازیں قضا ہوں تو در در دھکے نہ کھائیں بلکہ نبوت کی قضا کی اقتدا میں بارگاہ حق میں پہنچیں۔ حق تعالیٰ محبوب کی نماز کو قبول فرمالے گا تو امت کی نمازیں بھی قبول ہوں گی۔

۹۰۔ ترجمہ: شب تعریس میں اس عروس کے سامنے اس کی پاک جانوں نے دست بوس حاصل کیا۔

شرح: عروس نئی دلہن۔ عرس یعنی وصال آتا ہے اور شب تعریس بھی اسی سے مشتق ہے۔ یہاں عروس کا اشارہ ذات حق کی طرف ہے اور مطلب مولانا کا یہ ہے کہ شب تعریس کی غفلت جو نماز فجر کے قضا کا باعث ہوئی وہ خواب نہ تھی بلکہ وصال حق تھا اور حضور سرور کائنات اور تمام صحابہ کی روحیں ذات حق کے سامنے عجز و نیاز کر رہی تھیں اس وجہ سے نماز قضا ہوئی۔

(بقیہ برصفحہ آئندہ)

marfat.com

۹۱ — عشق و جان ہر دو نہانند و ستیر
گر عروسش خواندہ ام عیبے مگیر

صفحہ گذشتہ سے :

ف : یہاں پر مولانا خود لفظ تعریس کے ترجمہ میں سے ہی اہل ظواہر کو تنبیہہ فرماتے ہیں کہ تعریس کا وہ معنی نہیں جو تم نے کیا بلکہ بمعنی وصال یار ہے۔ یہی معنی نہایت موزوں ہے۔

۹۱۔ ترجمہ : عشق اور جان دونوں پوشیدہ اور مخفی ہیں اگر میں نے اسے عروس کہہ دیا ہے تو میری عیب گیری نہ کیجئے۔

شرح : ستیر بمعنی پوشیدہ و مستور اور لفظ عشق سے مراد معشوق حقیقی ہے۔ یعنی روح اور معشوق حقیقی دونوں مخفی اور مستور ہیں اور ہماری مراد ان کے مخفی ہونے سے یہ نہیں کہ یہ عورت یا مرد ہیں۔ بلکہ معشوق حقیقی کو بطریق استعارہ، تمثیلہ اگر میں نے عروس کہہ دیا ہے تو مجھ کو معیوب نہ سمجھ کیونکہ میری مراد عروس سے اس کے معنی لازم ہیں یعنی ستر اور خفا اور یہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ ردائے کبریائی میں مخفی ہے اور اپنی لطافت کے باعث نظر سے پنہاں ہے۔ قرآن مجید میں موجود ہے:

لا تدركه الابصار وهو يدرك الابصار وهو اللطيف الخبير ۔

یہ شعر اس سوال کا جواب ہے۔

سوال : جان سے جب ذات حق مراد ہے تو اسے عروس کیسے جائز ہوا جب کہ اس کا اطلاق مخلوق پر ہوتا ہے خالق پر نہیں۔

جواب : میں نے من وجہ سے معمولی سی مناسبت سے ذات حق کو عروس استعارۃ کہا ہے اور وہ جائز ہے۔ اس کی دلیل اگلے شعر میں بیان فرماتے ہیں :

marfat.com

از ملال یار خامش کردمے

۹۲ — گر ہم او مہلت بدادی یکدمے

لیک می گوید بگو ایں عیب نیست

۹۳ — جز تقاضائے قضائے غیب نیست

۹۲۔ ترجمہ: میں یار کے ملال سے خاموش ہو جاتا اگر وہ ایک دم کی مہلت بھی مجھے دیتا۔

شرح: یعنی اگر یار جس سے ذات حق مراد ہے میرے عروس کہنے سے ناخوش ہوتا یا مجھے اس تشبیہ میں اس کی ناراضی کا اندیشہ ہوتا تو میں صرف اس کے ملال سے خاموش ہو جاتا یعنی عروس نہ کہتا مگر چونکہ یار میرے اس کہنے سے ملول نہیں ہوتا اس لیے مجھے اس کو عروس کہنے میں کچھ فکر نہیں۔ البتہ اگر مجھ سے جذبات الٰہیہ تھوڑے سے عرصہ کے لیے جدا ہو جاتے اور میں مرتبۂ عقل میں ہوتا تو یہ کلمہ نہ کہتا۔

اس سے معلوم ہوا کہ مولانا غوث اور قطب زمانہ تھے اور ہر دم غرق بحر وحدت رہتے تھے اور ان کا کلام حالت استغراق کا خلاصہ ہے۔

۹۳۔ ترجمہ: لیکن وہ کہتا ہے کہ کہو یہ عیب نہیں ہے۔ سوائے حکم غیب کے تقاضہ کے اور کچھ نہیں۔

شرح: یعنی میں تو اسے عروس نہ کہتا مگر معشوق حقیقی خود یہ کہتا ہے کہ تیرا اسم کو عروس کہنا عین تقاضائے حکم غیبی ہے۔ اگرچہ منکر قضا کے نزدیک عیب ہو کیونکہ جو لوگ بحرِ وحدت میں غرق ہیں وہ عیب جوئی سے کام نہیں لیتے بلکہ ان کے جمیع افعال اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہونے ہیں نتیجہ یہ ہوا کہ مولانا قدس سرہٗ کا شاہد غیبی کو عروس کہنا اپنی طرف سے نہیں بلکہ تقاضائے حکم غیبی تھا اس لیے ان پر اعتراض نہیں ہو سکتا۔

marfat.com

۹۴ — عیب باشد کو نہ بیند جز کہ عیب
عیب کے بیند رواں پاک غیب

۹۵ — عیب شد نسبت بمخلوق جہول
نے بہ نسبت با خداوند قبول

۹۴۔ ترجمہ : اسے عیب ہے جو سوائے عیب کے نہ دیکھے۔ غیب کی پاک جان کو عیب سے کیا مطلب۔

شرح : یعنی ایسے کمالات اس شخص کے نزدیک ہیں جو بجز عیب اور کسی چیز کو نہیں دیکھتا اور جس کی روح پاک عالم غیب تک واصل ہے اس کے نزدیک عیب نہیں۔ رواں پاک وغیب سے جان عارف مراد ہے

۹۵۔ ترجمہ : عیب جاہل مخلوق کی نسبت عیب ہے نہ کہ خداوند قبول کی نسبت۔

شرح : یعنی عیب کو عیب جاننا جاہل مخلوق کا کام ہے نہ خداوند قادر کا۔ کیونکہ وہ مخلوق کے عیبوں کو چھپانے والا اور بخشنے والا ہے اور اس کے نزدیک عیب عیب نہیں البتہ جاہل مخلوق ایسی اندھی ہے کہ عیب تو عیب بعض لوگ ہنر کو بھی عیب ہی جانتے ہیں اور اگر خداوندِ قبول کا ترجمہ خدا کے مقبول بندے کریں جس سے عارف مراد ہیں تو اس کا یہ مطلب ہے کہ عارفان کامل کسی کے عیب کو عیب نہیں خیال کرتے۔

marfat.com

۹۶ کفر ہم نسبت بہ خالق حکمت است
چوں بما نسبت کنی کفر آفت است

۹۷ در یکے عیبے بود با صد صفات
بر مثالِ چوب باشد در نبات

۹۶۔ ترجمہ: کفر کو بھی خالق کی طرف منسوب کرنا حکمت ہے جو تو ہماری طرف نسبت کرے تو کفر البتہ آفت ہے۔

شرح: یعنی اگر اللہ تعالیٰ کی طرف خلق کفر کو منسوب کرو اور یوں کہو کہ اللہ تعالیٰ خالق کفر ہے تو کچھ عیب نہیں کیونکہ علم عقائد میں تصریح موجود ہے کہ جملہ افعال کا خالق (وہ کفر ہو یا ایمان) اللہ تعالیٰ ہی ہے اور کاسب اس کے بندے ہیں۔ چونکہ منجملہ افعال کے کفر بھی ایک فعل ہے اس لیے کفر کا خالق بھی وہ ہی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے:

وما خلقنا السماء والارض وما بینھما باطلا۔

چونکہ کفر بھی مابین آسمان وزمین موجود ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ کفر کا پیدا کرنا بھی خالی از حکمت نہیں۔ بہت بڑی حکمت تخلیق کفر میں یہ ہے کہ اگر کفر نہ ہوتا تو ایمان وعرفان میں تمیز نہ ہوتی۔ تعرف الاشیاء باضدادھا۔ علاوہ اس کے اگر کفر نہ ہوتا تو دوزخ کا پیٹ کس چیز سے بھرا جاتا۔ البتہ اگر کفر ہماری طرف منسوب ہو تو موجب آفت اور باعث دوزخ ہے۔

۹۷۔ ترجمہ: اور جو کسی میں سو صفتوں کے ساتھ ایک عیب بھی ہو تو اس کی مثال ایسی ہے جیسے مصری میں تنکا۔

شرح: یعنی اگر کسی شخص میں بہت سی صفتوں کے ساتھ ایک آدھ عیب بھی ہے تو اس کی

(بقیہ بر صفحہ آئندہ)

marfat.com

۹۷ــــــ در ترازو ہر دو را یکساں کشند
زانکہ آں ہر دو چو جسم و جاں خوشند

صفحہ گذشتہ سے :

مثال ایسی ہے جیسے مصری میں تنکا کہ جو محض بے حقیقت ہے۔ مصری سراسر میٹھی چیز ہے اس میں تنکے کا ہونا مصری کے کوزہ کی قیمت کو کم نہیں کر دیتا اور وہ تنکا مصری کے ساتھ ہی تلتا ہے۔ اسی طرح اگر کسی میں بہت سی صفتیں ہونے کے باوجود کوئی عیب بھی ہو تو وہ عیب عیب نہیں بلکہ وہ عیب اسی طور پر خوبیوں میں تولے جانے کے قابل ہے جس سے کہ مصری میں تنکا مل کر بک جاتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ بہت سی خوبیوں میں تھوڑا عیب اور بہت سی برائیوں میں تھوڑی خوبی ہیچ ہوا کرتی ہے۔

۹۷۔ ترجمہ : ترازو میں ہر دو کو برابر ہیں اس لیے کہ ہر دونوں جسم و جاں کی طرح خوش ہیں۔

شرح : یعنی ترازو یا کانٹے میں مصری اور تنکے کو یکساں اور ایک چیز سمجھ کر تولتے ہیں ایسا نہیں ہوتا کہ تنکے کے وزن کے برابر مصری کی قیمت کم ہو جائے یا تنکے نکال کر مصری تولی جائے کیونکہ مصری اور تنکا شدت آمیزش کے باعث ایک جان ہو گئے ہیں جن کا انفصال نہیں ہو سکتا۔ لفظ ترازو سے صاف ظاہر ہے کہ پہلے شعر میں نبات یعنی قند یعنی مصری ہے کیونکہ گتا ترازو میں نہیں تلتا۔

نکتہ : کتب فقہ میں ایک مسئلہ موجود ہے کہ غالب الفضۃ فضۃ و غالب الذہب ذہب۔ یعنی جس زیور یا برتن یا کسی اور شے میں کھوٹ کم ہو اور سونا یا چاندی زیادہ ہو تو وہ چیز ساری کی ساری خالص سونے یا چاندی ہی کی ہے اور اس کی زکوٰۃ خالص سونے یا چاندی ہی کے حساب سے دی جائے گی۔ کیونکہ للاکثر حکم الکل اسی طرح مصری میں ایک آدھ تنکا یا ڈورہ رہ گیا ہے تو وہ خالص مصری کے حکم میں ہے اور اولیاء اللہ میں کوئی عیب ہے تو وہ بمنزلہ ہنر ہے۔

marfat.com

۹۸ —— پس بزرگان ایں نگفتند از گزاف
جسم پاکاں ہمچو جان افتاد صاف

۹۹ —— گفت شان و فعل شان و ذکر شان
جملہ جان مطلق آمد بے نشان

۹۸۔ ترجمہ: اس لیے بزرگوں نے مزاحاً نہیں فرمایا کہ اولیاء کے اجسام ارواح کی طرح صاف وشفاف ہیں۔

شرح: یعنی جب تجھے یہ معلوم ہو گیا کہ ایک آدھ عیب بہت سے ہنروں میں شامل ہو کر ہنر ہی سمجھا جاتا ہے تو بزرگوں کا یہ قول غلط یا لغو یا فضیحتی نہیں ہے کہ پاک لوگوں کا جسم ان کی روح کی طرح پاک ہوتا ہے۔ بلکہ یہ خیال فی الواقع درست اور بالکل بجا ہے۔ پاکوں کے جسم روح کی مانند پاک وصاف ہوتے ہیں اسی لیے ان سے برائیوں کا صدور ان کے لیے موجب نقصان نہیں۔ ہم ان کی برائیوں کو دیکھ کر برائی کو برائی تو سمجھیں گے لیکن ان سے بدظنی کی بجائے حکمت پر محمول کریں گے بلکہ بعض اولیاء کرام تو اتنا بلند پایہ ہوتے ہیں کہ ان کو معاصی و جرائم معز ہوتے نہیں چنانچہ حضرت شاہ غوث علی بیان فرماتے ہیں کہ،

۹۹۔ ترجمہ: ان کی گفتار اور ان کے کردار اور ان کا ذکر جملہ مطلق بے نشان سے ہو رہا ہے۔

شرح: حضرت حاجی امداد اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ شعر پہلے شعر کی تاکید میں لایا گیا ہے۔ (نفس) سے روح اور (نقش) سے جسم وصورت اور (جملہ جان مطلق) سے ذات حق مراد ہے یعنی جیسے اللہ تعالیٰ کی ذات جملہ عیوب سے پاک ومنزہ ہے ایسے ہی اولیاء اللہ کیونکہ یہ حضرات حق کا مظہر ہیں (بحر وغیرہ) اب شعر کا مطلب یہ ہوا کہ اولیاء کرام کا ہر قول وفعل اور ان کا ذکر

(بقیہ بر صفحہ آئندہ)

marfat.com

۱۰۰ — جان دشمن دار نشان جسمے ست صرف
چوں زیاد از نرد او اسمے است صرف

صفحہ گذشتہ سے :

جان مطلق (سر لبسر روح) اور بے نشان (فنا فی الذات یا فنا فی رضاء اللہ) ہے۔ کیونکہ ان کا جسم مع صفات مرتبہ فنا میں ہے۔ بعض نسخوں میں :

"گفت شان ونفس شان ونقش شان"

ہے یعنی پاکوں کے جمیع حرکات وسکنات اور ان کا نفس اور نقش جسمی بسبب صفائے قلب روح مطلق بن گیا ہے اور روح مطلق عین حق ہے۔ بمقتضائے اَلرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ۔

بس تو اولیاء کے حرکات وسکنات اسی کی حرکات وسکنات ہیں۔ ان پر عیب گیری نہ چاہیئے۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ تعالیٰ تفسیر مظہری میں لکھتے ہیں کہ اولیاء کی شان یہ ہے کہ :

اَرْوَاحُنَا اَجْسَادُنَا وَ اَجْسَادُنَا — یعنی ہمارے جسم بمنزلہ ارواح ہیں اور
اَرْوَاحُنَا۔ — ہماری روحیں بمنزلہ اجسام کے۔

مطلب یہ کہ اولیاء اللہ فنا فی الذات ہوتے ہیں۔ اس لیے نہ ان میں عیوب ہوتے ہیں نہ نقائص جو ان کے عیوب ونقائص نکالتا ہے وہ اپنے انجام کو برباد کرتا ہے۔

۱۰۰۔ ترجمہ : اولیاء کے اعداء صرف خالی جسم ہیں۔ جیسے نرد میں سے زیاد صرف نام ہی نام ہے۔

marfat.com

آں بخاک اندر شد و کل خاک شد
۱۰۱ـــــــ
ایں نمک اندر شد و کل پاک شد

۱۰۱۔ ترجمہ: دشمن مٹی میں گیا تو مٹی میں مل گیا۔ یہ نمک میں جا کر سارے کا سارا پاک ہو گیا۔

شرح: یعنی دشمن اولیاء کا جسم جب خاک میں گیا وہ سراسر خاک ہو گیا اور کسی کام کا نہ رہا مگر اولیاء کا جسم جب خاک میں ملا تو گویا نمک معرفت بن گیا۔ مثل مشہور ہے: "ہر کہ در کان نمک رفت نمک شد" یعنی جو چیز نمک میں ملتی ہے وہ نمک ہی بن جاتی ہے اور چونکہ نمک کھانے کی چیز ہے اس لیے چاہیئے اس میں ملنے والی شے کیسی ہی نجس ہو نمک میں مل کر اور نمک بن کر پاک ہو جائے گی۔ چنانچہ یہی مطلب مولانا رح کا ہے کہ اہل ظاہر کا جسم خاک ہو جاتا ہے اور اہلِ باطن کا نمک بن جاتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ بیکار نہیں ہوتا اور نمک سے اسرار مراد ہیں جیسے نمک ظاہری اغذیہ کا مصلح ہے ایسے ہی اسرار الٰہی روحانی غذاؤں کی اصلاح کرتے ہیں ایسے ہی اولیاء کرام کے متعلق سمجھیئے کہ وہ اگرچہ اعمال صالحہ کی برکت سے پہلے بھی پاک تھے لیکن جونہی اسرار الٰہی کے نمک سے سرشار ہوئے تو اطہر ہو گئے کیونکہ نمک کی ایک خاصیت یہ ہے کہ وہ پلید اشیاء کو پاک کرتا ہے چنانچہ سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ شراب میں اگر نمک ڈال دیا جائے تو وہ شراب سرکہ بن کر شراب والی کیفیت ختم کر کے پاک ہو جاتا ہے اب وہ شراب شراب نہ رہا اور شرعی قاعدہ ہے کہ ہیئیت کی تبدیلی سے احکام بدل جاتے ہیں جیسے گندگی کھیت میں پڑ کر مٹی بن کر اسی سے سبزیاں اگتی ہیں اب چونکہ ہیئت بدل گئی ہے اسی لیے انہیں ہم کھاتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ نمک میں ہیئت کی تبدیلی کی طاقت ہے اور وہ پلید کو پاک بناتا ہے۔

مثلاً گدھا نمک کی کان میں پڑ جائے تو وہ بھی نمک ہو جاتا ہے تو اب اس کی ہیئت بدل گئی پاک ہو گیا۔ ایسے اولیاء اللہ پاک تھے لیکن جب محویت حاصل ہوئی اور فانی فی اللہ ہوئے تو وہی اوصاف پائے جو ذات حق کے تھے اس لیے ان کے عیوب تلاش کرنا یا انہیں عیوب و نقائص سے موصوف کرنا گویا ذات باری تعالیٰ کے عیوب و نقائص بیان کرنا ہے۔ وھو منزہ عن ذلک۔

marfat.com

۱۰۲ــــــــ آں نمک کز وے محمد املح است
زاں حدیث با نمک او افصح است

۱۰۳ــــــــ آں نمک باقیست از میراث او
با تواند آں وارثان او بجو

۱۰۲۔ ترجمہ : وہ نمک کہ جس سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم املح ہیں۔ اس لیے آپ کے نمک کی حدیث زیادہ فصیح ہے۔

شرح : یعنی جسم اولیاء جس نمک میں جاکر ملتے اور نمک بن جاتے ہیں وہ نمک وہ ہے جس سے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم واملح ہیں اور جس نمک سے آپ کی حدیث با نمک افصح ہو گئی ہے۔ یہ نمک اسرار و معرفت کا نمک ہے جو عام نمک کی طرح اپنے آپ میں ملنے والے کو نمکین کر لیتا ہے۔ اس میں انا املح و اخی یوسف اصبح کی طرف اشارہ ہے۔ اس حدیث میں ظاہری ملاحت (نمکینی) مراد نہیں بلکہ وہ اسرار و رموز ربانی مراد ہیں جو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو بلاواسطہ از حق تعالیٰ عطا ہوئے کہ جن کے علوم کو دیکھ کر کل کائنات کے دانشور انگشت بدنداں ہیں۔ ؎

نگار من کہ بمکتب نرفت و درس نخواند
بغمزۂ مسئلہ آموز و صدر مدرس شد

۱۰۳۔ ترجمہ : وہ نمک ان کی میراث سے باقی ہے۔ اس کے وارث موجود ہیں ڈھونڈ لے۔

شرح : یعنی اے مخاطب اس نمک کے وارث جو حضرت رسول خدا میں تھا تیری جنس میں یا تیرے زمانہ میں بھی موجود ہیں مگر جستجو شرط ہے کیونکہ العلماء ورثۃ الانبیاء (یعنی علماء پیغمبروں کے وارث ہوتے ہیں) پس یہی علماء لوگ اس نمک کے وارث ہیں ان کے پاس جا اور استفادہ کر تاکہ تو بھی ان کی طرح وارث نبی علیہ السلام ہو جائے اور یہ وارثان رسول صلی اللہ علیہ وسلم

marfat.com

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تاقیامت رہیں گے۔

نکتہ : حاجی امداد اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جیسے وراثت کسب و مشقت اٹھائے بغیر حاصل ہوتی ہے ایسے ہی یہ علوم و معارف قیل و قال اور درس و تدریس اور تعلیم و تعلم کے بغیر نصیب ہوتے ہیں۔

سیدنا غوث الثقلین شہنشاہ بغداد پیر پیران میر میراں دستگیر حضرت محی الدین جیلانی قدس سرہٗ نے فرمایا ع

دَرَسْتُ الْعِلْمَ حَتّٰی صِرْتُ قُطْبًا

ترجمہ : علم دین پڑھاتے پڑھاتے قطب ہوا۔

marfat.com

۱۰۴ــــــــ پیش تو شستہ ترا خود پیش کو
پیش هستت جان پیش اندیش کو

۱۰۴۔ ترجمہ: وہ حضرات تیرے سامنے بیٹھے ہیں جیسے تیری روح تیرے اندر ہے ایسے ہی وہ تیرے سامنے موجود ہیں۔ کچھ غور و فکر کیجیے۔

شرح: شستہ نشستہ کا مخفف ہے یعنی وارثان مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہر وقت تیرے سامنے رہتے ہیں لیکن آنکھ نہیں دیکھنے والی اور پھر تیری بڑی خامی یہ ہے کہ تو ان کی تلاش و جستجو بھی نہیں رکھتا۔ یقین کیجئے وہ ورثہ نبی علیہ السلام تیرے ہاں موجود ہے لیکن تو سوچ بچار کا مادہ نہیں رکھتا اسی لیے وہ تجھے نظر نہیں آتے اور نہ تو ان سے مل سکتا ہے۔

حضرت خواجہ غلام فرید کوٹ مٹھن شریف والے رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

مل وسدے لوکاں نال ہن — دراصل فارغ بال ہن
ہر آن غرق خیال ہن — شاغل مٹھن شاغل اَمش

اگر یہ حضرات ہمارے ساتھ رہتے ہیں لیکن درحقیقت وہ بالکل فارغ ہوتے ہیں بلکہ ہر وقت وہ خیال یا ایسے مستغرق ہوتے ہیں سوتے ہیں تو بھی مشغول اور اُٹھتے ہیں تو مشغول۔

marfat.com

۱۰۵۔۔۔۔ گر تو خود را پیش و پس کردی گمان
بستہ جسمی و محرومی ز جان

۱۰۵۔ ترجمہ: پیش و پس کا اگر تو نے گمان کیا تو تو جسم سے مقید رہ کر محبوب حقیقی کے وصال سے محروم رہے گا۔

شرح: اس شعر کو اور اس کے بعد والے اشعار کو ماقبل کے اشعار سے کوئی تعلق نہیں بلکہ یہاں سے جدید مضمون کی طرف انتقال کیا گیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے:

اے انسان تو ایک اعلیٰ منصب کا مالک ہے۔ فلہذا تجھے اس کون و مکان کی قیود میں مقید نہیں رہنا چاہیئے بلکہ تو لامکانی ہے اسی طرف پرواز کرنے کی جدّوجہد کیجئے۔ چنانچہ فرمایا کہ اے سالک تو نے اپنے متعلق یہ سمجھ رکھا ہے کہ جو شخص باعتبار صورت مقدم تھا وہ باعتبار معنی بھی مقدم ہے، اور جو باعتبار صورت مؤخر ہے وہ باعتبار معنی بھی مؤخر رہے گا اور اس کا نتیجہ تو نے یہ نکال لیا کہ مجاہدہ اور عرفان سے کچھ حاصل نہیں کیونکہ جب میں باعتبار صورت مؤخر ہوں تو لا کھہ مجاہدہ کروں باعتبار معنی بھی مؤخر رہوں گا تو اس قسم کے خیال کا یہ نتیجہ ہوگا کہ تو ہمیشہ مقید جسم رہے گا کیونکہ پیش و پس اور جہات جسم کی صفتیں ہیں روح کو اس سے کچھ تعلق نہیں۔

اے مخاطب تو اپنے اس خیال فاسد کے باعث حقیقت روح کے ادراک سے محروم رہے گا۔ کیا تو یہ نہیں جانتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بصورت جمیع انبیاء سے موخر تھے مگر باعتبار معنی سب سے مقدم ہیں کیونکہ معنی اور جان کو پیش و پس اور جہات سے کیا علاقہ اے شخص قیدِ جسم سے نکل جا اور سربسر روح بن۔

۱۰۶ــــــــــ زیر و بالا پیش و پس وصف تن است
بے جہت ہا ذات جان روشن است

۱۰۷ــــــــــ برکشا از نور پاک شہ نظر
تا نہ پنداری تو چوں کوتہ نظر

۱۰۶۔ ترجمہ : زیر و بالا پیش و پس یہ سب جسم کی صفتیں ہیں اور جہات سے منزہ ہے وہ محبوب۔

شرح : حاجی امداد اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ حاشیہ مثنوی میں لکھتے ہیں کہ یہ محرومی کی علت ہے یعنی وہ محرومی جو پہلے شعر میں مذکور ہے۔ یعنی زیر و بالا یا پیش و پس ہونا صفات جسمیہ میں سے ہے۔ نیچے اوپر یا آگے پیچھے وہی شے ہو سکتی ہے جو صاحب جسم ہو۔ روح جو ایک جوہر روشن ہے ان اوصاف سے بالکل پاک ہے۔ تو اگر پیش و پس اور زیر و بالا کو مد نظر رکھے گا تو ہمیشہ قید جسم میں گرفتار رہے گا۔ حالانکہ تجھے قید جسم سے آزاد ہو کر روح روشن بنا چاہیئے۔ بعض نسخوں میں "بے جہت ہا آں جہاں روشن ست" ہے۔ اس صورت میں جہان روشن سے وہی عالم جان مراد ہے جو گذشتہ شعر میں تھا مطلب دونوں نسخوں کا ایک ہے۔

۱۰۷۔ ترجمہ : شہ پاک کے نور سے دیکھ تاکہ تو اپنے آپ کو کوتاہ نظر کی طرح نہ گمان کرے۔

شرح : یہ دونوں شعر قطعہ بند ہیں اور دوسرے شعر میں کاف سر مصرع پنداری کا بیان ہے۔ شہ سے بادشاہ حقیقی (اللہ تعالیٰ) اور نور پاک شہ سے مرشد کامل مراد ہے یعنی اے غافل مرشد کامل کے ذریعہ سے جو فی الواقع بادشاہ حقیقی کا نور ہے اپنی حقیقت کو دیکھ اور مرشد کامل یا نور پاک شہ اس لیے ضروری ہے کہ تو کوتہ نظر شخص کی طرح یہ گمان نہ کر لے کہ میں فقط مقید غم و شادی ہوں یعنی محبوس ادبار غم یا اقبال مسرت ہوں۔ بلکہ جب مرشد کامل کے

(باقی بر صفحہ آئندہ)

marfat.com

که همینی در غم و شادی و بس
۱۰۸ ای عدم کو مر عدم را پیش و پس

از وجود و از عدم گر بگذری
۱۰۹ از حیات جاودانی بر خوری

صفحہ گذشتہ سے:
نورِ پاک سے دیکھے گا تو معلوم ہوجائے گا کہ تو سراسر عدم اور فانی ہے اور عدم کے لیے اقبال و ادبار اور پیش و پس کچھ نہیں ہوتا۔ آخر مصرع میں لفظ "کو" یعنی کجا یا تو مفید استفہام انکاری ہے یا گو مشتق از گفتن صیغۂ امر ہے۔ یعنی اے شخص فانی ہمیں عدم کا پیش و پس بتا کہ کس طرف اور کہاں ہوتا ہے۔ مطلب یہ کہ نہیں ہوتا۔

۱۰۸۔ ترجمہ: کہ ایسے ہی تو غم و شادی میں بس، عدم کہاں ہے کہ اس عدم کو پیش و پس ہو۔
شرح: یہی حال تیری شادی و غم کا ہے کہ جس کو تو شادی و غم سمجھ رہا ہے یہ دراصل کوتاہ نظری ہے ورنہ شادی و غم کوئی چیز نہیں اسلئے تو ریاضت اور مجاہدہ سے سراسر فنا ہوجا اور اپنے آپ کو معدوم کر۔ اس وقت تجھ کو یہ پیش و پس اور شادی و غم کوتاہ کی طرح ہرگز نظر نہ آئیں گے اور نہ جہات باقی رہیں گے تب تجھ کو اپنی حقیقت معلوم ہوگی کہ جسم کیا ہے اور جان روشن کیا ہے تجھ کو ذات حق میں فنا ہوجانا چاہیئے۔ جہاں پیش و پس غم و شادی کا گمان تک نہیں۔
۱۰۹۔ ترجمہ: اگر تو عدم و جود سے گزر جائے تو حیات جاودانی سے فیض یاب ہو سکتا ہے۔
شرح: یعنی اگر تو ہستی اور فنا دونوں سے گزر کر فناء الفناء کا مرتبہ حاصل کرے گا تجھے حیات جاودانی نصیب ہوگی اور اس وقت اس سے فیض یاب ہو سکے گا۔

marfat.com

۱۱۰ — روز باراں ست می رو تابشب
نے ازان باران ازان باران رب

۱۱۱ — ہست بارانی جز ایں باران بدان
کہ نمی بیند در آجز چشم جان

۱۱۰۔ ترجمہ: باراں کا دن ہے رات تک چلتا رہ۔ نہ یہ باران ہے بلکہ وہ باران رحمت ہے۔

شرح: باران سے باران فیض رحمانی اور شب سے تاریکی موت مراد ہے گویا زندگی کو موسم برسات سے تشبیہہ دی گئی ہے جس میں باران فیض برسا کرتا ہے۔ اب مطلب یہ ہے کہ اے مخاطب رحمت الٰہی کا مینہہ برس رہا ہے تو دن دن میں بارش سے فیضیاب ہوتا ہوا رات تک چلتا رہ اور اس بارش میں خوب نہالے تاکہ تیرا دل اور روح خوب دھل جائیں۔ جب رات ہوگئی یعنی موت آگئی تو اس بارش میں نہانا نہیں ملے گا۔

دوسرے مصرعہ کا یہ مطلب ہے کہ ہم جس مینہہ کا کہہ رہے ہیں وہ یہ مینہہ نہیں ہے بلکہ باران رحمت ہے جو خلق پر ہر وقت برستا ہے۔ یہ توفیق کی بات ہے کہ کوئی اس سے فیض یاب ہو یا نہ ہو۔

۱۱۱۔ ترجمہ: جان لے کہ اس بارش کے سوا اور بارش بھی ہوتی ہے کہ جس کو سوائے جان کی آنکھ کے کوئی نہیں دیکھ سکتا۔

شرح: یہ شعر شعر مذکورہ بالا کی توضیح ہے اور مطلب وہی ہے جو اوپر عرض ہوا کہ فیوضات الٰہی اور عنایات رحمانی کا مینہہ اس دنیوی مینہہ سے علیحدہ ہے جو ان ظاہری آنکھوں کو برستا نہیں دکھائی دیتا وہ انہیں آنکھوں کو نظر آتا ہے جو باطن میں ہیں۔ جو آدمی باطنی آنکھیں رکھتا ہوگا وہ اس بارش کو دیکھے گا۔

(بقیہ برصفحہ آئندہ)

marfat.com

چشم جاں را پاک کن نیکو نگر

۱۱۲ —— تا ازاں باران عیاں بینی خضر

صفحہ گذشتہ سے:

جیسے بی بی عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو نور باطن نصیب تھا تو انہوں نے اس باطنی بارش کو دیکھ لیا تھا جس کا قصہ ابھی آتا ہے۔

۱۱۲۔ ترجمہ: آنکھ کی جان کو اچھی پاک اور ستھرا کرکے اچھی طرح غور سے دیکھ تاکہ اس بارش سے تجھے کھلم کھلا سبزہ نظر آجائے۔

شرح: اگر دوسرے مصرعہ میں لفظ خضر بالکسر ہے تو یہ سمجھنا چاہیئے کہ معرفت الٰہی کو باعتبار بلندی مرتبہ حضرت خضر کے نام سے تعبیر کیا گیا ہے اور اگر خضر بفتحتین ہے تو معنی سبزہ زار عرفان ہے اور مطلب دونوں کا ایک ہے۔

یعنی اے مخاطب چشم باطن کو معائنہ اسباب دنیوی سے پاک کرکے اچھی طرح دیکھ۔ تجھ کو باران فیوض الٰہی اور سبزہ زار عرفان ظاہر طور پر نظر آجائے گا اور اس کے ظہور میں کسی قسم کا شک باقی نہ رہے گا۔

marfat.com

سوال کردن عائشہ صدیقہؓ از حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کہ امروز باران بارید و جامۂ مبارک تو چوں تر نشد

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کرنا کہ اس کا کیا سبب کہ آج مینہہ تو برسا مگر آپ کے کپڑے نہ بھیگے۔

ربط: چونکہ پہلے واردات الٰہی اور فیوض ربانی کے ذکر میں مولانا قدس سرہٗ فرما چکے ہیں کہ فیوض رحمانی ہر ایک آنکھ کو نہیں بلکہ خاصان حق کو نظر آتے ہیں۔ اس قصہ میں اُس ولیۂ حق (حضرت عائشہ صدیقہ) کا ذکر ہے جس کو وہ باران فیوض ظاہر طور پر نظر آتے تھے۔

خلاصہ حکایت: قبل از شرح ابیات حکایت کا خلاصہ ملاحظہ ہو۔

ایک دن حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک صحابی کے جنازے کے ساتھ قبرستان میں تشریف لے گئے۔ نماز جنازہ سے فارغ ہونے کے بعد جب آپ واپس تشریف لے آئے تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے اور باتیں کرنے لگے۔ باتوں باتوں میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی نگاہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ پر پڑی تو وہ سامنے آئیں اور چہرے کو ہاتھ سے چھونے لگیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پگڑی، چہرہ، بال، گریبان اور بازوؤں کو چھو کر خوب اچھی طرح دیکھا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پوچھا اے عائشہ آپ جلدی جلدی کیا ڈھونڈ رہی ہیں۔ انہوں نے کہا:

اے حضرت آج بارش برسی تھی، میں آپ کے کپڑوں کو دیکھ رہی ہوں۔ تعجب ہے کہ بارش سے نہیں بھیگے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

marfat.com

اے عائشہ تم نے آج سر پر کیا اوڑھا تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

آپ کی فلاں چادر بجائے اپنی اوڑھنی کے میں نے آج اپنے سر پر رکھی تھی۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا:

اے عائشہ (رضی اللہ عنہا) اسی لیے ایک پاک دل تیری آنکھ کو خدا نے غیب کی بارش دکھائی۔ دراصل وہ بارش تمہارے اس (ظاہری) بادل کی نہیں بلکہ وہ اور ہی بادل اور اور ہی آسمان ہے۔ ایسی بارش اور ہی بادل سے ہے اور اس کے نزول میں خدا کی رحمت پوشیدہ ہے جسے تو نے دنیوی بارش سمجھ لیا۔

ف: حضرت مولانا محمد بشیر کوٹلوی اس کا عجیب نتیجہ اخذ فرماتے ہیں جو درج ذیل ہے:

جب حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی چادر جس نے اوڑھ لی اُس پر آسمان غیب کی بارش غیب ہونے لگی تو جس ذات بابرکات کی وہ چادر ہے اس ذات والاصفات پر عالم غیب سے اسرار ورموز اور علوم غیبیہ کی بارش کیوں نہ ہوتی ہو گی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی محبّت کی چادر جس نے بھی اوڑھ لی۔ سمجھ لیجئے اس پر یہ بات منکشف ہو گئی کہ ہمارے محبوب آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دانائے غیوب ہیں اور عالم ماکان و ما یکون ہیں اور جو اس چادر سے محروم ہے اُس سر ننگے کو یہی معلوم ہے کہ حضور کو کچھ معلوم نہیں۔ معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سب کچھ معلوم ہوا اور جسے یہ حقیقت معلوم نہیں۔ اسے خود کچھ معلوم نہیں میں نے لکھا ہے: یارسول اللہ سے

تو دانائے ماکان اور مایکون ہے
مگر بے خبر بے خبر دیکھتے ہیں

لیکن یہ بے خبر ایسے بے خبر ہیں کہ ماننے پہ آجائیں تو پھر اولیاء اور ان کے جانوروں کے لیے بھی علم غیب کا اقرار کرنے لگ جاتے ہیں۔ چنانچہ ان کے ایک مولوی حسین علی واں بھچراں ضلع میانوالی کے پیر ومرشد رحمہ اللہ تعالیٰ کے ملفوظات میں ہے کہ:

marfat.com

ایک دفعہ حاجی میاں عبدالکریم قوم اتراہ ساکن گرہ نورنگ نے مولوی صاحب حسین علی سے پوچھا کہ اولیاء غیب جانتے ہیں تو مولوی صاحب نے جواب دیا کہ علم غیب خدائے تعالیٰ جلشانہ کا خاصہ ہے، البتہ وہ اتنا جانتے ہیں کہ جو حق تعالیٰ بذریعہ الہام یا کشف ان کے دل میں ڈال دے۔

اس کے بعد حاجی صاحب نے پوچھا کہ اولیاء اللہ کے گھوڑے غیب جانتے ہیں تو مولوی صاحب (حسین علی) نے کہا۔ کیوں تو حاجی صاحب نے بیان کیا کہ ایک گھوڑا حضرت والا کا میرے پاس تھا اور میرے باجرہ کی فصل میں چرا کرتا تھا۔ میرے دل میں گزرا کہ اگر اسی طرح یہ گھوڑا باجرہ کے سٹے کھاتا رہا تو پھر فصل اٹھانے کے وقت ہاتھ کچھ نہیں آئے گا اور زیادہ حصہ باجرے کے سٹوں کا وہ چر جائے گا

میرے دل میں یہ گزرنا تھا کہ گھوڑے نے سٹے کھانا چھوڑ دیے اور گھاس کھانے میں مشغول ہوگیا۔ میں سمجھ گیا کہ یہ اس نے میرے اس دل کے خطرہ کے باعث کیا ہے جو میرے دل میں گزرا تھا۔ میں گھوڑے کے پاس گیا اور اس کے پاؤں پکڑ کر منت وسماجت کی کہ تمام مال حضرت والا کا ہے۔ بغیر کسی خدشہ کے تم اسے کھاؤ چنانچہ فی الفور کھانے لگا۔

مولوی صاحب (حسین علی) نے جواب دیا کہ تمہارے اس خیال کی وجہ سے خدا نے اس کو روک دیا تھا۔ جب تم نے توبہ کی تو پھر اللہ تعالیٰ نے گھوڑے کو چھوڑ دیا۔ یہ خدا کی مہربانی ہے کہ تیرے اعتقاد کو پختہ کرنے کا وسیلہ بنا دیا۔ مولوی صاحب (حسین علی) یہ جواب دے کر (اس خیال سے کہ اولیاء کو علم ہوتا ہے وہ کیسے ہوتا ہے۔ وہ بعض اشیاء جانتے نہیں یا اکثر توجہ اور خیال سے یا کس طرح)، انہی خیالات کو ذہن میں لیے تسبیح خانہ میں "حضرتؒ" کے پاس تشریف لے گئے۔ حضرت والا پٹھانوں سے پشتو میں کسی معاملہ پر گفتگو کر رہے تھے۔ مولوی صاحب چپکے سے ان افغانوں کے پیچھے بیٹھ گئے۔ حضرت صاحب قبلہ مولوی صاحب کے بیٹھتے ہی ان کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا:

marfat.com

مصطفیٰ روزے بگورستان برفت
۱۱۳ با جنازۂ مردے از یاران برفت

خاک را در گور او آگندہ کرد
۱۱۴ زیر خاک آں دانہ اش را زندہ کرد

صفحہ گذشتہ سے:

مولوی صاحب! اولیاء ہمہ می دانند۔ لیکن مامور باظہار نیستند۔
بس اتنا فرما کر بدستور افغانوں سے مشغول ہو گئے۔ فوائد عثمانی ص ۹۸ مولفہ سید محمد اکبر علی شاہ دہلوی
نیز اس میں ہے:

ایک دن عشا کے وقت مولوی حسین علی صاحب، حضرت قبلہ (قلبی و روحی فداہ) کی خدمت میں حاضر تھے۔ ارشاد فرمایا کہ اسے مولوی صاحب تم اپنے گھر جاؤ۔ جب واپس آؤ گے تو جو حالات و معاملات تم پر گزریں مجھ سے دریافت کرو، ایک ایک تجھے مفصل بتا دوں گا اور انشاء اللہ کسی ایک امر میں بھی غلطی نہیں ہوگی۔ (فوائد عثمانی ص ۹۹)

۱۱۳۔ ترجمہ: حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلّم اپنے صحابی کے جنازہ کے ساتھ گورستان میں تشریف لے گئے۔

۱۱۴۔ ترجمہ: اس کی قبر کو مٹی سے بھر دیا مٹی کے نیچے سے اس دانے کو زندہ کیا۔

حل لغات: دانہ سے مراد دونوں صورتوں میں جسم ہے۔ آگندہ از آگندن بمعنی جمع کرنا اور مٹی ڈالنا (امداد)

اس شعر کے یا تو یہ معنی ہیں کہ پیغمبر نے اس کو دفنا کر از سر نو زندہ کر دیا اور اپنے ہاتھ سے

marfat.com

مٹی دے کر اپنے صحابی کو حیات ابدی عنایت فرمائی ۔ کیونکہ :

اَلْمُؤْمِنُوْنَ لَا یَمُوْتُوْنَ بَلْ یَنْتَقِلُوْنَ مِنْ دَارِ الْفَنَاءِ اِلٰی الْبَقَاءِ

یعنی مومن مرتے نہیں بلکہ دار فنا سے دار بقا کی طرف انتقال کر جاتے ہیں ۔

یا یہ معنی ہیں کہ اس کو دانہ کی طرح زمین میں مدفون کردیا اور اس سے دیگر صحابہ پر اس بات کا اظہار منظور تھا کہ یہ شخص حشر کے دن اس طرح زندہ ہوگا جس طرح دانہ زمین سے اگتا ہے ۔ مگر پہلے معنی نہایت عمدہ اور بلیغ ہیں (کذا قال صاحب کتاب مرقوم) اور یہ حضور علیہ السلام کا معجزہ ہے اور ایسے معجزات کا صدور حضور علیہ السلام سے بارہا ہوا جس کی تفصیل کے لیے فقیر اویسی غفرلہ کی المبشرات فی المعجزات کا مطالعہ کیجیے۔

marfat.com

۱۱۵ ــــــــــ این درختانند ہمچو خاکیان
دستہا بر کردہ اند از خاکدان

۱۱۶ ــــــــــ سوئے خلقان صد اشارت می کنند
وانکہ گوشستت عبارت می کنند

۱۱۵۔ ترجمہ : یہ درخت بھی مثل خاکیوں کے ہیں کہ جنہوں نے خاکدان سے ہاتھ بلند کیے ہیں۔

یعنی یہ درخت جو زمین پر موجود ہیں مثل خاکی انسانوں کے ہیں اور اپنے ہاتھوں (شاخوں سے) گویا اس طرف اشارہ کر رہے ہیں کہ جس طرح ہم زمین سے نکل آئے ہیں۔ اسی طرح حشر کے دن تمام اجسام خاکی مُردے (قبروں) سے نکلیں گے اور احکم الحاکین کے سامنے حساب وکتاب کے لیے حاضر کیے جائیں گے۔

اس شعر میں مولانا قدس سرہٗ نے اثبات حشر ونشر کے لیے اشجار دنیا کو اجسام سے تشبیہہ دی ہے۔ تاکہ کوتاہ نظر اور عوام اچھی طرح سمجھ لیں کہ اشجار کی طرح اجسام بھی محشر کے دن زمین سے نکلیں گے۔

ترجمہ ۱۱۶ : خلق کی طرف سو اشارے کرتے ہیں اور جس شخص کے کان ہیں اس سے بات کرتے ہیں۔

یعنی تمام درخت زمین سے نکل کر زبان حال سے یہ اشارہ کر رہے ہیں کہ اے دنیا کے لوگو تم بھی مرنے کے بعد ہماری طرح ایک دن ضرور زمین سے نکلو گے گویا یہ نکلنا حشر کے دن ہو گا۔

دوسرے مصرعہ کا مطلب یہ ہے کہ درختوں کے اس اشارہ کو تو ہر شخص سمجھ سکتا ہے لیکن

marfat.com

۱۱۷ـــــــــــ تیز گوشاں را از ایشاں بشنوند
غافلاں آواز ایشاں نشنوند

صفحہ گذشتہ سے :

اس شخص سے جو باطنی کان رکھتا ہے درخت بھی مضمون زبان سے ادا کرتے ہیں اور وہ سن لیتا ہے کیونکہ اولیاؤ اور خدا کے مقبول بندوں کے ساتھ درختوں کا ہمکلام ہونا احادیث سے ثابت ہے۔

۱۱۷۔ ترجمہ : تیز گوش ان کے راز سن سکتے ہیں غافل ان کی آواز نہیں سن سکتے۔

شرح : تیز گوش سے عارف مرفوع الحجاب مراد ہے جس کی سماعت تیز ہوتی ہے اور جو انہیں ظاہری کانوں سے درختوں کے راز سن سکتا ہے یعنی جو لوگ تیز سماعت رکھتے ہیں وہی درختوں کے راز اپنے کانوں سے سُن سکتے ہیں ورنہ غافل لوگوں یا باطنی بہروں کے کانوں میں درختوں کی آوازیں نہیں آتیں اور جمادات اور نباتات کا بولنا اور ہم کلام ہونا اولیاء کرام کے ساتھ متواتر ثابت ہے جس پر ہمارا ایمان ہے لیکن منکر منکر ہی ہیں۔

marfat.com

۱۱۸— بازبانِ سبز و با دست دراز
از ضمیر خاک می گویند راز

۱۱۹— ہمچوں بطّان سر فرد بردہ بآب
گشتہ طاؤساں و بودہ چوں غراب

۱۱۸۔ ترجمہ: سبز زبان اور لمبے ہاتھوں سے خاک کی ضمیر کا راز کہتے ہیں۔
شرح: سبز زبان سے سبز پتے اور دست دراز سے لمبی لمبی شاخیں مراد ہیں یعنی درخت پتوں کی زبانوں سے حال کہتے ہیں اور شاخوں کے ہاتھوں سے اس طرف اشارہ کرتے ہیں کہ جس طرح ہم زمین سے اُگے ہیں اسی طرح تم بھی قیامت کے دن زمین سے اُٹھا کر میدان محشر میں لائے جاؤ گے۔
۱۱۹۔ ترجمہ: بطخ کی طرح پانی میں سر نیچے کیے ہوئے ہوتے ہیں مور کی طرح ہو جاتے ہیں حالانکہ اس سے قبل وہ کوے کی طرح سیاہ تھے۔
شرح: درخت بوئے جانے کے دور میں بطخ کی طرح پانی کے نیچے ہوتے ہیں اور زمین سے نکلنے کے بعد موسم ربیع میں مور کی طرح مزین اور سرسبز ہو جاتے ہیں اور بہار سے پہلے موسم سرما میں خشک اور کوے کی طرح سیاہ اور بے رونق رہتے ہیں ایسے ہی مردے دفناتے وقت گویا دانے کی طرح زیر زمین ہوتے ہیں۔ بعد ازاں ان کی ہڈیاں اور گوشت پوست (اکثر لوگوں کے) خاک میں مل کر، ان پر گویا خزاں آجاتی ہے اور ابدان بے رونق ہو جاتے ہیں مگر تمام اجسام محشر میں مور کی طرح مزین یعنی کامل اور صحیح سالم ہو کر نکلیں گے یعنی بدن کے اجزا خاک کے اندر منتشر اور بظاہر لاشے یا معدوم ہو جاتے ہیں یعنی انبیاء و اولیاء کو مستثنیٰ کر کے عوام کی یہی حالت ہوتی ہے
(بقیہ بر صفحہ آئندہ)

marfat.com

۱۲۰ —— در زمستان شان اگر محبوس کرد
آں غرابان را خدا طاؤس کرد

۱۲۱ —— در زمستان شان اگرچہ داد مرگ
زندہ شان کرد از بہار و داد برگ

صفحہ گذشتہ سے :

پھر تمام جمع ہو کر اللہ تعالیٰ کے ہاں پیش ہوں گے اسی ہیئت میں جیسے دنیا میں موجود تھے چنانچہ حدیث شریف میں ہے :

حُشِرَ النَّاسُ حُفَاۃً عُرَاۃً غُرْلاً

یعنی تمام آدمی حشر کے دن ننگے پاؤں اور ننگے تن اور غیر مختون اٹھائے جائیں گے اور قبروں سے ویسے ہی اٹھیں گے جیسے ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے تھے یہاں تک کہ ختنہ کی کھال اپنی جگہ پر چسپاں ہو جائے گی ۔

۱۲۰ ۔ ترجمہ : انہیں سردیوں میں مقید کر رکھا تھا ان کوؤں کو اللہ تعالیٰ نے ہی مور بنایا ۔

۱۲۱ ۔ ترجمہ : انہیں اگرچہ سردیوں میں موت دی تھی لیکن بہار میں انہیں زندہ کر کے انہیں پتے عطا فرمائے ۔

شرح : ان دونوں شعروں میں اسی گذشتہ مطلب کی توضیح ہے نیز طاؤس بمعنی مور ہے اور غراب بمعنی کوا ۔ یعنی اگرچہ جاڑوں اور خزاں کے موسم میں اللہ تعالیٰ درختوں کو اسیر رنج خزاں اور کوؤں کی طرح بے رونق کر دیتا ہے لیکن پھر موسم بہار میں طاؤس کی طرح بارونق اور سر سبز کر کے نکالتا ہے اور ان کی خزانی موت موسم بہار میں نئی زندگی سے بدل جاتی ہے ۔

(بقیہ بر صفحہ آئندہ)

marfat.com

اسی طرح موت اجسام کے حق میں خزاں اور حشران کے لیے بمنزلہ بہار ہے۔ قیامت کے دن تمام اجسام اس طرح زندہ ہوجائیں گے جس طرح بہار میں سوکھے ہوئے درخت یا تخم سرسبز ہوجاتے ہیں اور یہی اہل حق جماعت اہلسنت کا مذہب ہے اس کے منکرین منکرین اسلام ہیں اور ان کے چند مذاہب ہیں جن کی تفصیل مولانا قدس سرہٗ نے بیان فرمائی۔ ہم نے اپنے دلائل اپنے رسالہ "آلمغراب" المعروف کو رد ہا بیوں کی غذا میں لکھے ہیں۔

marfat.com

۱۲۲ــــــــــ منکران گویند ہست ایں خود قدیم
ایں بمیبندیم بر رب کریم

۱۲۲- ترجمہ : منکرین کہتے ہیں کہ تحقیق یہ (دنیا) قدیم ہے

شرح : یہاں سے منکران حشرونشر اور حکمائے ملحدین کا رد شروع ہوا ہے یعنی اہل فلاسفہ اور دہریے یوں کہتے ہیں کہ یہ درختوں کا بویا جانا اور سرسبز ہونا اور پھر خشک ہوجانا اور پھر سبز ہوجانا اور علیٰ ہذالقیاس دیگر تمام اشیائے کائنات کا تغیر و تبدل ازلی و ابدی ہے۔ ہر شے کے افراد انواع ازل سے ابد تک ضمن اشخاص میں باقی رہیں گی یعنی زید مرگیا تو کیا ہوا اس کے نوع یعنی انسان کے افراد مثلاً خالد و محمود و حامد وغیرہ ہمیشہ باقی رہنے والے ہیں۔ اسی طرح جانوروں اور دیگر اشیاء کو خیال کرنا چاہیئے یہ رہٹ ہمیشہ سے یونہی چلا آیا ہے اور ہمیشہ یوں ہی چلتا رہے گا۔ نیز ان کا مقولہ ہے کہ اشیائے کائنات کا تغیر و تبدل تغیر فصول کے باعث ہے اور چونکہ دہریے عالم کو فانی نہیں مانتے اس لیے حشرونشر کے بھی منکر ہیں مگر قرآن مجید کی بہت سی آیتیں ان کے اس قول کی تکذیب کر کے ان پر کفر کا فتویٰ دیتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

وَ قَالَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا ءَاِذَا کُنَّا تُرٰبًا وَّ اٰبَآؤُنَآ اَئِنَّا لَمُخْرَجُوْنَ۔

یعنی کافر از راہ تعجب کہتے ہیں کہ کیا ہم اور ہمارے باپ دادا مٹی میں مٹی ہوکر پھر زندہ کیے جائیں گے۔ یعنی حشر ہرگز نہ ہوگا۔

اسلامی فرقے

۱- اسلام کے علمائے ظاہر کے نزدیک ذات الٰہی کے سوا سب چیزیں حادث اور مسبوق ہیں مگر اتنی بات ہے کہ اس کے اسماء صفات مسبوق بہ سبقت زمانیہ نہیں ہیں

marfat.com

بلکہ منفصل واقع ہیں۔ نہ عین ذات ہیں نہ غیر ذات اور چونکہ تمام اجسام فانی ہیں اس لیے ان کا حشر و نشر اور حساب و کتاب ضرور ہے۔

۲۔ علمائے صوفیہ اہل اسلام کے نزدیک اللہ تعالیٰ مع اپنے اسماء حسنیٰ کے قدیم ہے اور دیگر متعینات متصل واقع ہیں اور عالم ان کے نزدیک قدیم نہیں بلکہ متجدد ہے یعنی ایک شے فانی ہوکر اسی قسم کی دوسری نئی شے اس کی جگہ جہان میں آجاتی ہے اور فانی پر حشر و نشر اور حساب و کتاب ضروری ہے۔ ان ہر دونوں کے دلائل علم کلام میں دیکھئے۔

منکرین اسلام یعنی فلاسفہ فلاسفہ کے یوں تو بہت سے فرقے ہیں مگر تین جماعتیں بڑی بڑی ہیں:

۱۔ دہریون جنہیں اصطلاح میں دہریہ کہتے ہیں یہ لوگ صانع حقیقی اور خالق کل کے منکر ہیں اور عالم کو غیر فانی ولایزال اور موجود بنفسہ جانتے ہیں۔ نیز نطفہ کو حیوان سے اور حیوان کو نطفہ سے ہمیشہ باقی رہنے والی چیز سمجھتے ہیں اور یہ خیال کرتے ہیں کہ کیفیت عالم ہمیشہ اسی طرح رہے گی جس طرح اب موجود ہے۔

۲۔ طبعیون۔ جو اکثر طبیعت حیوانی سے بحث کرتے ہیں۔ یہ لوگ عجائبات قدرت رب العالمین دیکھ کر صانع کے تو قائل ہیں مگر چونکہ ان کا مبحث اکثر طبیعت ہے اس لیے ان کا یہ گمان ہے کہ قوت انسانی مزاج کے تابع ہے جب مزاج اور عنصر باطل ہوگیا تو قوت بھی باطل ہو جائے گی اور چونکہ اعادہ معدوم محال ہے اس لیے نفس کا اعادہ سمجھ میں نہیں آتا اور حشر و نشر و حساب و کتاب کچھ نہیں ہے علی ہذا القیاس طاعت کا ثواب اور معصیت کا عذاب بھی موہوم ہے۔

۳۔ الٰہیون۔ جو متاخرین فلاسفہ سے ہیں مثلاً سقراط استاد افلاطون اور افلاطون استاد ارسطا طالیس۔ جنہوں نے اپنے دونوں فرقوں کا رد کیا ہے مگر ان میں بھی کفر کی بعض خصلتیں موجود تھیں۔ سب سے زیادہ افسوس اس پر ہے کہ اس قدر دانا ہوکر مذکورہ

(بقیہ بر صفحہ آئندہ)

marfat.com

۱۲۳ — جملہ پندارند ایں خود دائم است
وز قدم ایں جملہ عالم قائم است

صفحہ گذشتہ سے :

بالا تینوں فرقے مرنے کے بعد حشر و نشر کے یکساں منکر ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ اشیاء کا تغیر و تبدل اور ہر ذی روح کی موت و حیات گردش فلک اور تغیر فصول کے باعث ہے۔ قدامت سے اسی طرح ہوتی آئی ہے۔ ہم ان تغیرات کو خدا کی طرف منسوب نہیں کرتے یعنی یہ نہیں کہتے کہ خدا ایسا کرتا ہے بلکہ خود زمانہ اور اس کی تاثیر سے یہ تغیرات ظاہر ہوتے ہیں۔

۱۲۳۔ ترجمہ : وہ منکرین گمان کرتے ہیں کہ یہ ہمیشہ سے ہے اور قدیم ہونے سے تمام عالم اسی طرح قائم ہے۔

شرح : سب لوگ جانتے ہیں کہ یہ عالم خود ہمیشہ ہے اس کا تغیر و تبدل بھی ازلی و ابدی ہے ہر شے کی افراد ازل سے ابد تک رہے گی۔ مثلاً کوئی شخص مر گیا تو کیا اس کی نوع یعنی انسان کے افراد ہمیشہ باقی رہنے والے ہیں۔ اگر کوئی درخت کٹ گیا یا خشک ہو گیا تو کیا ہوا۔ اس قسم کے درخت ہر زمانہ میں موجود پائے جائیں گے۔ غرضیکہ یہ طریقہ ہمیشہ سے یوں ہی چلا آیا ہے اور ہمیشہ یوں ہی چلا جائے گا اس کی کوئی انتہا نہ ہو گی۔ نیز ان کا مقولہ ہے کہ اشیائے کائنات کا تغیر و تبدل فصول کے تغیر کی وجہ سے ہے اور چونکہ عالم کو فانی نہیں مانتے اسی لیے ان کا خیال ہے کہ حشر و نشر نہ ہو گا لیکن یہ ان کا اندھاپن ہے۔ چنانچہ مولانا نے فرمایا :

marfat.com

۱۲۴ کوری ایشاں دروں دوستان
حق بروپابند باغ و بوستان

۱۲۵ ہر گلے کاندر دروں بو یا بود
آں گل از اسرارِ کُل گویا بود

۱۲۴- ترجمہ: یہ ان کا اندھاپن ہے لیکن دوستوں کے دل حق پاتے ہیں اسی لیے وہ باغ و بوستان ہیں۔

شرح: کوری ایشاں مبتدا ہے اور اس کی خبر حسب قرینہ محذوف ہے یعنی کوری ایشان ثابت ست اب معنٰی یہ کہ ان منکران حشر کا اندھاپن ظاہر ہے کیا یہ اتنا نہیں سمجھتے کہ جو شے قدیم ہوتی ہے وہ تغیرات سے محفوظ رہتی ہے اور عالم چونکہ متغیر ہے اس لیے حادث ہے اور حادث فانی ہوتا ہے اس لحاظ سے انسان بھی فانی ہے اس لیے اس فانی کو حساب کتاب کے لیے محشر کے دن ضرور زندہ کیا جائے گا۔

خلاصہ یہ کہ اس انکار سے منکرین کا اندھاپن ظاہر ہے برخلاف اس کے دوستوں کے کہ انکے دلوں میں (ان سے اولیاءاللہ مراد ہیں) باغ معرفت کھل رہا ہے اور وہ عالم کو فانی سمجھ کر مرتبہ بقاباللہ حاصل کیے ہوئے ہیں یا اس کے لیے کوشش کر رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے دلوں کو گلزار بنادے۔

۱۲۵- ترجمہ: ہر وہ گل کہ جو اپنے دل سے خوشبو دے رہا ہے وہ پھول اسرار گل کا بھید بتانے والا ہے۔

شرح: یہاں اسرارِ کُل سے ذات الٰہی مراد ہے یعنی معرفت کا پھول جو عارفوں کے دل

(باقی برصفحہ آئندہ)

marfat.com

۱۲۶ ــــــ بوئے ایشاں رغم الف منکران
گرد عالم میبرود پردہ دران

صفحہ گذشتہ سے:

میں شگفتہ ہوکر گلشن حقیقت کی خوشبو پھیلاتا ہے وہ دراصل چپکے چپکے گویا اسرار خداوندی آشکار کررہا ہے کہ بجز ذات خداوندی ہر شے فانی ہے یا لفظ گل سے چیز مراد ہے یعنی معرفت کا پھول اپنی خوشبو سے ہر چیز کے اسرار بیان کردیتا ہے اور اسی نے عارفوں کو یہ بتا دیا ہے کہ ماسوائے اللہ ہر شے حادث اور فانی ہے صرف وہی باقی رہنے والا ہے اور بس کما قال " لایبقی الا وجہہٗ ربك ذوالجلال والاکرام اور فرمایا کل شئ ھالك الا وجہہ "۔

۱۲۶۔ ترجمہ: ان کی بو منکروں کے لیے باعث ذلت ہے عالم کی گرد پھاڑتی ہوئی جاتی ہے۔

شرح: رغم الف لغت میں بمعنی مالیدن بینی بخاک (ناک کا خاک آلودہ ہونا) ہے اور مجازاً کسی کام کے برعکس کرنے کو کہتے ہیں اور اصطلاح میں بمعنی ذلت آتا ہے یعنی اولیاء اللہ کی بوئے معرفت جو برعکس اعتقاد ملحدان اور باعث ذلت منکران حشر و قائلان قدم عالم ہے شکوک اور غفلت کے پردے پھاڑ کر گرد عالم تک پہنچ گئی ہے اور تمام جہان کو معلوم ہوگیا ہے کہ ذات الٰہی کے سوا ہر شئے حادث اور فانی ہے اور عدالت خداوندی قائم رکھنے کے لیے مرنے کے بعد زندہ ہونے یعنی حشر و نشر کا سچے دل سے ماننا فرض ہے۔

marfat.com

منکران ہمچوں جعل زاں بوئے گُل
۱۲۷ —— یا چو نازک مغز از بانگ دُہل

خویشتن مشغول می سازند غرق
۱۲۸ —— چشم می دوزند از لمعان برق

۱۲۷۔ ترجمہ : منکر لوگ اس گل کی خوشبو سے جُعل کی مانند ہیں یا ڈھول کی آواز سے نازک مغز کی مانند۔

شرح : جُعل ایک بد دار کالے کیڑے کو کہتے ہیں جو برسات کے موسم میں گوبر یا اسی قسم کی بودار چیزوں میں پیدا ہوتا ہے اور ان میں رہتا ہے خوشبو سے اسے نہایت نفرت ہے یہاں تک کہ خوشبو سونگھنے سے مر جاتا ہے۔ یعنی منکر لوگ جُعل کی مانند ہیں کہ جو بدبو یعنی الحاد کی سڑیندی باتوں سے خوش ہوتے ہیں اور صحبت اولیاء یا علوم انبیاء جو خوشبو کی مانند ہیں ان سے نفرت کرتے ہیں یا ان کی مثال اس دماغ کی سی ہے کہ جو ڈھول کی آواز سننے کا متحمل نہ ہو۔ حالانکہ حدوث عالم اور قدم حق کی آواز اولیاء کے ذریعہ سے ڈھول کی آواز کی طرح تمام عالم میں پہنچ گئی ہے۔ اس کو سب نے سُنا ہے مگر منکروں کے نازک دماغوں نے نہیں سُنا۔

۱۲۸۔ ترجمہ : اپنے کو بیہودہ شغلوں میں غرق رکھتے ہیں اور بجلی کی چمک سے آنکھ بند کر لیتے ہیں۔

شرح : یعنی منکرین اپنے آپ کو دنیوی شغلوں اور بیہودہ کاموں میں مصروف رکھتے ہیں اور ان میں ایسے مستغرق ہوتے ہیں کہ علوم باطنی کی چمک کو نہیں دیکھتے یا یہ کہ اس سے آنکھ بند

(بقیہ بر صفحہ آئندہ)

marfat.com

۱۲۹ ـــــــــ چشم میدوزند و آنجا چشم نے
چشم آں باشد کہ بیند ما منے

۱۳۰ ـــــــــ چوں زگورستان پیمبر باز گشت
سوے صدیقہ شد و ہمراز گشت

صفحہ گذشتہ سے :

کر لیتے ہیں ۔ ان کا مشغلہ صرف حظوظ نفسانی اور عقلی دلائل سے ہوتا ہے نہ کہ فرمان انبیاء اور علم الٰہی سے ۔ یہی وجہ ہے کہ وہ الحاد کی تاریکی سے ایمان کی روشنی میں نہیں آ سکتے ۔

---

۱۲۹ ۔ ترجمہ : آنکھ بند کرتے ہیں اور وہاں تو آنکھ ہی نہیں ہے ۔ آنکھ وہ ہوتی ہے جو جائے امن کو دیکھ لے ۔

شرح : یعنی یہ کوئی بات نہیں ہے کہ اہل انکار علوم حقیقی سے دانستہ آنکھ چراتے ہیں بلکہ ان کی آنکھیں ہی نہیں ہیں جو وہ دیکھ سکیں ۔

خلاصہ یہ کہ وہ آنکھیں ہی نہیں رکھتے کیونکہ آنکھ تو یہ ہے جو نجات کا راستہ دکھائے ، اور جب ایسی آنکھ منکرین کو نصیب ہی نہیں پھر وہ کس آنکھ سے علوم حق کی تجلی دیکھ سکتے ہیں ۔

۱۳۰ ۔ ترجمہ : جب قبرستان سے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی طرف گئے اور باتیں کیں ۔

شرح : یہاں سے مولانا پھر اصل قصہ کی طرف رجوع کرتے ہیں کہ جب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم صحابی کے دفن سے مکان کی طرف تشریف لائے اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس پہنچے ۔

marfat.com

۱۳۱— چشم صدیقہ چو بر رویش فتاد
پیش آمد دست بر وے می نہاد

۱۳۲— بر عمامہ و روئے او و موئے او
بر گریبان و برو بازوئے او

۱۳۳— گفت پیغمبر چہ میجوئی شتاب
گفت باراں آمد امروز از سحاب

۱۳۱۔ ترجمہ: جب صدیقہ (رضی اللہ عنہا) کی نظر آپ کے چہرہ پڑی۔ آگے آئیں اور آپ کے اوپر ہاتھ رکھا۔
۱۳۲۔ ترجمہ: عمامہ اور چہرہ مبارک، بالوں، گریبان اور بازوؤں پر۔
شرح: دونوں شعر قطعہ بند ہیں۔ یعنی جب سرورِ کائنات اپنے صحابی کو دفنا کر گورستان سے دولت خانہ میں واپس تشریف لائے تو حضرت عائشہ آپ کے عمامے، چہرہ مبارک، بالوں گریبان، بغل اور بازو پر ہاتھ پھیر کر یہ معلوم کرنا چاہتی تھیں کہ آج مینہہ برسا ہے شاید آپکے کپڑے بھیگ گئے ہوں گے۔
۱۳۳۔ ترجمہ: حضور علیہ السلام نے فرمایا: کیا تلاش کر رہی ہو۔ جلدی سے عرض کی آج تو بادل نے بارش برسائی ہے۔
شرح: لفظ شتاب پہلے گفت سے بھی متعلق ہو سکتا ہے اور دوسرے سے بھی یعنی یہ حالت دیکھ کر یا تو حضورؐ نے جلدی سے پوچھا کہ اے عائشہ تم کس چیز کی جستجو میں ہو یا حضورؐ نے جب یہ کہا کہ اے عائشہ کیا ڈھونڈ رہی ہو تو حضرت عائشہ نے

marfat.com

۱۳۴ ـــــــ جامہایت مے بجویم در طلب
ترنمی بینم ز باران یا عجب

۱۳۵ ـــــــ گفت چہ بر سر فگندی از ازار
گفت کردم آں ردائے تو خمار

صفحہ گذشتہ سے :

جلدی سے جواب دیا کہ آج مینہہ برساتھا میں یہ دیکھ رہی ہوں کہ کہیں آپ کے کپڑے نہ بھیگ گئے ہوں ۔

۱۳۴۔ترجمہ : آپ کے کپڑوں کو ٹٹول رہی ہوں لیکن تعجب ہے کہ بارش سے بھیگے نہیں۔

شرح : یہ شعر تتمہ جواب حضرت عائشہ ہے ۔یعنی صدیقہ (رضی اللہ عنہا) نے عرض کی کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں آپ کے کپڑوں کو ٹٹول رہی ہوں مگر تعجب ہے کہ باینہمہ جستجو جامۂ مبارک کو تر نہیں دیکھتی حالانکہ آج مینہہ برس چکا ہے ۔ اس کا کیا سبب ہے کہ مینہہ برسا اور آپ کے کپڑے نہ بھیگے ۔

۱۳۵۔ ترجمہ :

فرمایا سر پر چادر کس لیے ڈالی عرض کی میں نے چادر کو دوپٹہ کے طور

حل لغات :۔ پر اوڑھا ہے ۔ یہ جملہ استفہامیہ ہے یعنی کیا تو نے میری چادر سر پر ڈالی ہے (آزاد) لنگوٹہ جو کمر پر باندھا جاتا ہے اور معنی سلوار لیکن حضرت حاجی امداد اللہ کے حاشیہ مثنوی میں لکھا ہے کہ آزاد بکسر بروزن خیار بن ونگ آب را گویند اور دستار کو کہا جاتا ہے۔ وتبنان عربی میں ذن (جو مرد کی بالمقابل ہے) کو کہا جاتا ہے وبمعنے لنگی ولنگ فوطہ (برہان) قاطع

marfat.com

گفت بہر آں نمود اے پاک جیب

۱۳۶ —— چشم پاکت را خدا باران غیب

۱۳۶۔ ترجمہ : فرمایا کہ اسی وجہ سے اے پاک دامن تیری پاک آنکھوں کو خدا نے بارانِ غیب دکھلایا۔

شرح : یعنی رسول خدا صلعم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ سن کر کہ انہوں نے مینہہ دیکھ کر آپ کی ردائے مبارک سر پر ڈال لی تھی۔ فرمایا کہ اے پاک دامن بی بی اس چادر ہی کی برکت سے تجھ کو بارانِ غیب برستا ہوا معلوم ہوا مگر آج مینہہ نہیں برساتھا۔

ف : رسول اللہ صلعم کے فرمانے سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو بارانِ غیب چادر مبارک آنحضرت صلعم کی سر پر ڈالنے کے بعد معلوم ہوا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ چادر مبارک مینہہ برسنے کے بعد سر پر ڈال لی کیونکہ مینہہ برسنے سے پہلے اس کا بچاؤ کوئی نہیں کیا کرتا اس کا مطلب یہ ہے کہ شاید اس دن ابر ہو اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے مینہہ کی آمد دیکھ کر سر پر چادر ڈال لی ہو۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ اس دن باران دنیوی نہ تھا بلکہ باران رحمت تھا جو آپ صلعم کی چادر کی برکت سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو برستا ہوا معلوم ہوا۔ یہاں سے یہ بات نکلتی ہے کہ جس طرح سرور کائنات صلعم کی چادر مبارک کی برکت سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو باران غیب ظاہری طور پر نظر آ گیا۔ اسی طرح ہر مرشد کامل کے فیض صحبت اور ارشاد و ہدایت کی برکت سے اسرار معارف طالب کو معلوم ہو سکتے ہیں۔ بشرطیکہ دیکھنے والا باطنی چشم اور اس میں معرفت کا نور رکھتا ہو۔

marfat.com

۱۴۷ —— نیست آں باران ازیں ابر شما
ہست ابر دیگر و دیگر سما

۱۴۸ —— اینچنیں باران زابر دیگر ست
رحمت حق در نزولش مضمرست

۱۴۷۔ ترجمہ: وہ مینہہ تمہارے اس ابر سے نہیں برستا۔ وہ ابر اور ہے اور اس کا آسمان اور۔

۱۴۸۔ ترجمہ: ایسا مینہہ دوسرے ابر سے برستا ہے اور اس کے نزول میں حق کی رحمت پوشیدہ ہے۔

شرح: یہ دونوں شعر حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے قول بھی ہو سکتے ہیں اور مولانا کا مقولہ بھی۔ ابر شما سے یہ مراد ہے کہ یہ بادل جو تمہیں نظر آیا یا سب کو تم بادل جانتے ہو اور حالانکہ یہ باران غیب اس ابر سے نہیں برستا بلکہ اس کا ابر اور اس ابر کا آسمان شے دیگر ہیں۔ علاوہ ازیں اس باران غیب کے نزول میں سراسر رحمت پوشیدہ ہوتی ہے۔ بخلاف اس باران آبی کے کہ اس میں کبھی رحمت پوشیدہ ہے اور کبھی زحمت۔ یعنی کبھی یہی باران باعث نقصان بھی ہو جاتا ہے مگر باران غیب نقصان کی چیز نہیں۔

ف: چونکہ اس باران غیب اور آسمان غیبی کی شرح آئندہ حکیم سنائی کے قول کی تفسیر میں آنے والی ہے۔ اس لیے مولانا رحمۃ اللہ علیہ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم اور عائشہ رضی اللہ عنہا کے سوال و جواب کو چھوڑ کر حکیم سنائی قدس سرہٗ کے قول کی تفسیر کرتے ہیں۔

marfat.com

marfat.com